# DATE LABEL

# مراۃ الغیب

دیوان اوّل

جناب امیر مینائی مرحوم

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب
مائیسمہ بازار امیراکدل سرینگر کشمیر

قیمت

مجلد۔ چار روپے اٹھ آنے

ناشر

# مکتبۂ کلیاں لکھنؤ

ٹیلیفون ......... ۵۷۲۵

ناشر:۔ شمیم انہونوی
پرنٹر:۔ شاہی پریس لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# امیر مینائی

حضرت امیر مینائی اُردو زبان کے اکابر شعراء میں تھے اور اپنی نسبی اور علمی حیثیت سے بھی ممتاز تھے۔ امیر مینائی اپنے زمانہ میں لکھنؤ کے شعراء میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول تھے۔ ان کی یہ شہرت ان کے علم و فضل، ان کے اخلاق و زہد، ان کی کثیر تصنیفات اور بلند پایہ شاعری کی بدولت تھی۔ آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ ان کی بہت قدر کرتے تھے لیکن جب اودھ کی حکومت کا ستارہ گہنایا اور گہوارۂ علم و ادب انگریزوں کے ہاتھوں برباد ہوگیا تو نواب یوسف علی خاں والی رامپور نے حضرت امیر مینائی کو اپنے پاس بلالیا اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال اور اعلیٰ حضرت نظام دکن نے بھی ان کو شاہانہ عنایتوں سے نوازا۔

حضرت امیر مینائی کا پورا نام امیر احمد تھا۔ امیر تخلص تھا اور چونکہ آپ حضرت شاہ مینا کے خاندان سے تھے جن کا مزار مبارک لکھنؤ میں سرچشمۂ فیض عام ہے اس لئے مینائی کہلائے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولوی کرم محمد تھا۔ حضرت امیر مینائی ۲۱ شعبان المعظم کو دوشنبہ کے دن ساڑھے دس بجے لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہ شاہ نصیر الدین حیدر کا زمانہ تھا۔

درسی کتابیں مفتی سعد اللہ اور علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ امیر مینائی بڑے منکسر المزاج عابد، زاہد اور صوفی منش انسان تھے۔ طب، جفر اور نجوم وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ وہ نہایت ذکی، طباع، محنتی، جفاکش اور وضعدار تھے۔ حضرت مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے اور بہت جلد قابلیت میں استاد سے آگے نکل گئے۔

امیر بہت پرگو شاعر تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں نثر میں بھی لکھی ہیں۔ ایک دیوان غدر میں تلف ہو گیا تھا پھر سنہ ۱۸۹۵ء میں آتشزدگی سے اکثر تصانیف جل کر خاک ہو گئیں۔ ان کے دو دیوان

"مراۃ الغیب" اور "صنم خانۂ عشق" عاشقانہ رنگ میں ہیں۔ محامد خاتم النبیین نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔

آج کل لکھنؤ کے شعرائے متقدمین اور متاخرین عموماً اور ناسخ و آتش اور اسیر و رشک خصوصاً مورد عتاب ہدف ملامت ہو رہے ہیں ایسی حالت میں امیر مینائی کے کلام کی اشاعت کرنا اور ان کے کلام پر اظہار ستائش کرنا بڑی جرات کی بات ہے مگر ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی شاعری ہی ہے اور اپنی شاعری ہی کی بدولت وہ مشہور زمانہ ہوئے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی شاعری کو ہاتھوں ہاتھ پہنچایا جائے۔

امیر مینائی کو ہر صنف شاعری پر مکمل قدرت حاصل تھی۔ وہ کبھی میر تھے تو کبھی میرزا کبھی جرات تھے تو کبھی ناسخ و آتش۔ شوکت الفاظ، متانت خیال، صفائی بندش، خوش اسلوبی نادر تشبیہات، دلفریب استعارات و محاورات اخلاق و اصول کی باتیں، تصوف، روزمرہ، شوخی درد، معاملہ بندی و ادابندی وغیرہ کی شاعرانہ لطافتوں سے ان کا کلام مالامال ہے۔ قافیہ جس طرح کا مضمون چاہتا تھا وہ اپنی جودت طبع کے زور سے ویسا ہی مضمون اسے عطا کر دیتے تھے اور شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا رکھ دیتے تھے کہ بلاغت کا دریا بہنے اور فصاحت کا سمندر موجیں مارنے لگتا تھا۔

امیر کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شاعر پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنے آپ کو اپنے علم و فضل کے زور سے شاعر بنا لیا تھا لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جو شخص فطرتاً شاعرانہ طبیعت لے کر نہیں آیا وہ خود کو ایسا قادر الکلام شاعر بنا ہی نہیں سکتا اور پھر واقعات شاہد ہیں کہ امیر مینائی نے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا ؎

ابر آتا ہے ہر بار برستا نہیں پانی | اس غم سے مرے آنسوؤں کی ہے یہ روانی

یہ شعر اس وقت کا ہے جبکہ امیر نو برس کے طفل مکتب تھے۔ اس لئے دعوے کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قدرتاً شاعر پیدا ہوئے۔ ازل سے انہیں دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ تحفہ بھی ملا اور اسی چیز نے ان کو شہرت کے بلند بام پر پہنچایا۔

امیر پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں آمد نہیں ہے آورد ہے اور اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ امیر کے یہاں عشق مجازی کا ثبوت نہیں ملتا اور اس کے بغیر واردات محبت کی صحیح تصویر کشی اور جذبات نگاری ممکن نہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ واردات محبت کی صحیح تصویر کشی اور جذبات نگاری کی قوت خداداد ہوتی ہے۔ اس کا انحصار شاعرانہ قوت پر ہوتا ہے اور جس کو خدا کی طرف سے یہ قوت ودیعت ہو جائے اس کے لئے یہ بات دشوار نہیں ہو سکتی۔

یہ اور بات ہے کہ ہم کو اپنی نااہلی کی بدولت محال معلوم ہو دوسرے یہ کہ ہم کو یا آپ کو امیرؔ کے عشق مجازی کا ثبوت نہ ملنا اس کے عدم یا وجود کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو سے

ظرف عالی ہے امیرؔ احمد مینائی کا

اور خود امیرؔ کہتے ہیں سے

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا — کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

اور اس قسم کے لاتعداد اشعار ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حسن و عشق کی وارداتوں اور کارفرمائیوں سے بخوبی واقف تھے۔

امیرؔ پر یہ الزام بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی شاعری صرف ناسخؔ وغیرہ کے رنگ کی ہے۔ تشبیہات و استعارات اور رعایت لفظی وغیرہ کے سوا اس میں جدت خیال و سوز و گداز کا نام نہیں اور یہ کہ آخر زمانے میں انھوں نے داغؔ کا رنگ مقبول دیکھ کر اس کی تقلید کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک تشبیہات و استعارات، مضامین و تخیل اور انداز بیان وغیرہ کا تعلق ہے امیرؔ نے بہت سی جدتیں کی ہیں اور فرسودہ مضامین میں نئی جان ڈالی ہے۔ تصوف، درد و تاثیر وغیرہ سے بھی ان کا کلام خالی نہیں ہے۔ البتہ ان جواہر پاروں کو نظر غور سے دیکھنے اور تلاش کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

امیرؔ نے غزلوں کے ساتھ ہی ساتھ نعتیں بھی کہی ہیں اور نعتوں کا پورا دیوان "محامد خاتم النبیین" کے نام سے موجود ہے۔ گو نعتوں میں امیرؔ نے شاعری سے بہت کم کام لیا ہے پھر بھی اس میں نازک خیالی اور شاعرانہ لطافت کے اعلیٰ نمونے جا بجا نظر آتے ہیں۔ امیرؔ کی نعتیں ان کے زمانے میں بے حد مقبول تھیں اور محافل میلاد اور سماع کی مجلسوں میں لوگ ان سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان کی نعتوں کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جھونکا جو کوئی آئے مدینے کی ہوا کا — ٹھنڈا ہو کلیجہ ترے مشتاق لقا کا
بیمار ہوں میں الفت محبوب خدا کا — اس درد میں ملتا ہے مزا مجھکو دوا کا

---

یا خدا جسم میں جب تک کہ مری جان رہے — تجھ پہ صدقے ترے محبوب پہ قربان رہے
قامت سرور کونین کے کشتوں میں اٹھوں — یا خدا ہاتھ مرے حشر کا میدان رہے

دونوں عالم کے بکھیڑوں سے چھڑا دے یارب
اپنے محبوب کو اک بار دکھا دے یارب

زندگی ہند میں حسرت سے ہوئی ہے آخر
اب تو وہ روضۂ پر نور دکھا دے یارب

خلق کے سرور، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسل داور، خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نور مجسم، نیر اعظم، سرور عالم، مونس آدم
نوح کے ہمدم، خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

فخر جہاں ہیں، عرش مکاں ہیں، شاہ شہاں ہیں، سیف زباں ہیں
سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم

قبلۂ عالم، کعبۂ اعظم، سب سے مقدم راز کے محرم
جان مجسم، روح مصور، صلی اللہ علیہ وسلم

دولت دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تونگر
مالک کشور، تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم

رہبر موسیٰ، ہادی عیسیٰ، تارک دنیا، مالک عقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ، خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم

سرو خراماں، چہرہ گلستاں، جبہہ تاباں، مہر درخشاں
سنبل پیچاں، زلف معنبر صلی اللہ علیہ وسلم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ نعت امیر اپنا ہے پیشہ
ورد ہمیشہ رہتا ہے لب پہ صلی اللہ علیہ وسلم

امیر مینائی کی عاشقانہ غزل رنگ برنگے پھولوں کا ایک گلدستہ اور قیمتی جواہر کا ایک خزینہ ہے۔ مثلاً "گلستاں کا" "بیاباں کا" اس زمین میں ایک گریباں ہی کے قافیے کو لیجئے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ امیر نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اور اشعار کتنے متفرق رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

نہیں سودا فقط یوسف کو اسکے دور داماں کا
گدا اور ہیں بچا ہے کوچہ چاک گریباں کا

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ الٹا مرے چاک گریباں کا

نہ ہوگا بند جبتک نقد جاں باقی ہے قالب میں
سخن کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

نظر آیا وہ چہرہ ہوتے ہوتے رہ گئی وحشت
اٹھائی اسنے چلمن رہ گیا پردہ گریباں کا

کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا

تردد کیا ہے تم کو یہ تو دو ٹانکوں میں اچھا ہے
عدو کا زخم دل کیا چاک ہے میرے گریباں کا

غرضکہ امیر مینائی مرحوم اپنی قوت شاعری کی بدولت ہر رنگ میں بہتر سے بہتر شعر نکال سکتے تھے۔ انکے دواوین پڑھئے تو ایسے گلدستے معلوم ہوں گے جنمیں گلستان ادب کے ہر چمن کے پھول آپکو نظر آئینگے رنگ کے اعتبار سے بھی اور بو کے لحاظ سے بھی۔ یعنی دکنی سے لیکر اپنے معاصرین کے عہد تک جس قسم کی شاعری عہد بہ عہد مقبول رہی یا جس نوعیت کے اساتذہ مشہور و معروف رہے ہیں امیر مینائی نے ہر دور کے ممتاز شاعر کے پہلو بہ پہلو پرواز کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعرانہ قوت و صلاحیت کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ آپ بھی ایسے استاد زمانہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے تو یقیناً انکی استادی کے قائل ہو جائینگے۔

شمیم انہونوی (ایم اے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## قصیدہ در مدح جناب مستطاب جلال رکاب انجم خدم نواب محمد کلب علیخاں بہادر دام ملکہم و اقبالہم مشتملبر مناظرہ دانش و وہم

تخت کاغذ پہ ہوا صدر نشیں شاہ قلم — دائرے طبل کی صورت ہیں الف شکل علم
ہیں جو یہ عرصۂ کاغذ پہ حروف و حرکات — یہی لشکر ہے یہی فوج یہی خیل و خدم
ہے فصاحت جو مصاحب تو بلاغت ہے ندیم — وزرا مرتبۂ و دبدبۂ و جاہ و حشم
منتخب ہیں جو مضامین تو معانی ہیں لطیف — ہیں وہی گنج و خزاین وہی دینار و درم
اہل دفتر نے جو کی کھول کے بستو کی نشست — گردن منشیِ گردوں ہوئی تسلیم کو خم
کبھی منصب کبھی تقسیم میں دیں جاگیریں — شقے لکھے گئے ہونے لگے فرمان رقم
وقت دربار ہوا جمع ہوئے مجرائی — عقل فہم و خرد و ہوش و تدابیر و حکم
سامنے آنے لگے خیر طلب بہر سلام — مردہا تھا جو ادب کا وہ پکارا ابہم
روبرو خسروِ جمجاہ فلک فر کے نگاہ — تا ابد سلطنت پشت و پناہِ عالم
ہوئی مجرے سے بخوبی جو فراغت حاصل — مسندِ حکم ہوئی مطلع انوار قدم

روبرو دستخط خاص کو لایا کاغذ      حکمت الدولہ جو تھا منشی یاقوت رقم
عرضیاں گذریں خلائق کے برآئے مطلب      لب ہوئے لعل فشاں کھل گئے ابواب کرم
بعد اخبار کے پرچوں کی جو نوبت آئی      نئے مضمون کا اک پرچہ ہوا پیش اسدم
کہ ملازم ہیں جو سرکار کے دانش و وہم      در دولت پہ یہ ہنگامہ لڑے ہیں باہم
بحث اک بات کی دونوں میں پڑی ہے ایسی      کہ ہم گتھ گئے ہیں صورت خط توام
حکم عالی یہ ہوا جلد کرو حاضر بزم      دیکھیں کیا کہتے ہیں خود دونوں ہم ہونگے حکم
حاضر بزم ہوئے وہ تو ہوا یہ ایما      کیوں لڑے کیا سبب جنگ ہے آگاہ ہوں ہم
عرض دانش نے یہ کی روز ابد تک قائم      یہ حکومت یہ ایالت یہ شہامت یہ حشم
بندۂ خاص نے دیکھے ہیں ہزاروں انساں      حکمرانان زمانہ رؤسائے عالم
ایک عالم ہے فلک جاہ خردمند ذکی      صاحب علم و ہنر معدن اخلاق و کرم
نام ہے کلب علی خان بہادر ذیجاہ      جسکے خدام ہیں ہم مرتبۂ قیصر و جم
علم میں حلم میں جود و کرم و ہمت میں      ہے وہ یکتائے زمانہ سر اقدس کی قسم
جسمیں جو بات ہو کیونکر اسے کوئی نہ کہے      پیش انصاف گزیں حق کا چھپانا ہے ستم
میرے کہنے کو ذرا وہم نے باور نہ کیا      بلکہ مارا رہ انکار میں منکر نے قدم
کہ کمالات کا حصر ایک میں ہے ناممکن      کارخانہ ہے خدا کا نہیں خالی عالم
کیسے کیسے نہیں گذرے ہیں ہمائیں نامی      خواجگان عربستان و صنادید عجم
سارے عالم میں ہے سحباں کی فصاحت مشہور      سارے آفاق میں کسریٰ کی عدالت ہے علم
کسکو معلوم فلاطوں کی نہیں ہے حکمت      حکم نادر ہے عیاں جلوہ نما عشرت جم
چارسو ہمت حاتم کا ہے آوازہ بلند      شش جہت پر ہے عیاں سب سے جری تھا رستم
تو جو کہتا ہے کہ ان سب سے ہے بڑھکر کوئی      زعم باطل ہے فقط مانتے ہیں کب اسے ہم
میں یہ کہتا ہوں میں دعوی میں ہوں اپنے صادق      ہیں دلائل جو ہوں گوش شنوا گوش اصم

کچھ یہ سنتا نہیں انکار پہ باندھے ہے کمر
ہوگیا حکم کہ ہاں محکمۂ بحث ہو گرم
وہم بولا کہ مجھے عدل میں پہلے ہے کلام
فی البدیہہ اسے دانش نے دیا تب یہ جواب
میرے ممدوح کا وہ عدل جو تھا عدلِ رسول
کفر و اسلام کے آئین میں ہے ظاہر تفریق
چپ ہوا وہم کہا خیر یہ مانا میں نے
ہنس کے دانش نے کہا یہ بھی نہیں سمجھا تو
وہ بھی دیتا تھا خلائق کو جو دیتا تھا خدا
بیش ازیں نیست کہ دعوت میں کیا کرتا تھا ذبح
میرے ممدوح کی کشور نہ خزاین کی ہے حد
اتنے سائل تھے قبیلے میں نبی ٹے کے کہاں
روز پاتے ہیں زر و گنج ہزاروں سائل
کرتے ہیں صاحب زر ہو کے غنی زر بخشی
بات معقول تھی کچھ وہم کو آیا نہ جواب
بعد کچھ دیر کے بولا کہ رہا اب یہ کلام
کس جوان مرد نے مانا نہیں لوہا اسکا
سنکے اس بات کو دانش کو ہوا کچھ جو سکوت
شاہنامہ نہیں کیا تیری نظر سے گذرا
سیستاں میں تھا فقط ایک وہ گمنام سا پل
میرے ممدوح کی جرأت تھی بھلا اسمیں کہاں

گفتگوئے طرفین آپ میں ہو گے بہم
ایک اک بات کا ہو فیصلہ لاہو کہ نعم
نام کسریٰ کا ہے انصاف و عدالت میں علم
چاہ بے آب بھی پانا ہے کہیں رتبۂ یم
عدلِ کسریٰ میں ضلالت کے طریقے منضم
چشم بینا میں کبھی ایک نہیں نور و ظلم
کون حاتم سے زیادہ ہے بہ جود و کرم
بادشہ تھا نہ کسی ملک کا حاکم حاتم
اسمیں جتنے ہوں میسر اسے دینار و درم
گوسفند و بز و میش و شتر و اسپ و غنم
سب وہ حصہ ہے خلائق کا زہے جود و کرم
جمع اسکی در دولت پہ ہے سارا عالم
ہر تہیدست ہے اب مالک دینار و درم
یہ وہ حاتم ہے کہ ہیں اس کے گدا تک حاتم
نطق ہو بند تو منہ کھول سکے کیا ابکم
کہ شجاعت میں یہ افضل ہے کہ افضل رستم
قائل جرأت رستم ہے عرب تا بعجم
میں بھی موجود تھا بولا کہ خموشی ہے ستم
آپ کہتا ہے یہ فردوسی اعجاز رقم
شاہنامہ جو کہا میں نے بنایا رستم
رعب سے اُس کے صفیں ہوتی ہیں درہم برہم

اب جو ہیں اسلحۂ جنگ یہ آگے تھے کہاں
نہ یہ توپیں نہ یہ گولے تھے نہ یہ بیل نہ بم

اسپہ پڑ جائے صفِ فوج عدو میں بھاگڑ
سرِ میدان جو ڈٹ کارے صفتِ شیر اجم

اسمیں بھی بند ہوا وہم تو لی اور ہی راہ
رزم سے پھر کے دھرا بزم میں ناچار قدم

کی یہ تقریر کہ اچھا نہ سہی ذکر نبرد
کیئے آراستہ کی بزمِ طرب صورتِ جم

جامِ جمشید کی پوشیدہ نہیں کیفیت
جس سے تھا پیشِ نظر آئینہ حالِ عالم

سنکے دانش نے کہا خوب کہاں تجھکو تمیز
مست و مدہوش کو کیا ذائقۂ ناز و نعم

فرض کردم کہ مہیا ہوں سب اسبابِ نشاط
مطرب و ساقی و نقل و مے و اصوات و نغم

آپ ہی ہیں جو نہو اسکو ہو حاصل کیا خاک
لذتِ سامعۂ و ذائقہ و قوتِ شم

اگلے لوگوں میں کہاں تھی یہ تراش اور خراش
یہ نفاست یہ نزاکت یہ لطافت یہ شمیم

پیرہن رشکِ چمن بوقلموں رنگ برنگ
زیوروں میں وہ چمک نور کا جن میں عالم

خوبصورت وہ حسیں ماہ جبیں پیشِ نظر
خم بخم زلف رسا آئینے زانو و شکم

کبک و طاؤس کی رفتار تو چیتے کی کمر
آنکھیں وہ شوخ کہ آہوئے غزالانِ حرم

رقص وہ جس سے سراسیمہ ہو طاؤسِ فلک
کان زہرہ بھی پکڑلے وہ مزامیر و نغم

جامِ جم سے اگر آئینہ تھا احوالِ جہاں
راز کونین سے آگاہ یہاں دل ہر دم

طرح ہیں وضع میں ترصیع میں ایجاد ہیں
متاثر ہیں سراسر قدما سے اقدم

نہ چلی وہم کی اس میں بھی تو بولا مجبور
خیر قائل ہوں پر اے خارقِ انوار و ظلم

حکم نادر کا فلاطون کی ہے حکمت باقی
فرق ان کا بھی سنوں کون سوا کون ہے کم

کہا دانش نے کہ یہ بات بھی دشوار نہیں
لائقِ مدح ہے ممدوح وہ ہیں قابلِ ذم

وجہ ترجیح کی نادر سے تو یہ حکم میں ہے
وہ ہمہ ظلم و ستم تھا یہ ہمہ عدل و کرم

آنکھیں کسکی نہیں نادر نے نکالیں بیجرم
سرمۂ روشنیٔ چشم ہے یاں خاکِ قدم

کسکی گردن پہ نہ نادر کی چلی تیغِ جفا
گردنیں سیکڑوں احسان سے اسکے ہوئیں خم

اور حکمت میں فلاطوں کا ہی کیا ذکر کہ وہ — بیٹھ کر خم میں ہوا راہیِ اقلیم عدم

یہ وہ دریا کہ خمِ چرخ جہاں ایک حباب — پھیل کر قطرہ نہ دریا سے کبھی ہوا اعظم

طرفہ حکمت کی تہی سے بھی وہ قائل نہ ہوا — دلِ صفا سے ہے یہاں مطلعِ انوارِ قدم

کفر و ایماں میں بڑا فرق ہے لازم ہے تمیز — وہ اگر ہیمۂ دوزخ تو یہ ہے سردِ ارم

جب سنے ایسے براہین یہ ہوا وہم کا حال — خم کیا سر کو لیے دوڑ کے دانش کے قدم

چشمِ الطاف سے دانش نے بھی کی اُس پہ نظر — بہرِ تفہیم کہا سُن کہ تو ہے نیک شیم

یہ تو تھے تیرے سوالات کہ اے وہم جواب — وصفِ ممدوح جو ہیں اور وہ اب کہتے ہیں ہم

علم میں حلم میں الطاف میں دانائی میں — ایک ہی فرد ہے یکتا ہے وہ فخرِ عالم

ہر سحر مشغلہ فریاد رسی داد رسی — میہماں سیکڑوں ہر شام سرِ خوانِ کرم

جتنے جس شہر سے آتے ہیں مسافر مہماں — کیمیا کرتی ہے اون کو نظرِ فیض شیم

اس جگہ چاہیئے موزوں ہوں کئی مطلع تھا — گھر میں بیتوں کے لگیں آئینے قد آدم

مطلع

وقت رفتار ہے زرریز عجب فیض قدم — نقشِ پا راہ میں بنجاتے ہیں دینار و درم

درِ دولت کی وہ عظمت ہے کہ جس سے ہر دم — لو لگائے ہوئے ہے لام ہو یا داد قسم

تنگدل وہ ہے عدو نام جو اس کا ہو رقم — ساحتِ لوح یہ سمجھے کہ ہو میدانِ قلم

چشمۂ فیض سے اوس کے جو شجر ہو سیراب — عوضِ برگ ہر اک شاخ سے پیدا ہوں درم

دل میں وہ سخت دلوں کے بھی جگہ کرتا ہے — سنگ پر جیسے پیمبر کے پڑے نقشِ قدم

ہے تواضع کا نتیجہ کہ ہے سب پہ غالب — کسرِ نفس اُسکو نہ کیوں طرح کرے فتح ضخم

عفو ایسا کہ خطا کار سے بھی ہے اغماض — صاف پی جائے جو کھائے کوئی جھوٹی بھی قسم

زائرِ در جو رہِ شوق میں ہوتے ہیں رواں — حسرتِ آنکھوں کو یہ ہوتی ہے ہوئے ہم نہ قدم

بنشئہ دولتِ والا نے یہ پامال کیا — کہیں ڈھونڈھے نہیں ملتا ہے نشانِ سرِ خم

مرکز کاف کی شمشیر سے کٹتا سر میم — درمیاں میں جو نہ ہوتا قدم رائے کرم

وہ مسیحا ہو تو پھر خلق کا مرنا کیسا — کیا عجب روک کے بیٹھے جو قضا راہ عدم

صور سے کہدے تو وہ بھول جائیں بجا — کہ بھٹکتا ہی پھرے اسمیں سرافیل کا دم

فیض سے اسکے وہ کرتے ہیں دو شالے تقسیم — کملیوں کو بھی نہ ملتے تھے جنھیں موئے غنم

قہر رب کہتے ہیں جسکو وہ عتاب اسکا ہے — آنکھ دکھلائے جسے اسکا ہو دم عین عدم

صرصر قہر چلے اس کی تو ہلتی کیسی — چار ارکان ہوں نگونسار گریں ہفت خیم

سود خورہ ہے عدو کیوں نہ زمیں پر لوٹے — عدم ہضم غذا ہے سبب درد شکم

عہد میں اسکے یہ بدخواہ کو ملتی ہے سزا — کہ ستم ہے حق معشوق میں عاشق پہ ستم

اقرا اللہ ہوا بھی خود ہو گرفتار جنون — پڑھ کے لیلیٰ جو کرے سورۂ جن قیس پہ دم

بت پرستی کا مٹا عہد میں اسکے یہ رواج — قابل حد ہوئے اطفال بھی کھیلے جو صنم

بسکہ پابند شریعت ہے وہ مقبول خدا — اس قدر کی ہے شریعت کی بنا مستحکم

کہ کسی راہ کے چلتے ہیں کسی رہرو کا — سرحد شرع سے باہر نہیں پڑتا ہے قدم

آپ عابد ہے وہ کرتا ہے نصیحت سب کو — غافلو راہ عبادت میں نہ ہو سست قدم

تم سیہ ہوتی ہیں شب و روز نمازیں جو قضا — دیکھو ماتم میں انھیں کے ہیں سیہ پوش حرم

اٹھ گئے کفر کے آئین ہوئی رونق دیں — بند دروازۂ بتخانہ ہے وا باب حرم

ہوتے آذر بھی تو پابند شریعت ہوتے — سجدہ گاہیں وہ بناتے جو گھڑتے بھی صنم

تن پہ کیا اسلحۂ جنگ نے پایا ہے فروغ — خود ہے مشعلۂ طور زرہ رخت حرم

ہے سپر پشت مبارک پہ کہ حمزہ کی سپر — ذوالفقار اسد اللہ کہ شمشیر دو دم

حملہ در فوج عدو پردہ اگر ہو دم جنگ — باندھ کر چست کمر کھینچ کے شمشیر دو دم

کھیت کشتوں کا نہ تیار بھی ہونے پائے — ہو چکی تیغ و قضا میں برضا بیع سلم

تھا سیہ رو جو عدو اسکو کیا خون میں تر — کیا تماشا ہے کہ اسود کو بنایا ارقم

نثر میں نظم میں سب طرح کی رنگینی ہے — ہے ورق ہاتھ میں گلزار تو طاؤس قلم
کیوں نہ عالی سخن اسکا ہو کہ ہے استعداد — بیت محکم ہے وہ جس کی کہ بنا ہے محکم
یہ حکومت، یہ ریاست، یہ ایالت یہ شکوہ — واہ کیا نظم ہے جس کا ہے ثناخواں عالم
تاج کہتا ہے کہ ہے تاج سکندر کیا مال — تخت کہتا ہے نہیں تخت سلیماں سے یہ کم
تاجداروں پہ ہیں چھایا ہوا یہ ہے دعوے چتر — سبز تجدید، سے ہوں سرسبز یہ ہے قول علم
اسپ کا قصد کہ میں عرش کا پایہ چھو لوں — فیل کا عزم سر چرخ پہ رکھدوں میں قدم
تیغ کہتی ہے کہ مجھ سے دل مریخ ہے آب — نیزہ کہتا ہے کہ مجھ سے ہے بہرام ہی خم
مدح ممدوح بہت تجھ سے ہے دشوار امیر — آتشیں ہے یہ وہ سخت تو چوبیں ہے قلم
روک لے روک لے رہوار طبیعت کی عناں — کر دعا حق سے کہ اے خالق انوار و ظلم

نور اقبال رہے اسکی جبیں سے ساطع
ظلمت بخت سیہ حصۂ اعدای دژم

## ایضاً قصیدۂ مدحیہ

تا کجا کوہی اے دست ہوس کر چھوٹ — پردۂ شرم رخ شاہد معنی سے الٹ
جیتنا ہو جو سواران سخن سے میداں — پھینکنا چاہیئے رہوار قلم کو سرپٹ
بہی گو ہے یہی میدان یہی معنی یہی لفظ — اپنی اپنی ہے دم معرکہ پر ڈانٹ ڈپٹ
پی چکے گو کہ مے صاف سخن کو مے نوش — رہ گئی ساغر و مینا و سبو میں تلچھٹ
خم میں میخانے میں ایسے بھی کوئی نہیں بھر — کھول منہ بھر کے صراحی کو پئے بیجا غٹ غٹ
دو قصیدے جو ہیں مصحفی و انشا کے — واقعی سکہ رائج ہیں و لیکن سلپٹ
سخت پتھر سے جو تھے قافیۂ نامانوس — کچھ بھی کاٹا نہ گئی تیغ زباں انکی اچٹ
ذائقہ ہے تو فقط گرمی و بیباکی کا — پر فصاحت سے یہ کہتے ہیں کہ چل دور ہو ہٹ
ہمت فکر نے باندھی جو کمر بہر جواب — اول اول تو طبیعت کو ہوئی گھبراہٹ

آخر آخر یہ ہوئی نظم کی قوت پیدا — کر لیا تازہ مضامین کا علاقہ کورٹ
تو سنو گوش توجہ سے ذرا نظم فصیح — دہ رے صاف نہیں نام کو جس میں تلچھٹ

مطلع

شب دوشنبہ جو لی غلب میں مینے کروٹ — آئی اک حور لقا پاس الٹ کر گھونگھٹ
کچھ عجب فتنہ کہ اس کی جو نظر جائے پلٹ — ساتھ ہی چرخ پھرے لے یہ زمانہ کروٹ
شعلہ رخسار جفاکار قیامت آفت — شوخ عیار غضب قہر چھیلا دانت کھٹ
رحم دکھلائے جو منھ دور سے پھر جائے نگاہ — شرم آجائے تو آنکھیں کہیں چل دور ہو ہٹ
گر پڑی سی جان یہ زیور کے چمک سے بجلی — کھینچ لے دل کو وہ پوشاک میں خوشبو کی لپٹ
وہ نگاہیں غضب آلود وہ مژگاں کی صفیں — لشکر صبر جنھیں دیکھ کے کھائے گھونگھٹ
لیکے انجم کا جو لشکر اتر آئے مریخ — کھینچکر تیغ ادا جیت لے میدان جھٹ پٹ
پختہ کار اسکو جو دیکھیں طمع خام کریں — ثمر بیش رس حسن میں وہ گدراہٹ
طرفہ چہرے کی لطافت وہ سنہری رنگت — دست افشار طلا سے بھی سوا نرماہٹ
آپ ہی چھیڑ کرے آپ ہی پھر حد سے بڑھے — توسن ناز کو یوں ہی سے وہ پھینکے سرپٹ
مستی حسن سے گردن میں کبھی ڈالدے ہاتھ — لے چھوے گاہ بچا لو کس طرح جائے سمٹ
پتلیاں آنکھوں کی در پردہ اشاروں سے کہیں — ناچنے ہی کو جو نکلے تو کہاں کا گھونگھٹ
مانگ لے مانگ دکھا کر کبھی عشاق کے دل — باندھ لے گاہ گلا کھول کے وہ زلف کی لٹ
رخ و گیسو یہ مرے ایسے مسلمان ہندو — مقبرے ہو گئے تیر پھرے سب مرگھٹ
فتنۂ حشر کو دیکھے تو کہے زلف سے آنکھ — لاچپیٹے میں اسے دیر نہ کر دوڑ جھپٹ
طاق کا کل وہ پھینکتی ہیں کہ سر کی کوئی چوٹ — روک لے مڑ کے تو وہ جھٹک کے لگائے پلٹ
ہاتھ چھو جائے جو گیسو کو دکھائے لیکے پیچ — جس طرح کاٹ کے کالا کوئی جاتا ہے لپٹ
دیکھ کر ابروئے پیوستہ یہ ہوتا تھا گمان — پہلوان دو ہیں کہ کشتی میں ہوئے ہیں غٹ پٹ

جلوہ گر مردمِ چشم و صفِ مژگاں سے یہ صاف
حور بیٹھی ہے درِ خلد پہ کھولے ہوئے پٹ

پھیر کر آنکھ کہے آنکھیں ہیں نرگس کی پھٹی
دہنِ تنگ نہ دے منہ کہ ہے غنچہ منہ پھٹ

چوری چوری چمنِ رخ میں جو آجائے نگاہ
زلفِ مشکیں کی رسن باندھ لے مشکیں جھٹ پٹ

وصف لکھے لبِ شیریں کا جو کوئی کاتب
صفحہ سے صفحہ عذوبت کے سبب جائے چمٹ

بڑھ کے گلبرگ سے بھی وہ کفِ رنگیں نازک
غنچے لیں انگلیوں کی کیوں نہ بلائیں چٹ چٹ

آرزو مہر کو مشرق سے نکلکر ہر صبح
کہیں جوشن کیطرح جاؤں میں بازو سے لپٹ

استخواں تن میں نہیں لیک یہ ہوتا تھا گماں
گل مخمل کیطرح تن میں غضب نرماہٹ

کسطرح ہو نہ گلا کیفِ مئے حسن سے مست
پی ہے نشے میں صراحی کی صراحی غٹ غٹ

سینۂ آئینہ شفاف شکم چشمۂ حسن
موجِ دریائے لطافت شکمِ صاف کی بٹ

شورِ خلخال سنائے جو رواں ہو وہ گام
مردے اٹھ بیٹھیں تہِ خاک یہ ہو گھبراہٹ

غرض اس شکل کی معشوقہ کیا جسکا بیان
نظر آئی تو عجب جی کو ہوئی للچاہٹ

شوق دل نے یہ کہا مست ہے یہ سروِ سہی
عشق پیچے کیطرح جائیے ہستی میں لپٹ

ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ کھینچے سر کی
سر قدم تک بھی نہ پہنچا کہ گئی دور وہ ہٹ

چوٹ سی دل پہ لگی ہاتھ گیا جیب خالی
تازیانے سے نہیں کم وہ پڑی تیغ جو چوٹ

ہنسکے ظاہر میں کہا واہ ری ٹھنڈی گرمی
آپ ہی لطف دکھا آپ ہی یہ جھنجھلاہٹ

چپ رہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد
تھی ملاقات کہاں کی کہ یہ تیزی جھٹ پٹ

ہوش میں آؤ ذرا خیر ہے کیسا ہے مزاج
خفقان سے تو طبیعت میں نہیں گھبراہٹ

میں وہ ہوں جسکی ہوس میں ہیں ہزاروں ناجی
سیکڑوں مر گئے تھی جن کو مرے نام کی رٹ

زہرہ بالائے فلک کشتۂ شمشیرِ نگاہ
حلق مریخ کو پھانسے ہو مری زلف کی لٹ

مرغِ دل سیکڑوں شہبازِ نظر کے ہیں شکار
خال وہ زاغ سیہ ہے کہ کلیجے کیے چٹ

ذوقِ وصلت میں ہوئے گورکنارے کتنے
شوقِ دیدار میں کتنوں کی گئی آنکھ الٹ

ہند تک روم سے جتنے کہ ہیں شہزادے
صبح تا شام ہے اُنکا مرے در پر جمگھٹ

پانوں کتنوں کے گھسے مثل سبو سر پھوڑے
بادۂ وصل کی پائی نہ کسی نے تلچھٹ

ناطقہ خانۂ دولت ہے مرا نام صنعت
میں مکیں ہوں تو مکان جائے زر و سیم سے پٹ

ملہم غیب نے بھیجا تو میں آئی ترے پاس
ہو گراں تجھکو جو آنا ابھی جاؤں میں پلٹ

وصف تو کرتا ہو جسکا میں اسکی ہوں صنعت
دیکھ اعضا کو ذرا پردۂ غفلت کو الٹ

روئے انور سے اُسی کے مرے آنکھوں میں ہے نور
خلق اُسکا مرے گیسو میں ہے خوشبو کی لپٹ

صف مژگان سے عیاں پنجۂ پرزور کی شکل
عزم اسکا مری شاہین نگہ کی ہے جھپٹ

اُس کی جو راستی طبع وہی قد میرا
دامن فیض کا لٹکا مری زلف کی لٹ

مصحف رخ کو جو دیکھو تو نمایاں وہی شان
کعبۂ دل کو جو دیکھو تو اُسی کی چوکھٹ

کون وہ کلب علی خان بہادر جمجاہ
دیتے ہیں جسکو ملک عالم بالا کی رپٹ

حاکم خلق نے تحصیل کی خوشبو کی لپٹ
کر لیا سارے گلستان کا علاقہ کھورٹ

کیا شگفتہ ہے بہار چمن نزہت طبع
سامنے جسکے گل و لالہ ہیں کوڑا کرکٹ

بزم میں زمزمۂ حسن ہے یا نغمۂ عشق
انھیں لوگوں کا رہا کرتا ہے اکثر جمگھٹ

شمع و پروانہ سے ہر شب وہ سنا کرتا ہے
لن ترانی کا ترانہ ارنی کی تر دٹ

طرفہ محفل کہ پئے رقص یہاں آتا ہے
سر پہ طاؤس چمن رکھکے کنھیا کا مکٹ

واہ کیا قصر حکومت ہے رفیع اور وسیع
جسکے دروازے کے ہیں جرأت و ہمت دو پٹ

فیض مقدم سے تو انگر فقرا ہوتے ہیں
بخت خفتہ کو جگاتی ہے قدم کی آہٹ

شیخ سید مغل افغان ہیں فراہم ہر صبح
کعبہ ان چار مصلوں سے ہے اسکی چوکھٹ

جزر دہر اپنا دکھائے جو کبھی قلزم لطف
بڑھ کے کوثر چہ زمزم ہو اگر جائے سمٹ

دم بخشش اُسے درکار ہیں چھیروں ہو گی
کہو نیسان سے بحرین کا لکھ دے پرمٹ

کس قدر نام ہے شیریں جو زباں پر آجائے
منھ میں بیمار کے باقی نہ رہے کڑواہٹ

رزم میں ملتا ہے بندوق کا توتا ہی نام　　بزم میں طوطی مینا کو اسی کی ہے رٹ
اسی معجون سے طبیعت نے بشاشت پائی　　دل کی اس خرزیانی سے گئی گھبراہٹ
عدل وہ ہے کہ زمانے میں نہیں ہے تو فساد　　ہو تہتک جو جھکتیوں میں کبھی ہو کھٹ پٹ
در دولت ہے عجب فیض کی چوپڑ کہ جہاں　　کبھی پڑتا نہیں پانسا کسی تقدیر کا پٹ
آگے ہمت کے ہے یہ دولت دنیا کیا مال　　لعل و گوہر کو سمجھتا ہے وہ کوڑا کرکٹ
دی عجب پنجہ و بازو میں خدا نے طاقت　　امتحاں چاہے اگر کوئی تو دے کوہ الٹ
کھو رستم سے کہ کیا جان کے منہ چڑھتا ہے　　یہ ڈھٹائی یہ دلیری یہ کلیجا جیوٹ
نگہ قہر کرے سنگدلوں کو چورنگ　　یہ وہ شمشیر نہیں جائے جو پتھر پہ اچیٹ
کب عدو کو ہے جہ پستی قسمت سے نجات　　آنکھیں دولاب ہیں یا اسکا ہے جگر سے رہٹ
برق جا کر جو جلاتی ہے عدو کے خرمن　　بولتا ہے وہیں اس تیغ سے عدو آ کے رپٹ
زشت کیا دشمن کا فوج کہ ہے اسکی جگہ　　زیست میں خانۂ زنداں پس مردن مرگھٹ
اس جگہ ہے میں کروں ہو کے مخاطب تعریف　　چاہیئے شاہد معنی کہ بدل دوں کروٹ
غائبانہ ہے اگر نصف خطابی بھی ہو نصف　　ایک دروازے کی خاطر ہیں مناسب دو پٹ
ہیں ترے باب حکومت کے دو عالم دو پٹ　　مطلع　　ملکے یہ چار کڑی ایک نبی ہے جو کھٹ
تب بنی اس سے ترے خاک قدم کی اکسیر　　چرخ نے ماہ کو شق کر کے کیا جب سمیٹ
کیا ترے قہر کا وادی ہے تماشے کی جگہ　　پیچ کھاتے ہیں بگولے کہ کلا کرتے ہیں نٹ
ہر کہاری ہے ہوادار کی صورت میں پری　　تخت جم لے کے یہ پر لونکا چلا ہے جمگھٹ
زیر فرماں رہے ہر دم جو کہے تو وہ کرے　　زال دنیا کو مناسب نہیں اب تریاہٹ
حق تو یہ ہے کہ ترے قبضۂ قدرت کے سوا　　مال جو غیر کے قبضے میں ہے وہ ہے تلپٹ
جس کا تو دوست ہوا اسنے خزانہ پایا　　خط لکھا جسکو اسی شخص کی ہنڈی گئی پٹ
حکم تنگی دہن تنگ سے جائے جو نکل　　سارا آفاق ہو ذرہ یہ زمیں جائے سمٹ

وسعتِ طبع جو وسعت کا سنائے فرماں
ہو ہر اک قطرے میں دریا سے سوا پھیلاوٹ

عاجزوں کو جو ملی عدل سے تیرے قوت
شیر کو ڈر ہے لگائے شکم گاؤ کی بھٹ

سکۂ شمس و قمر میں جو کہیں نقش نہیں
کر دیا کیا تری چٹکی نے مسل کر سلپٹ

تارے ابھرے ترے روئے منور کا چراغ
بنکے چوب شجر طور سے آئی ڈیوٹ

سب رئیسوں سے ریاست ہو تری بالاتر
معتبر جیسے ہے اخبار میں اخبار گزٹ

حسن رہ جائے اگر قاف میں کھنچکر تصویر
جتنی پریاں ہیں وہ لیں تیری بلائیں جھٹ پٹ

چین آتا نہیں جبتک کہ عروس دولت
دیکھ لیتی نہیں یہ چہرہ اٹھا کر گھونگھٹ

کیوں نہ مشتاق زمانہ ہو کہ ہے حسن شباب
کیا مزہ دیتا ہے میوے میں جو ہو گدراہٹ

تجھکو ساقی سے مئے صاف ملی روز ازل
آگئے خسرو جمشید تو پائی تلچھٹ

تھام رکھیں نہ اگر تیری اعانت کے ستوں
ہو ابھی حسن فلک گر کے زمیں پر چوپٹ

ہیں پھلکتی ہیں چپٹیلے یہ ترے ارض و سما
سر کی چوٹ انسے نہ رکتی ہے نہ انسے پالٹ

خلق سے کیوں نہ معطر ہو زمانہ کا دماغ
مشک نافے سے سوا اسمیں ہے خوشبو کی لپٹ

علم وہ جسکو دقایق ہیں کتب کے آسان
کوئی مشکل نہیں ایسی کہ وہ جاتی نہیں کٹ

ہے یہاں تذکرۂ معنی تفسیر و حدیث
اہل منطق سے کہو لائے کہاں کا جھنجھٹ

تجھ سے ہمسر ترا دشمن ہو خدا کی قدرت
زاغ بلبل سے مقابل ہو ہما سے کھوسٹ

نیل گردوں کرے دونو نکو مسل کر پامال
سیار سینگی اسے دے لا کے جو گیدڑ یا کھٹ

کیا تری تیغ کی تعریف میں ہو تیز زبان
خوف ہنگام سخن ہے کہ کہیں جائے نہ کٹ

آبداری میں وہ جوہر نظر آتے ہیں یوں
جسطرح ٹھیرا رہے جام میں مے کی تلچھٹ

پر یہ مضمون نہیں خوب یہ تشبیہہ ہے ٹھیک
برج آبی میں ستاروں نے کیا ہے جمگھٹ

کھنچ گئی معرکہ جنگ میں جب میاں سے وہ
رہ گئیں پیاسی لگی ہوئیں تیغ سمجھ کر بناہٹ

ایکدم میں صف اعدا کو کیا دو ٹکڑے
سیکڑوں بار چلی پر نہ پڑی یہ کبھی پٹ

حسن تن کے لئے ہی چال قیامت اسکی　　ایک ٹھوکر میں ہی یہ قلعۂ نہ در چوپٹ
پاٹ کر لاشوں سے میدان کو لیتی ہی دم　　ملک الموت سے کہتی ہی کہ بول آکے رپٹ
جسکو تاکے وہ کبھی جان نہ چھوڑے اسکی　　ہو سبر چشمۂ حیوان تو کہے دور ہو ہٹ
وصف رہوار سبک رو کا کرے کیا کوئی　　چال دُلدُل کی تو ہی رخش کیصورت جھپٹ
شب مہتاب سے کم منھ یہ نہیں اندھیاری　　بلکہ زیبا ہی اگر کہیے دلہن کا گھونگھٹ
دامنِ شاہد کنعاں ہی ہر اک دامن زیں　　سر پہ کلغی کہ کنہیا کا ہے یہ مور مکٹ
شرق سے غرب میں یا پھر غرب سے آئے سو شرق　　دم میں سو بار جو راکب اسے پھینکے سرپٹ
وقت رفتار کبھی رہرو خفتہ کی طرح　　ہو نہ راکب کو خبر راہ سفر جائے کٹ
ورق گنجفہ ساں ساتھ پھریں لیل و نہار　　گشت کے وقت کرے یہ جو الٹ اور پلٹ
ایک ہی ٹاپ میں ہو جائیں دو عالم برہم　　ملکے چودہ طبق ارض و سما ہوں غٹ پٹ
فیل خرطوم میں لے کر جو زمیں کو پھینکے　　آندھی آجائے یہ جائے فلک گرد میں اٹ
دم رفتار اسے خضر بھی دیکھیں تو کہیں　　دست صرصر سے گیا پردۂ ظلمات سمٹ
زور ساز در ہی کچھ پانوں میں اسکے جو پڑے　　عرش آئے ابھی زنجیر کے ہمراہ گھسٹ
کمر کوہ سے کیوں کر ہو تحمل اس کا　　پانوں رکھدے یہ اگر گاو زمیں لے کروٹ
ہی کشادہ دہن اس کا کہ در باغ ارم　　دونوں دنداں ہیں کہ موتی کے ہیں گویا دو بٹ
اس جسامت پہ کہ ہی صورت اندیشہ جسیم　　چشم سوزن سے نکلجائے اگر جائے سمٹ
لیلۃ القدر رکھو اب نام قصیدے کا امیرؔ　　کہہ یہ خامہ سے کہ مصروف دعا ہو جھٹ پٹ
ملک و دولت کی ترقی ہو الٰہی ہر روز　　سجدہ گہ سارے زمانے کی رہی یہ چوکھٹ
حل ہوں ممدوح کے ہاتھوں سے مہمات جہاں　　در دولت پہ رہے اہل غرض کا جمگھٹ

نفس چند جو باقی ہوں مرے زیست کے بھی
انھیں قدموں کے تلے جائیں بڑے لطف سے کٹ

# قصیدۂ دیگر

فصلِ گل آئی ہوا گلزار جنت بوستاں / بڑھ کے رضواں سے ہے اِن روزوں دماغ باغباں
ہر طرف گلہائے رنگا رنگ گلشن میں کھلے / جیسے صبحِ عید یکجا ہوں حسینانِ جہاں
خم نہیں شاخیں درختوں کی ہوا سے خاک پر / کر رہے ہیں سجدۂ شکرِ خدائے انس و جاں
قم باذن اللہ کہتی آئی گلشن میں بہار / جی اُٹھے جو ہو گئے تھے مُردہ دل وقتِ خزاں
جھوم کر آیا ہے ابر کوہساری باغ میں / رقص میں ہیں ہر روش پر طاؤس ہو کر شادماں
لالہ کہتا ہے کہاں موسیٰ ہیں آ کر دیکھ لیں / صاف جلوہ ہے چراغِ طور کا مجھ سے عیاں
جھومنا مستوں کی صورت ہے درختوں کا بجا / نکہتِ گل میں بھی ہے کیفِ شرابِ ارغواں
لالۂ احمر نے یاقوتی کی ڈبیا کی درست / نرگسِ شہلا نے رکھی ہے فروشی کی دکاں
دار بستِ تاک میں خوشے نظر آنے لگے / جس طرح جھرمٹ ستاروں کا فرازِ آسماں
سیمِ غنچہ کیوں نہ بے حد ہو زرِ گل بے شمار / رکھتی ہے اکسیر کی بوٹی بہارِ بوستاں
ہر روش پر بیٹھی ہے بزاز بن کر خرمی / جس طرف دیکھو کھلی ہے سبز مخمل کی دکاں
فیضِ شبنم نے دیئے اشجار کو آبی لباس / بر میں ہے مردم گیا کے جامۂ آبِ رواں
نوعروسانِ چمن کو ہے جواہر کا جو شوق / بیچنے فیروزہ آیا ہے چمن میں آسماں۔
یوں ہے جنبش میں ہوا سے ہر نہالِ سایہ دار / ہو خراماں جس طرح کوئی حسینِ دامن کشاں
ہے مبارک فال کوئی ہونے والی ہے خوشی / ہر چراغِ لالہ جوشِ رنگ سے ہے گلفشاں
جان پھولوں میں پڑی زندہ ہوئی خاکِ چمن / ہے دمِ جاں بخش عیسیٰ یا نسیمِ بوستاں
قمریوں کا قول ہے ہم ہیں طیورِ باغِ خلد / سرو کہتا ہے کہ میں ہوں طوبیٰ باغِ جناں
صحنِ گلشن میں نزاکت نے جمایا ہے یہ رنگ / مرغِ بو کا آشیاں ہے شاخِ گلبن پہ کہاں

ہے بلندی و درازی اسقدر ہر شاخ میں　　ہے محیط مشرق و مغرب بزنگ کہکشان
پائے گر سورج ٹہنی کے سایہ میں تھوڑی جگہ　　بھول جائے ہر جنبش مثل قطب آسمان
چودھویں کا چاند ہے جو چاندنی کا پھول ہے　　چادر مہتاب ہے فرش فضائے بوستان
سیر کو جو آئے اُسکا ناف آہو ہو مشام　　گیسوئے مشکین سنبل لیکہ ہے عنبر فشان
دیدۂ بیدار نرگس کا تو کیا مذکور ہے　　خواب میں کرتا ہے سبزہ سیر گلزار جنان
ہے تبسم غنچۂ گل کا کہ تیغ آب دار　　نوک کی لیتے ہیں کانٹے یا چبھوتے ہیں سنان
جسطرف دیکھو زر گل باغ میں انبار ہے　　شکل فوارہ اُگلتی ہے زمیں گنج نہاں
غنچہ و سوسن سے کیا ہو شکر احسان بہار　　وہ زبان بیدہن ہے یہ دہان بےزبان
اسقدر جوش طراوت ہے عجب کیا ہے اگر　　یاسمیں پیدا کریں گڑ کر زمین میں استخوان
قطرۂ خون کی عوض نکلیں گل یاقوت و لعل　　نشتر فصّاد اگر کھولے رگ سنگ گران
ہے عجب فیض ہوا یکان کے غنچے کھل گئے　　تر ہے چوب خشک ناوک بار در شاخ کمان
مصر کا بازار کہئے باغ کے بازار کو　　گل ہے یوسف گرد اسکے بلبلوں کا کاروان
حسن و کافر سے کہہ دو آئیں سب گلزار میں　　عمر کرتے ہیں عبث دیر و حرم میں رائگان
جسکی کرتے ہیں پرستش جسکی کرتے ہیں طلب　　اُن مکانوں میں ہے پوشیدہ یہاں ہے سب عیان
آئینہ خانہ ہے گلشن آئینہ ہے برگ برگ　　جلوہ گر ہے ہر طرف رنگ بہار بےخزان
گرچہ صحن باغ میں ہر سال آتی ہے بہار　　اور آتا ہے نظر رنگ زمین و آسمان
ہے سبب اسکا کہ ان روز دن ہوا مسند نشین　　سرو گلزار ریاست صاحب بخت جوان
منبع جود و سخاوت معدن لطف و کرم　　ماہ اوج چرخ قدرت مہر اوج کن فکان
انتخاب صنع حق عالی نسب والا حسب　　روح جسم انس و جان فخر زمین و آسمان
نام نامی وہ کہ ہے سب کے نگین دل پہ نقش　　ناصر کلب علی خان بہادر نوجوان
اُسکے وصف پاک کا دل نے ارادہ جب کیا　　بے تکلف آگیا مطلع یہ بالائے زبان

مطلع ثانی

خشش جہت میں ہو جو یہ خورشید یکتائے جہان
گرد پھر پھر کر فدا ہوتے ہیں ساتوں آسمان

حبذا وہ چشم ہو جس کو قدمبوسی نصیب
حبذا وہ سر جو ہو صرف سجود آستان

اے خوشا وہ سرزمین جائیں جدھر اسکے قدم
اے خوشا کشور پھرے جسکی طرف اسکی عنان

مرحبا اسکو جو صبح و شام ہے اسکا مطیع
آفریں اسکو جو روز و شب ہے اسکا مدح خوان

ہے وہی دل جسمیں ہے اسکی محبت کا مقام
ہے وہی سینہ ہے جسمیں اسکی الفت کا مکان

رستمی میں رشک رستم زور میں افراسیاب
ہمت عالی میں حاتم عدل میں نوشیروان

طفل مکتب ہے ارسطو وہ جہاں دے درس علم
رد برد اسکے فلاطون عامی کج مج زبان

شان دارائی کرے نظارہ دارا سے کبھو
شوکت و اقبال کو دیکھے سکندر ہے کہان

فی الحقیقت ختم ہے اس پر رعایا پروری
واقعی ایسا شریفوں کا کہاں ہے قدردان

دستگیری کی ضعیفوں کی قوی بازو ہوئے
حق یہ ہے محنت نہیں جاتی کیسکی رائگان

شہرۂ بخشش سے خلقت ہے در دولت پہ جمع
جیسے مسجد میں مصلی آتے ہیں سن کر اذان

آئے اسکے سامنے مقصود کو پہنچے وہ پیر
ڈھونڈتے تھے موسم طفلی سے جو بخت جوان

قلب روشن ہے وہ آئینہ کہ جسمیں مثل عکس
صاف آتے ہیں نظر اشکال اسرار نہان

شہر گلشن بتکدہ بتخانہ مسجد خانقاہ
سب ہیں خالی در پہ اسکے جمع ہے سارا جہان

دامن لطف و کرم جبتک نہ تھا اسکا دراز
تھا سفینہ آرزو کے خلق کا بے بادبان

خاک کو اسکی نگاہ مہر کر دیتی ہے زر
جیسے نخل تازہ اعجاز نبی سے استخوان

عہد نصفت عہد میں سرکش نظر آتے نہیں
خوف کے مارے ہے آتش سنگ و آہن میں نہان

جسطرف چاہے اسے پھیرے اسے ہے اختیار
ابلق ایام کی ہے دست قدرت میں عنان

زور بازوئے توانا سے کبادہ ہو گئی
پہلوانوں سے نہ کھنچ سکتی تھی جو مطلق کمان

ہمت عالی سے ہیں نخلہائے علم مطمئن
ہے عصائے پیر حرز طفل شمشیر جوان

ذکر خط کیا خط پیشانی کو پڑھ لیں کم سواد
بہر کحل چشم لے جائیں جو خاک آستان

کیا ہو شمع روئے روشن کی تجلی میں کلام — جب زمانہ بھی نہ شمع طور کا ہو ہم زبان
بزم عالی روضۂ جنت سے ہرگز کم نہیں — ہے نصیب خلق گلگشت بہار بے خزان
ہو جسے جس چیز کی خواہش ملے اس بزم میں — ڈھونڈھے گر عاشق تو یاں معشوق کا پائے دہان
حکم ہے عالی دماغی کا شبستان میں یہی — نکہت گل بنکے نکلے شمع محفل کا دھوان
ہے رواج شرع ایسا عہد نصفت عہد میں — پوست کھینچا جائے ہے کھینچے اگر پیر مغان
بتکدے تھے جس جگہ اُس جا بنی ہیں مسجدیں — جس جگہ ناقوس بجتے تھے وہیں ہے اب اذان
قلزم ہستی سے ایسی رسم ایذا اٹھ گئی — خار ہیں جزو تن ماہی بجائے استخوان
صرف گر اُسکے تصدق میں نہو ہنگام صبح — پھر گل خورشید میں ہے کون شاخ زعفران
دیدۂ انصاف سے دیکھو تو باغ دہر میں — ہے بہار اُسکی عنایت قہر ہے اسکا خزان
اور اک مطلع سناؤں جسکا مضموں صحیح — کوئی سمجھے یا نہ سمجھے ہے یقیں کیسا گمان

## مطلع ثالث

تیری مرضی کے موافق کیوں نہ ہو دور جہان — تابع حکم معلے ہیں زمین و آسمان
آستان تیرا ہے اے عالی مکاں آستان — بہر سجدہ جس جگہ جھکتا ہے فرق فرقدان
کاتب قدرت نے تب تیرا خط ہستی لکھا — دے لئے انجم کے نقطے جب برائے امتحان
کلک قدرت نے کوئی کھینچی نہیں ایسی شبیہہ — گو کہ تصویریں ہزاروں ہیں مرقع ہے جہان
آنکھیں نرگس سرو قد رخسار گل غنچہ دہن — یہ وہ گلشن ہے کہ خود جس کا خدا ہے باغبان
دیدۂ حق بیں ملے ہیں تجھ کو گوش حق نیوش — دل ہے دریا ظرف عالی طبع صافی نکتہ دان
وصف روئے روشن بیانوں سے بھی ہو سکتا نہیں — شمع کی صورت فقط کہنے کو رکھتے ہیں زبان
دونوں رخساروں کی لکھیں ہم جو کاغذ پر صفت — ایک صفحہ گلستاں ہو دوسرا ہو بوستان
ابرو و مژگاں کے آگے سرکشی کس کی چلے — جھک گئی ہے تیغ پر خم تیر ہے شکل کمان
دونوں آنکھیں دیکھ لیں جسنے سعادت کی جھول — مشتری و زہرہ کا گویا نظر آیا قران

چاہتا ہے غنچہ توصیفِ دہن پر کیا کہے
نطق ہو سکتا نہیں جب بھول جاتی ہے زبان

کیا قد و رخسار سے تیرے مقابل ہو سکیں
گل گریزاں مثل بو ہر سرو ہے سرو رواں

ساعدِ سیمین کو کوئی شمع سے دے کیا مثال
یہ سراپا مغز ہے لیکن وہ سراپا استخواں

مہر و مہ کو ہے قدمبوسی کا ایسا اشتیاق
سر جھکاتے ہیں زمیں پر پاؤں پڑتا ہے جہاں

حسن میں تجھسے سوا وہ ماہ کنعاں بھی نہیں
کھول کر بیٹھے ہیں جو ایمان فروشی کی دکان

تیرے آگے کر سکے کوئی حسین کیونکر کلام
خال لب اسکا ہے خجلت کے سبب مہر دہان

کیا ہوا اگر تو زمیں پر ہے فلک پر آفتاب
وہ سبک پلہ ہے تیری حسن صورت کا گران

کسقدر دریا تری دریا دلی کا ہے وسیع
مثلِ نیلوفر نظر آتا ہے جس میں آسمان

کون عالم میں جمال پاک پر عاشق نہیں
مال و زر پہ منعم فدا کرتے ہیں مفلس نقد جان

حکم محکم وہ کہ جس سے ملک ہے رونق پذیر
باغ کو آراستہ کرتا ہے جیسے باغبان

رزق تو نے اس قدر سب اہل عالم کو دیا
اٹھ گئیں ساری نزاعیں تھیں جو باہم ہر زمان

تھی جو پہلے رزق خونریزی کسی جا وہ نہیں
آسیا کرتی نہیں اب دہر میں کار سنان

ہو گئے منعم جلاتے ہیں وہ اب مجمر میں عود
تھا غنیمت جن غریبوں کو زمستاں میں دھواں

کوئی عالی منزلت تجھسا زمانے میں نہیں
چرخ ہفتم ہے ترا ایوان زحل ہے پاسبان

ہے عجب تیری مسیحائی کی مسجد جانفزا
صبح اٹھ کر مرغ بسم اللہ دیتا ہے اذان

خلق پر تو مہربان ہے خلق تیری خیر خواہ
تجھ میں خلق اللہ میں گویا خدا ہے درمیان

جو ترا دشمن ہے کرتا ہے عداوت بے خرد
مثلِ شیطان ہے وہ مردودِ خدائے انس و جان

کچھ نہیں تعزیر کی حاجت کہ دانے کی طرح
پیس ڈالیگی اسے خود آسیائے آسمان

شامتِ اعمال سے جلتا ہے نار قہر میں
تیرہ بختی اسکی ہے اس کو جہنم کا دھواں

کون ہے تجھسا دلاور مرد میدان روز جنگ
روح رستم مانگتی ہے آج تک جس سے امان

تیغ تیرے ہاتھ میں وہ برق آتشبار ہے
جسکا لوہا مانتے ہیں سب شجاعان جہان

چشم عزرائیل سے جوہر نہیں کچھ اسمیں کم ہے طمانچہ موت کا بیشک یہ تیغ خونچکان
دشمنوں کے سر گراتی ہے تری شمشیر یوں نخل سے جھڑتے ہیں پتے جیسے ہنگام خزان
رعشہ ہے مریخ کے تن میں رخ خورشید زرد رنگ دہشت سے بدلتا ہے وہ ترک آسمان
حشر برپا جنگ میں جبدم کرے آواز تیغ صور اسرافیل اور آکر بلائے ہاں میں ہان
کسطرح دم میں سر و گردن کا جھگڑا چکا جائے جب قدم اس تیغ کا مثل حکم ہو درمیان
تیر چھوٹا شست سے جب موت کا آیا پیام ہے در ملک عدم گویا کہ کھنچنے میں کمان
جان دشمن خاک نیزے کی سنان سے بچ رہے ہے دم ہیجا زبان اژدر آتش فشان
تیزئ اسپ سبک رو آئے کیونکر عقل میں تنگ ہے ہنگام جولان عرصۂ کون و مکان
ہاتھ راکب کا جو ہل جائے یہ ہو صرف قدم تازیانے سے نہیں کم اسکو تحریک عنان
تا ہدف پہنچے کمان سے چھوٹکر جبتک کہ تیر طے کرے یہ ربع مسکون شش جہت ہفت آسمان
تا کجا طول سخن اب ہے مناسب اختصار کس سے ہو سکتا ہے اوصاف معلّیٰ کا بیان
جب تلک روشن رہیں افلاک پر خورشید و ماہ جب تلک گردش کرے روئے زمین پر آسمان
جب تلک ہو سنگ سے پیدائش یاقوت و لعل جب تلک شاخوں سے غنچے گل ہوں غنچوں سے عیان

مثل گل احباب تیرے اس چمن میں سرخرو
روئے دشمن زرد یارب صورت باد خزان

## قصیدۂ مدحیہ مشتمل بر مناظرۂ شانہ و آئینہ

مژدہ اے اہل تماشا کہ ہے ہنگام نظر بزم عشرت میں ہوئے جمع حسین رشک قمر
صرف آرائش زینت ہیں حسینان جہان بدلے جاتے ہیں لباس اور مرصع زیور
بدھیاں پھولونکی ہیں زیب قبائے پروش دست و پا میں ہے حنا سرمہ ہے منظور نظر
کرتیاں ہیں شکم صاف پر اونچی اونچی بند انگیا کے کسے زلف رسا تا بہ کمر
اسقدر مست مے حسن کہ سر سے سر دوش آرہا ڈھل کے دوپٹہ نہیں اتنی بھی خبر

شانہ ہوتا ہے طلب آئینہ آتا ہے حضور — بنتے ہیں گیسو و رخ کرتے ہیں جوبن پہ نظر
شانہ و آئینہ ہیں لیکن مصاحب دونوں — ایک سے ایک نے باندھی ہے رقابت پہ کمر
آئینہ شانے سے کہتا ہے کہ سر چڑھ نہ بہت — منہ کی کھائے نہ کہیں چاک نہ تیرا ہو جگر
دیکھ مجھکو کہ جگہ گو کہ ہے زانو پہ مری — حیرتِ حسن سے پھرے کیطرح ہوں ششدر
مرتبہ جو ہے مرا تجھکو وہ حاصل ہے کہاں — صاف طینت ہوں صفائی کا ہے مجھ میں جوہر
کونسی بزم میں ہوتی نہیں حاجت میری — خانہ بر دوش ہوں پر دل میں اسیر کے ہے گھر
آبداری کا مرے سامنے دعویٰ جو کرے — روبرو صاحب انصاف کے جھوٹا ہو گہر
یمن ہے اہلِ جہان کو مرا نظارۂ رخ — دیکھتے ہیں مجھے جب دیکھتے ہیں ماہ صفر
صافیِ قلب سے پایہ ہے یہ رتبہ میں نے — چاندی سونے کا دیا ہے مجھے اللہ نے گھر
آب و نان مجھکو نہیں ہے کسی مہمان سے عزیز — دشمن و دوست کے منہ پر ہے کشادہ مرا در
نہیں رکھتا ہوں لگی حال بد و نیک میں کچھ — صاف کہہ دیتا ہوں آتا ہے جو کچھ پیش نظر
مجھ سے بھی عقدۂ نیرنگ جہان کھلتا ہے — جم کو دیتا ہے اگر جام زمانے کی خبر
بزم عالم میں فقط وجہ سے میرے ابتک — نام روشن ہے چراغ لحد اسکندر
مجلس خاص نبی میں تھی رسائی میری — ابتدا سے مرے طالع کا ہے روشن اختر
وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہو عزیز — جتنے اصحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیش نظر
ہاتھ سے دامن دولت نہ کسی دم چھوٹا — اہل دولت ہی کے زانو پہ ہوئی عمر بسر
اہل تنجیم کی آنکھوں میں بھی ہے قدر مری — ہوں کبھی مشتری و زہرہ کبھی شمس و قمر
بولتا ہے مری تائید سے طوطی اُس کا — ورنہ طوطی میں کہاں ہے کوئی سر غلب کا بہ
خاکساری ہے ان اوصاف پہ مجھ میں ایسی — غازۂ چہرہ نہیں اور بجز خاکستر
ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا نام کو نور — زحل آسا ترے طالع کا سیہ ہے اختر
پارۂ چوب جگر چاک دنی بے قیمت — چار پیسے کو جسے مول نہ لیں اہل ہنر

بال بیکا ہو حسینوں کا تو توڑیں ترے دانت
دانت دینے لگیں ایذا تو شکستہ بہتر

قاعدہ بزم ادب کا تجھے بھولے جو کوئی
پیش جائے نہ تری ایک کریں زیر و زبر

پنجۂ شل سے نکلتا نہیں ہرگز کوئی کام
خشک ہو شاخ تو اس سے نہیں امید ثمر

بال یوں منھ میں ترے لوٹ کے رہجاتا ہے
جسطرح شانۂ ضحاک میں تھا سانپ کا گھر

کرکری تیزی دندان سے ہوئی اور ترکا
جس میں دندانے پڑیں تیغ ہے وہ بے جوہر

کشمکش نے تری کانٹو میں گھسیٹا ہے تجھے
پہلوؤں میں ہیں ترے خار ادھر اور ادھر

سو زبانیں ہیں ترے منھ ہیں تو حاصل کیا ہے
گنگ کیطرح سے خاموش ہے تو آٹھ پہر

اس لیاقت پہ یہ دعویٰ تجھے کیا مال ہے تو
کہ چڑھے لالہ رخان سمن اندام کے سر

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی میں کہیں ڈوب مرے
ایسی ذلت سے تو ہے خاک میں ملنا بہتر

صاف صاف آئینے نے بڑھکر کیا جب یہ کلام
غیر کے عیب سب اظہار کیے اپنے ہنر

کھپ گیا شانہ ملامت کا نشانہ ہو کر
موئے تن راست ہوئے تیر کیصورت یکسر

ہمہ تن ہو کے زبان کہنے لگا یوں سر دست
منھ بنا چاہیے عاقل کو تعلّی سے حذر

رتبہ میرا تجھے معلوم نہیں سن مجھ سے
منحصر ہے صفت عقدہ کشائی مجھ پر

ہے حسینوں میں رسائی تری گلہے گاہے
کوچۂ زلف میں میری ہے جگہ آٹھ پہر

واثلن خندۂ شادی سے عیاں ہیں ترے دانت
اپنی تقدیر کو روتا ہے تری آنکھ ہے تر

میری ہی شکل سے مقبول دل عالم ہے
پنجہ مرجان کا ہو یا پنجۂ خورشید سحر

کہتے ہیں پنجۂ مژگاں کو جو شانہ شاعر
اسکو آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں ارباب نظر

ہے جو لبریز عسل شانۂ زنبور عسل
اس عذوبت کا سبب نام کا میرے ہے اثر

کی ہے تشدید نے پیدا جو شباہت میری
لفظ اللہ میں شامل ہے وہ کر خوب نظر

شانۂ عاج کبھی شانۂ شمشاد کبھی
شانہ میں دیکھتے ہیں فال تو پاتے ہیں ظفر

صاحب ریش نہ جبتک کہ کرے شانہ کشی
ہو نہ حاصل شرف پیروی پیغمبر

اُسمیں بھی لفظ ہی شانے کا زہے عزّ و شرف ‌ ‌ ‌ جل شانہ ہی جو توصیف خدائے اکبر
تو نمانے تو نمانے مجھے کیا پروا ہے ‌ ‌ ‌ عیب بین جو ہی اُسے کب نظر آتا ہے ہنر
سوچ تو دلیں ذرا عیب ہیں تجھ میں کتنے ‌ ‌ ‌ سادۂ دشوخ و دریدہ دہن و بد گوہر
سوجھتا خاک نہیں کور دلی سے تجھکو ‌ ‌ ‌ سخت جان تیرہ درون اصل ہی تیری پتھر
رو برو اور ترا حال ہی غیبت میں کچھ اور ‌ ‌ ‌ صاف عالم کی دو رنگی کا ہی تجھ میں بھی اثر
چشمۂ آب تو ظاہر میں ہی باطن میں سراب ‌ ‌ ‌ دم کے پیاسوں کو دیا کرتا ہی تو شام و سحر
خود نمائی کے سوا تجھ میں نہیں کچھ بھی صفت ‌ ‌ ‌ سادہ لوحی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی ہنر
صاف ایسی ہی سن الماس کہ شب کو ہی تو ‌ ‌ ‌ شب تیرہ میں تجھے کچھ نہیں آتا ہے نظر
نہ جمے پر نہ جمے شکل جو ہو ذہن نشین ‌ ‌ ‌ نہ مٹے پر نہ مٹے بال پڑے دل میں اگر
قصہ کوتاہ زیادہ ہوئی دونوں میں جو بحث ‌ ‌ ‌ تھے جو ان دونوں کے حامی انہیں پہنچی یہ خبر
آئینے کا تو رخ صاف طرفدار ہوا ‌ ‌ ‌ باندھ لی زلف نے شانے کی حمایت پہ کمر
لشکر روز تو زیر علم خسرو رُخ ‌ ‌ ‌ فوج شب بادشہ گیسوئے پرچین کی پر
اک طرف ماہ ہوا ایک طرف پرتو مہر ‌ ‌ ‌ اک طرف شام ہوئی ایک طرف نور سحر
سنبل و شبو طرف زلف سیاہ ‌ ‌ ‌ لشکر لالہ و گل جانب روی انور
پیر گردوں نے کہا فتنہ قیامت آئی ‌ ‌ ‌ اب کوئی آن میں ہوتا ہی جہاں زیر و زبر
بیچ میں پڑ کے کہا خوب نہیں ہی یہ فساد ‌ ‌ ‌ صلح اس جنگ سے ہر اک طرح ہی بہتر
حق میں دونوں کے یہ ادنیٰ ہی کہ پاس انکے چلو ‌ ‌ ‌ صاحب حکم جو ہی مہر عدالت گستر
کون وہ کلب علی خان بہادر ناظم ‌ ‌ ‌ منبع جود و سخا زیب دہ علم و ہنر
نقش پا تاج شرف بہر سر چرخ بلند ‌ ‌ ‌ خاک پا سرمۂ بینائی چشم اختر
فکر کی اسپ معلیٰ میں جو میرے دل نے ‌ ‌ ‌ آگیا مطلع ثانی بھی زباں کے اوپر

## مطلع

حکم اُس کا جو کرے پیش حفاظت کی سپر    عودِ آتش میں سلامت رہے پانی میں شکر
جس چمن میں نہ ہوا اسکی حفاظت کی چلے    شاخ ارہ ہو درختوں کیلئے برگ تبر
پرتو مہر سے اس کے ہو زمیں چشمۂ مہر    شعلۂ قہر سے اسکے ہو فلک خاکستر
یہ چرخ کہتے ہیں جسے ہے درِ دولت کی زمیں    عرش کہتے ہیں جسے لوگ وہ ہے کرسی زر
کاہ فربہ اثرِ لطف سے ہو صورت کوہ    قہر سے کوہ پہ کاہ کی صورت لاغر
دست ہمت نے یہ تقسیم کیا مالِ جہاں    لعل کہسار میں باقی ہے نہ دریا میں گہر
پانوں جنگاہ میں رکھتے ہی عدو کی ہو شکست    سرو قد رزم دغا ہے علم فتح و ظفر
ایک لشکر ہو مقابل تو نہ وہ منہ موڑے    دل جو سہراب کا رکھتا ہے تو رستم کا جگر
صاحب علم جو ہیں مدرسۂ عالم میں    سب وہ مشتق ہیں فقط ذات معلیٰ مصدر
وہ کرے مہر تو فرمان قضا ہو جاری    دستخط اسکے ہیں طغرائے منشور ظفر
ذرہ صحرائے عنایت کا ہے ربع مسکون    قطرہ دریائے لطافت کا ہے چرخ اخضر
صاحب تخت جو رکھتا ہے جدائی اس سے    مثل طاؤس جدا سر سے ہے اُسکے افسر
ابھی کرنے لگیں دیندار پرستش اسکی    بت جو سنگ درِ عالی سے تراشے آذر
بخشش عام کی توصیف ہے دریا دریا    ہمتِ خاص کا آوازہ ہے کشور کشور
فیض کہتے ہیں اسے جسنے جو مانگا پایا    گل دئے اُسنے زمیں کو تو فلک کو اختر
سیکڑوں وصف ہیں کس کسکا بیاں کوئی کرے    ایک شمہ نہو کاتب جو لکھے سو دفتر
روئے روشن نے جہاں سایۂ عالی ڈالا    جرم خورشید جہانتاب ہوا حلقۂ در
لوگ کہتے ہیں کہ ہے مہر کے پہلو میں ہلال    تیغ ہوتی ہے کسی روز اگر زیب کمر
دست ہمت مرے ممدوح کے ہیں دو چشمے    اسکو کہتے ہیں جو تسنیم تو اُس کو کوثر
واہ جاں بخش ہے کیا مجلس عالی کی ہوا    طرف صحن گلستاں ہوا گر اُس کا گذر

گوش گل میں ابھی ہو جائے سماعت پیدا
دیدۂ نرگس شہلا کو ہو یارائے نظر

وہی حق بیں ہے جسے اس رخ روشن کی ہے دید
وہ ہے حافظ ہے جسے مصحف رخ ہے از بر

بھولکر دے جو کوئی اس دُر دنداں سے مثال
لعل آسا رخ گوہر ہو خجستی سے احمر

سایہ قد میں ہے آرام سے سب خلق خدا
ہے علمدار کے ہمراہ یہ سارا لشکر

اس کی بخشش کی ہوا ہو جو ہوائیں شامل
تابش برق کی جا ابر سے ہو بارش زر

شست سے تیر جو چھوٹے تو ہوں نسرین شکار
سر مریخ جدا ہو جو وہ کھینچے خنجر

اُسکی ہستی سے ہوئی خلق میں پیدائش خلق
کہ چمکتا ہے کہیں رنگ عرض بے جوہر

ملک دانش میں ہو کیا جہل کے یاجوج کا دخل
قوت عقل سے کھینچی ہے سد اسکندر

تیغ ایما سے ہوا بند ہر اک تیغ کا دم
تیر فرمان سے ہوئے قطع ہر اک تیر کے پر

ہو شرر مورد آفت جو جلائے پنبہ
شمع روشن جو بجھائے ہو معاتب صرصر

حال اجرام یہ ہے روئے منور کے حضور
جیسے ذرات زمین عاشق مہر انور

بادۂ لطف سے وہ جان دوبارہ پائے
عمر نے کُش کا جو لبریز ہوا ہے ساغر

تیغ وہ تیغ کہ کہتے ہیں جسے برق اجل
قتل کفارہ کا جس میں ہے ازل سے جوہر

جنگ میں کرتی ہے یہ تیغ سپر دو ٹکڑے
جس طرح چرخ پر انگشت پیمبر سے قمر

ہو جو اونچی تو کرے شیر فلک کو دو رنگ
ہو جو نیچی تو کرے گاو زمین دو پیکر

اسطرح جنگ میں سر تن سے گراتی ہے یہ تیغ
نخل سے گرتے ہیں جسطرح کہ آندھی میں ثمر

دو ہی چالوں میں کیا چار عناصر کو مطیع
چار حملوں میں مسخر ہوئے ساتوں کشور

تیز وہ صورت خورشید ہے توسن کہ جسے
باختر سے ہے طریق دو قدم تا خاور

دامن زین نہیں اوڑتے ہیں ہوا میں سے سپر
کسی طائر نے یہ پرواز کو کھولے شہپر

تیز تر ماہی دریا سے میان دریا
گرم رو مرغ ہوا سے بھی ہوا کے اندر

آب نرمی میں تو گرمی میں وہ آتش سے سوا
خاک سے اصلح مگر تیز ہوا سے بڑھ کر

گردش دیدۂ راکب اُسے چلنے میں عنان — تازیانہ دمِ رفتار اسے تارِ نظر
بس امیرؔ آگے نہ بڑھ روک عنانِ خامہ — عذرِ تقصیر ہے لازم دمِ اظہارِ ہنر
پاؤں اس راہ میں قاصر ہیں سرِ عجز نگوں — مدح ممدوح حقیقت میں نہیں حدِ بشر
ہاتھ اٹھا پھر دعا جلد کہ ہے وقتِ دعا — وا فرشتوں نے کیئے دیر سے ابوابِ اثر
جب تلک لالہ و گل سے ہو گلستاں کی بہار — جب تلک چرخ پہ ہو جلوۂ خورشید و قمر

نخلِ امید میں یارب گلِ مقصد ہو لیں
تیرا اقبال فروزندہ رہے تا محشر

## قصیدہ مشتمل بر تقریظ بطرزِ تازہ و روشِ دلپذیر

ہوا جو شاہدِ مہ آسمان پہ جلوہ فروش — عزیزِ ہالہ پھر اگرد کھول کر آغوش
سوادِ شب میں نظر آئے اسطرح انجم — اٹے ہوں گرد میں جسطرح طفلِ بازی کوش
وہ چاندنی کہ ہوا قلزمِ ضیا مواج — بسانِ رعشہ اندام رندِ ساغر نوش
نہ شورِ مردمِ بازار نہ بانگِ درا — کہیں کہیں جو رہا بھی تو پاسباں کا خروش
جوان و پیر و صغیر اپنے اپنے بستر پر — برنگِ صورتِ دیبا پڑے ہوئے خاموش
گلوئے ناطقہ میں مرسلہ سکوت کا طوق — عذارِ سامعہ پنہاں بزیرِ پردۂ گوش
نماز پڑھ کے عشاء کی جو میں نے خواب کیا — تو پچھلی رات کو دیکھا کوئی مثلِ سروش
جگا رہا ہے مجھے کہہ رہا ہے مجھ سے یہ بات — شتاب اٹھ کے روانہ ہو کھول دیدۂ ہوش
ہوئی ہے آج مرتب وہ بزمِ اہلِ کمال — کہ جسمیں جمع ہیں سب تیز طبع دریا جوش
حکیم و شاعر و نثار و عالم و فاضل — صفیں درست ہیں بیٹھے ہوئے ہیں دوش بدوش
طلب ہے تیری بھی جلدی سے دیکھ سن چلکر — زہے رسائی تقدیرِ چشم و طالعِ گوش
یہ مژدہ سنکے میں خوش خوش اٹھا روانہ ہوا — قبا عمامہ عبا کر کے زینتِ سر و دوش
ہوا جو داخلِ محفل عجب سماں دیکھا — درِ مکان تھا کھولے ہوئے تھی حور آغوش

عجیب فرش عجب روشنی عجب شب ماہ — ہر ایک جھاڑ سے فوارہائے نور کا جوش
بزرگ ایک بعزّ و وقار صدر نشین — ملک خصال فرشتہ جمال و خرقہ پوش
خدا شناس خدا رس اِدھر اُدھر کچھ لوگ — زباں پہ ذکر خدا دل میں معرفت کا جوش
جو لوگ سامنے بیٹھے تھے سب وہ صاحب علم — وحید عصر فرید زمانہ صاحب ہوش
یہ رنگ دیکھ کے ایسا ہوا میں رعب سے زرد — کہ سمجھے سب کوئی وارد ہے زعفرانی پوش
سلام کرکے ہوا میں شریک صف لیکن — ہوئے حواس سراسیمہ صورت مدہوش
کمال مجھ کو پریشان و مضطرب پاکر — کہا یہ مجھ سے مرے ہمنشین نے گوش بگوش
کہ ہے یہ صدر نشین پیر مرشد عالم — زمین ہے تاج سر آسمان یہ پاپوش
فراخ حوصلہ عبدالرشید مولانا — تمام اہل معارف ہیں جسکے حلقہ بگوش
یہ راست چپ جو ہیں بیٹھے ہوئے ملک صورت — مرید خاص ہیں اسکے شراب عرفان نوش
یہ روبرو جو ہے صف انکی سب ہیں اہل کمال — بغور دیکھ ذرا ان میں کھول دیدۂ ہوش
یہ ہیں ظہوری و طغرا و عرفی و فیضی — یہ ہیں نظامی و جامی جو بیٹھے ہیں مدہوش
یہ شیخ سعدی ہے جس نے کہ چشم روشن کو — کیا ہے نظم گلستاں کی بیت میں چشم پوش
منیر و بیدل و آزاد و صائب و شوکت — غنی کلیم سوا ان کے اور بھی ذی ہوش
طلب ہوئے ہیں جو یہ لوگ اسکی وجہ یہ ہے — زر سخن کسی کامل کا ہوگا زیور گوش
مرید ایک ہے اس مقتدا کا خاص الخاص — وہ مست بادۂ عرفان یہ پیر بادہ فروش
جھینہ تاجور شہر مصطفیٰ آباد — مطیع شرع نبی متقی عبادت کوش
جناب کلب علی خان بہادر ذیجاہ — جو اسکے اسکی ہے حق میں تو گوش عذر نیوش
سحاب فیض غبار قدم ہے ہاتھ تو کیا — جو کوس فوج ظفر موج ہے وہ رعد فروش
صدائے ضربت شمشیر وہ کہ سنکے جسے — کھڑے ہوں کان ہژبر دلن کے صورت خرگوش
بلند مرتبہ ایسا کہ جس کے مطبخ میں — طبق زمین کا ہے خوان آسمان سرپوش

چمن میں ہر گل تر اُسکے فیض سے خندان — فلک پہ ماہ ہی ہالے سے اسکے حلقہ بگوش
وہ نثر خدمت مرشد میں اس نے بھیجی ہی — کہ نیش اہل حسد کو ہی منصفوں کو ہی نوش
نہیں ہی دیر پڑھی جائیگی کوئی دم میں — بنیں گے کان جو اہر دم سماعت گوش
سنا یہ حال تو تصویر دار بیٹھا میں — لگا کے تکیہ دیوار مطمئن خاموش
جوان فصیح بیان ایک ناگہاں آیا — لئے ہوئے کئی اجزا ورق ورق گلپوش
ملا جو اذن تو کھولی زبان سحر بیان — پڑھی وہ نثر مقفیٰ کہ سب کے اڑ گئے ہوش
نکل کے طفل مضامین زبان قاری سے — در آئے دیدۂ حساد میں مع پاپوش
زبان کا قصد کہ جائے فلک پہ شور ثنا — پکارتا تھا یہ سینے میں دل بجوش بجوش
کہا کسی نے خوشی میں کسی سے لا ناہاتھ — جو سر سے سر تو لڑے جھومنے میں دوش سے دوش
اچھالے دست زبان نے یہ اُسکے وصف میں پھول — زمین تو کیا قفس آسمان ہوا گل پوش
اُچھل پڑے گل مضمون تو یہ فردوسی — اٹھا یہ لطف کہ جامی بھی گر پڑے مدہوش
کہیں وہ نثر نظامی کے نظم سے بہتر — بیان کے نور نے کی شمع انوری خاموش
بھرے ہوئے تھے ہوائیں جو لوگ نخوت سے — یہ رشک سے ہوئے لاغر کہ گھٹ گیا تن و توش
وہ فربہی نہ رہی سن کے وہ سخن سرسبز — دوا درم کی ہی جیسے گیاہ مرزنجوش
خفا پسند ظہوری خطا مفر طغرا — وحید فرد غلط شوکت انکسار فروش
کہاں جلال جلالا و شان برخوردار — زبان گنگ تھی جو پائے گوش عذر نیوش
قتیل کس میں کہ کھینچے وہ اپنی تیغ زبان — کہ ہے سخن کے قلمرو میں ایک دست فروش
جو نثر ختم ہوئی خوش ہوا وہ صدر نشین — ثناء مدح میں گویا کئے لب خاموش
ہوا خوشی میں جو دریائے مرحمت مولج — منگائی کشتی خلعت جو تھی جواہر پوش
جو پارچے کوئی پوچھے تو ایک سو اڑتیس — کہیں قبول کے اعداد جنکو صاحب ہوش
زیادہ اُس پہ کیا تحفہ دعا سر دست — دیا وہ حامل خط کو کہ جائے مثل سروش

جو نثر کا ہی مصنف اُسے کرے تفویض | کہ دولتِ ابدی پائے وہ نیاز فروش
اُٹھا جو نامہ رسان بزم ہوگئی برخلت | یہ واقعہ ہو امیر اپنے شوق کا سر جوش
خدائے پاک رسولِ کریم کا صدقہ | صحابہ جسکے ہیں روح القدس سے دوش بدوش
جہاں ہمیشہ رہے اُسکی ذات سے روشن | چراغ دولت علیا کبھی نہ ہو خاموش

رہوں رکاب سعادت میں میں بھی فارغ بال
مدام سر بکف دست و غاشیہ بردوش

## قصیدہ مشتمل بر مضامین تعزیت

سیاہ اشک کی آنکھوں نے کی ہی تیاری | کہو کہ نیزۂ مژگان کرے علمداری
ہجوم غم کا ہوا نیند ہوگئی پامال | وہ آئی آنکھ نہیں طالع میں تھی جو بیداری
نگاہ دل میں ہی یوں صورت جہان سیاہ | کسی مریض پہ جس طرح رات ہو بھاری
زمانہ آپ کو شاید حسین سمجھتا ہے | کہ جانتا ہی سبب فخر کا دل آزاری
پڑیں جو داغ کسی دل میں بوستان سمجھے | کہے کہ نہر روان ہی جو اشک ہوں جاری
عدم کو جاتے ہیں ہستی سے قافلے کیا کیا | یہ شاہراہ شب و روز رہتی ہے جاری
ہر اک سوار ہے پا در رکاب عالم میں | سمند عمر میں کیتی ہے تیز رفتاری
جو دن کو مرتے ہیں ہر شام انکے ماتم میں | پہن کے آتی ہے شب جامۂ عزاداری
اجل سے روح رہے تن میں کسطرح محفوظ | نہیں ہے قلعۂ آہن یہ چار دیواری
بجا ہی گرم کچہری جو ایسی موت کی ہے | کیا ہے منشی تقدیر نے قلم جاری
امید زال جہان سے عبث ہی الفت کی | یہ ہند جانتی ہے شیوۂ جگر خواری
اٹھا ہی آب دم تیغ مرگ کا طوفان | جو ایک ڈوب چکا دوسرے کی ہی باری
ادھر تو تیر اُدھر تن پہ تیغ پڑتی ہے | کہاں کہاں کی بھلا ہو سکے خبرداری
ادھر مکان بنا اس طرف مزار کھدا | ادھر لباس اُدھر ہے کفن کی تیاری

سحر ہوئی ہے کھلا ہے سرا کا دروازہ — مسافروں سے کہو کوچ کی ہے تیاری
وہ خوش خرام ہوئے خاک جنکے ماتم میں — زمین پہ سر کو ٹپکتے ہیں کبک کہساری
وہ برق وش ہوئے آزار کھینچکر معدوم — کہ جن کی خاک پہ روتا ہے ابر آزاری
لحد میں اُنپہ پڑا بوجھ سیکڑوں من کا — کسی کی جن سے نہ ہوتی تھی نازبرداری
زمین نے ایک جہان دام مکر میں کھینچا — لحد نہیں یہ ہے زنبیل بہر عیاری
کہاں وہ تاج فریدونی تھی جو آرایش — کہاں وہ تخت سلیمان کی تھی جو تیاری
کہاں وہ عشق زلیخا کہاں وہ شاہی مصر — کہاں وہ حضرت یوسف کی گرم بازاری
کہو کہ آئیں نہ اس کے فریب میں عاقل — کہ باغ سبز دکھاتا ہے چرخ زنگاری
یہی حقیقت دنیا ہے تو ہے کیا دنیا — کسی سے کی نہ کرے گی کبھی وفاداری
ہوئی تھی جنکے لئے خلقت زمین و زمان — وہی جہان سے گئے بمشیت حضرت باری
مسافر اسمیں روانہ ہیں آنکھ بند کئے — عدم کی راہ میں دیکھو ہے کتنی ہماری
اگرچہ پڑتے ہیں دنیا میں حادثے دن رات — نشست گور ہے آخر اٹھا کے بیماری
مگر ہوائے خزاں آجکل ہے ایسی گرم — کہ صحن باغ ہوا جامۂ عزاداری
فسردہ ہو گئے دونوں گل ریاض جہان — بہار عمر کی اک دم میں مٹ گئی ساری
یہ ایک سال میں دو حادثے پڑے ایسے — کہ اشک دیدۂ شمس و قمر ہوئے جاری
جہان میں کون ہے جسکو ہوا نہ یہ ماتم — ہر ایک دل پہ پڑا زخم تیغ غم کاری
جگر یہ حضرت آقائے نامدار کا تھا — کہا یہ داغ اُٹھا کر جو مرضی باری
جناب کلب علی خان بہادر ذیجاہ — کہ جس سے امن میں ہے خلقت خدا ساری
نکوں بطرز مخاطب یہاں کوئی مطلع — سنے جو اس کو تو نیساں کرے گہرباری

مطلع

یہ تیرے عہد میں رائج ہوئی سبکباری — کہ بُت سے کر نہیں سکتا ہے شیخ دل بھاری

مٹا ہے نام یہ علت کا دور میں تیرے
سزا ملے جو کہیں ابر کو بھی آزاری

ترا خیال جو مجنون کو دے نہ قوت دل
نہ ہو سکے کبھی لیلےٰ کی ناز برداری

رواج صدق کو مدت گذر گئی اتنی
کہ چرخ بھول گیا شیوہ ہائے عیاری

کیا یہ دفع ضرر کو کہ تا بکوچۂ زخم
نہ ہو سکا گذر بوئے مشک تاتاری

نگاہ لطف نے قوت یہ دی ہے صحت کو
چھپی ہے دیدۂ نرگس میں جا کے بیماری

وہ رعب ہے جو یہ چھایا رہے قیامت تک
دہان صور سے نکلے صدا بدشواری

وہ عدل ہے کہ کھینچے دار موئے مژگان پر
کرے جو نرگس محبوب مردم آزاری

بدون میں بھی یہ اثر اب ہے حسن نیکی کا
بکیں گناہ تو توبہ کرے خریداری

عدو نے لذت دنیا میں مفت کھوئی جان
مگس کو شہد ہوا باعث گرفتاری

جو وقت نزع بھی پانی ترا عدو مانگے
زبان پہ اُس کے ہو پانی کی بوند چنگاری

پہنچ کے دیدۂ دشمن میں درد کہتا ہے
ق یہاں ہے مجھ کو سزاوار مردم آزاری

خوشی یہ اُس کو ہے ہولی کے کھیلنے میں فقط
لہو ہے رنگ تو ناسور چشم پچکاری

جو سرکشوں کی سزائیں یہ ہیں عجب کیا ہے
کہ سرو بید سے لے عاریت نگونساری

نہیں یہ غار زمین نے جو کی ہے سرتابی
پڑے ہیں زخم ترے تیغ قہر کے کاری

رہے شدید یوہیں مجرموں پہ گر تہدید
یقین ہے چھوڑ دے ابلیس زشت کرداری

کسی دیار میں ہو سدِّرہ جو حکم ترا
جگہ سے ہل نہ سکے پھر جو رسم ہو جاری

دہن ہو خانۂ زندان زبان شاعر کو
سخن جو رنگ کو پکڑے سمجھ کے بیکاری

حباب ڈالیں ابھی پائے موج پر چھالے
مضر جو اس کی ہو ساحل کو تیز رفتاری

یہ باغ دہر میں پژمردگی ہوئی پامال
خزان بہار تک آئی تو بن کے زنہاری

بجا ہے مدح جو عارض کی ہوئی ہر بار
کہ سات طرح سے قرآن کو پڑھتے ہیں قاری

لکھے صفت کوئی شاعر جو طبع رنگین کی
تو بیت بیت میں پھر خود بخود ہو گلکاری

ہوائے فیض سے تیرے ہو گلستاں گلخن — بنے وہ کرمک شب تاب اڑے جو چنگاری
علو مرتبہ ایسا تجھے خدا نے دیا — کہ فخر ہے شہ خاور کو کفش برداری
وہ خلق نکہت خوش جس سے عاریت لیکر — صبا نے باغ میں رکھی دکان عطاری
لباس خاص گنہگار کی خطا پوشی — طعام خاص ہے خلق خدا کی غمخواری
پڑے جو عکس تری شان عیب پوشی کا — دکھائے جوہر آئینہ شان ستاری
گہرفشاں ہے خلائق پہ بسکہ دست کرم — برس رہا ہے عجب ابر رحمت باری
جو دام عشق میں تیرے ہیں ہونگے دولتمند — یہ قید حضرت یوسف کی ہے گرفتاری
ہوا ہے بسکہ زمانہ ملازم سرکار — عدم میں خانہ نشین ہو گئی ہے بیکاری
نہیں ہے باغ میں ہر شاخ پہ شگوفۂ گل — نکل نکل کے ہوئے ہیں یہ جمع درباری
امیر مدحت ممدوح ہو سکے کیوں کر — نہیں ہیں ہوش بجا فکر کی ہے بیماری
ترا یہ حال ہے اب تو کہ آسماں تجھ سے — کرے جو عیش کا وعدہ تو سہو ہو طاری
گلہ عبث ہے دعا کر کہ ہے یہ وقت دعا — اٹھا کے ہاتھ بدرگاہ حضرت باری
رہے یہ دولت و اقبال حشر تک قائم — ہر اک مہم میں پیمبر کریں مددگاری

بشر کا ذکر ہے کیا بلکہ جن مسخر ہوں
مطیع حکم ترے ہوں خاکی و ناری

## قصیدہ در مدح جناب مستطاب معلی القاب آیۂ رحمت ولی نعمت دام اقبالہ

عالم خواب میں پہنچا میں عجب باغ میں کل — شجر طور کو جس باغ کی کہیئے کونپل
خواب میں سبزۂ خوابیدہ جو وانکا دیکھے — خواب ہو طالع خوابیدہ کا خواب مخمل
سامنے اس کے کسی اور چمن کا کیا ذکر — گلشن خلد بھی مجھکو نظر آیا جنگل
اک شگوفہ تھا اُسی باغ کا باغ عشرت — ایک غنچہ اُسی گلزار کا گلزار امل
ساغر عشرت کونین وہیں کے دو پھول — میوۂ مقصد دارین وہیں کے دو پھل

داد رے نشو گل و لالہ اگر عکس پڑے — خون لعل آئے رگِ کوہ بدخشاں سے نکل
سخت حیراں ہوں کہ دیوار کو دوں کس سے مثال — کہوں آئینہ تو آئینہ میں اتنا نہیں دل
دست مژگاں سے سنبھالے تھیں نگہ کو آنکھیں — پھر بھی دیوار پہ جب چڑھتی تھی جاتی تھی پھسل
لالہ آتا تھا نظر یوں پسِ دیوارِ چمن — جس طرح شیش محل میں کوئی روشن مشعل
خطِ گلزار سے ہر گل پہ یہ مصرع تحریر — نقش ثانی ہے یہ فردوس ہے نقشِ اوّل
طوبیٰ و سدرہ کی شاخیں پئے تسلیم ہیں خم — عرش تک فرش سے ہے بادِ بہاری کا عمل
ہے یہ تاثیر نمو ہاتھ جو مجرم کے کٹیں — صورتِ دست چنار آئیں نئے سر سے نکل
قوتِ نامیہ کا تھا یہ تعلّی سے کلام — طارمِ پست ہے اس باغ میں چرخِ اوّل
سبزۂ کاہکشاں غنچۂ پرویں کیسا — خوشۂ تاک رگِ تاک سے آیا ہے نکل
اور شاخوں کا تو کیا ذکر یہ ہے فیضِ نمو — نکلے گر بات میں بھی شاخ تو پھوٹے کونپل
خواب میں دیکھے اگر ترکِ فلک یاں کی بہار — شب ہی کو گلشنِ انجم کو کرے مستاصل
کچھ بھی دکھلائے اگر بادِ بہاری نیرنگ — گل ہو گلدان میں انگارے درونِ منقل
ٹکڑے بدلی کے نہ تھے ہنڈولے ساون کیلئے — بھر کے آیا تھا وہاں چھاگلوں میں گنگا جل
نوجوانانِ چمن دھوپ سے کیا کمھلاتے — چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پر بادل
ہر روش سبزے پہ واں عکس گل و لالہ نہ تھا — سیج تھی پھولوں کی بالائے بساطِ مخمل
مور تھے رقص میں مصروف برنگ لیطامی — جھومتے پھرتے تھے مستوں کی طرح سے بادل
سینے تانے ہوئے پھرتے تھے چمن میں طاؤس — اس تمنا میں کہ لگ جائے گلے سے بادل
لڑکھڑاتا تھا جو مستی میں کہیں پائے نسیم — غنچہ کہتا تھا چٹک کر کہ خبردار سنبھل
چمن دل میں جو عارف کے چلے دانگی نسیم — گلِ صد برگ نے غنچہ اسرار ازل
سوئے بتخانہ جو پہنچی تھی ہوائے جاں بخش — کلمہ توحید کا پڑھنے لگے عزا و ہبل
کیا عجب دانہ اسپند ہو جل کر پھر سبز — کہ دھواں اٹھتے ہی بنتا ہے سوا پر بادل

طرفۃ العین میں وہ روشنی آ پہنچی قریب — نخلِ موسیٰ کو بھی لے آتی تو لے آتا پھل
قوت نامیہ کے جوش سے آئینے میں — کیا عجب سبزۂ زنگار سے گل آئے نکل
تخم تخم اُس کا شجر بن کے نیا پھل دیتا — ٹوٹ جاتا جو کہیں گر کے زمیں پر کوئی پھل
پانی دیتا صفتِ دامنِ تر وقتِ فشار — تھا یہ تر سایۂ دیوار چمن کا کمبل
گرد گلزار کے ہوتا تھا تصدق خورشید — چاہتا تھا کہ کرے لالے سے دستار بدل
نقش پا تھا صفتِ جام لبالب مے سے — رنگ پھولوں سے ٹپکتا تھا کہ آیا تھا ابل
گل نسریں پہ تھا یوں عکسِ شعاعِ خورشید — جیسے سونے کو کریں ساغرِ الماس میں حل
غنچۂ لب کا تو کیا ذکر ہے گل ہے کھلتا — عقدۂ گیسوئے خوباں جو دہاں ہوتا حل
ایک دم بلبلِ سرمست جو ہوتی تھی خموش — جامِ منقار سے آتی تھی مے نغمہ ابل
دل سے کلفت کو مٹایا یہ صفائے گل نے — زنگ آئینے کا جس طرح مٹا دے صیقل
آگیا گل کی صفائی کا جو بلبل کو خیال — سر بھی بیضے سے نہ نکلا کہ گیا پانوں پھسل
آبدار ایسی تھیں نہریں کہ مقابل ہو اگر — آب میں چشمۂ خورشید کے آجائے خلل
نکہتِ گل سے ہر اک موج جوابِ رگِ گل — پرتو گل سے حبابِ لبِ جو رنگ محل
شہد کی نہر رواں مثلِ جناں ہوتی تھی — پھول پر بیٹھ کے اُڑتی تھی جو زنبورِ عسل
ہوگیا لوٹ میں سامان یہ آیا جو نظر — پانوں کس طرح سنبھلتا کہ گیا دل ہی پھسل
لے اُڑی ہوش مرے حیرتِ نظارۂ باغ — آگیا غش مجھے بیہوش گرا سر کے بھل
متحیر تھا کہ یارب ہے یہ کیسا گلزار — غنچہ ہے تنگ دہن کس سے معما ہو یہ حل
گوشِ گل میں ہو ہوائے طرب انگیز بھری — کون سنتا ہے جو پوچھوں میں کہ کیا ہے یہ محل
قمریوں کو نہیں کوکو سے مجالِ گفتار — بلبلوں کو نہیں نغموں سے کسی شاخ پہ کل
تھا اسی فکر سے دریائے تحیر میں غرق — کہہ رہا تھا کہ زہے صنعتِ صناعِ ازل
ناگہاں طرفِ چمن میں نظر آیا اک نور — آنکھ نے دل سے کہا دیکھ کے اُسکو کہ سنبھل

مرفقۃ العین میں وہ روشنی آ پہنچی جب — کھل گیا دیکھتے ہی اسکو مرے دلکا کنول
سمجھا کیا ہوں کہ ہے پاس میں اک حور لقا — کچھ حسین گرد ہیں آگے ہے فروزاں مشعل
گل کھلا فیض طراوت سے ہوا کے تازہ — پھول سوسن کا بنا شمع ہے دود مشعل
حور وہ حور جسے دیکھے تو فردوس سے حور — مضطرب نعرہ زناں خاک بسر آئے نکل

فرق سے تا بقدم پیکر انداز و ادا — غمزہ و ناز سے ڈالے دل عاشق کو مسل
گرمی حسن سے رخسار عبو کا ایسا — شمع کیطرح جسے دیکھکے دلجائے پگھل
چال وہ چال کہ ہو بچال ہو جس سے کہ زمانہ — چرخ پر مثل زمیں جس سے پڑے اک ہلچل
ہو زمانہ تہ و بالا جو وہ ہو تن بخرام — ہے یقیں جائے زمیں پانو کے نیچے سے نکل
چھا گئیں کھول کے بال وہ جو تھے وقت نثار — زندے مرجائیں پڑیں مردے وہ صد بار اچھل
چھوڑ کر سی آہو نے مشکیں کو ختن میں ہے جو — بال کھولے جو طلب یار وہ دکھلائے چل بل
قطرے بکھرے تھے پسینے کے رخ گلگوں پہ — جوش کھا کر نہ حسن آئی ہے چہرے پہ ابل
لب نازک پہ جبابی تھی بلا کی مستی — اور آنکھوں میں لگایا تھا غضب کا کاجل
بے سہارے ناز لچکتی تھی نزاکت سے کمر — کچھ جو کاندھے سے دوپٹہ تو سنبھالا بل بل
پتلیوں کا جو ان آنکھوں کی تماشا دیکھا — دل ناداں مرے پہلو میں گیا اور مچل
تیر پر تیر پڑے دل پہ نگاہیں جو پڑیں — تھا جو پاؤں پہ اسکے میں گرا سر کے بل
اور کی پوچھا کہ اے عشوہ گر ناز فروش — رنج کو دور کر اب آئے دل خستہ کو چین
رنج روشن کی طرح آئینہ تو چمکو گیا — اپنے کس کی طرح ہے یہ غنچہ دہن بھی بل
کون سا باغ ہے یہ کون ہے نہیں ہے یہاں — نجت بخت ہے یہ اور ہے یہ جنت کا محل
متبسم ہوا بولے تو وہ سرمایہ ناز — یہ اک انداز سے بولا یہ دکھا کے چل
سر اٹھا پاؤں سے یہ بے ادبی خوب نہیں — اصلی صورت ہے گیا دیکھ لے ذی خوب سنبھل
ہوش میں آ یہ نہیں قسم نبات کے باغ — ہے سراپا ہمہ تن صنعت خلاق ازل

انس کچھ آج نیا تجھ کو نہیں ہے مجھ سے — کھا چکا چوٹ مرے حسن کی تو روزِ ازل
نہ پری ہوں میں نہ انساں ہوں نہ غلماں ہوں نہ حور — پر لطافت میں نزاکت میں ہوں ان سے افضل
باغ نقشہ ہے صفاتِ حسنہ کا اُسکی — حسن فطرت میں جو یوسف سے کہیں ہے اکمل
ہاتھ پھیلائے ہیں نرگس نے جو کاسہ لیکر — اور کاسہ ہے کہ سونا ہے کیا اُس میں حل
ہے یہ نکتہ کہ فقیرانِ جہاں کی صورت — سائل اسکے درِ دولت پہ ہیں اربابِ دول
ہاتھ پھیلائے جو شاخیں زرِ گل دیتے ہیں — ہے یہ مطلب کہ دہش میں ہے وہ تمثیلِ بدل
اشرفی کے جو گلوں کا ہے چمن میں انبار — یہ اشارہ ہے کہ دولت میں ہے وہ ضرب مثل
رمز یہ ہے کہ پھلے پھولے ہیں نخلِ امید — پھول کر لائے ہیں اس باغ میں اشجار جو پھل
نظر آتی ہے پہ چہکتی ہوئی طوطی جو تجھے — قطعہ — ذوقِ مستی میں عنادل سے جو سنتا ہے غزل
یہ اشارہ ہے کہ ہر عضوِ بدن حضرت کا — ہے نوا سنجِ سپاسِ کرمِ عز و جل
بار ور آتے ہیں تجھ کو جو نظر یہ اشجار — پہنچے ہیں اپنی مرادوں کو یہ سب نخلِ امل
جوشِ رحمت کا ہے اُس بحرِ کرم کے ثمرہ — اس گلستاں میں جو برساتا ہے پانی بادل
دیکھتا ہے جو رواں نہر میں پانی شفاف — چشمۂ فیض یہ اُس کا ہے نہیں گنگا جل
پوچھتا ہے جو حقیقت کو مری اے ناداں — طبعِ نازک ترے آقا کی ہوں اے عبدِ اجل
میں زلیخا ہوں وہ ہے یوسفِ کنعانِ کمال — گرم ہے آٹھ پہر شاہدِ مضموں سے بغل
نازنیں ہیں جو مرے گرد اِدھر اور اُدھر — یہ قصیدہ وہ مخمس ہے یہ قطعہ وہ غزل
جسکو سب کہتے ہیں واسوخت شرارت ہے مری — مثنوی سمجھے ہیں جسکو ہے مری اک چھل بل
شجرِ سیب و انارِ چمنِ خلدِ بریں — ہیں مری لذتِ گفتار کے آگے حنظل
اک ادا میں دلِ عالم کو ہیں چھل جاتا ہوں — آہوئے چین و ختن میں یہ کہاں ہے چھلبل
زینت تیری ہے در پردہ تجھے مد نظر — روز سنتا ہے مرے فیض سے تو تازہ غزل
سیر ہو عالمِ برزخ کی مبارک تجھ کو — ہوئی تقریر رسا دل سے گئے کلفت کے نکل

تازہ تر ہونیکا باعث ہے یہ اس گلشن کے　　شجرِ عیش کی پھوٹی ہے نئی اک کونپل
خلعتِ خاص پہنچانے کو ترے آقا کے　　آج کلکتے سے آئے ہیں گورنر جنرل
ہوئی انزالیش بلک اور بڑھے منصب بھی　　جشن کا روز ہے غافل نہیں حیرت کا محل
سر اٹھا خواب تغافل سے ذرا ہوش میں آ　　وا ہوئے جتنے کہ عقدے تھے ترے لاینحل
تہنیت میں تجھے لازم ہے قصیدہ کہنا　　آیا میں تیری مدد کے لئے قصہ فیصل
پڑھ کے دربار گہر بار میں اشعار مدیح　　صلۂ مدح سے ممدوح کے بھر جیب و بغل
الغرض کان میں میرے جو یہ مژدہ پہنچا　　کھل گئی آنکھ ہوئے جمع حواس مختل
مستعد ہو کے لکھا مطلع روشن ایسا　　جس سے خورشید کے مطلع میں بھی آجائے خلل

## مطلع

عدل کا تیرے زمانے میں یہ بیٹھا ہے عمل　　بچہ آہو کا ہے اور شیر نیستاں کی بغل
ناخن کبک بنے سیخ کباب دل باز　　صید گہ میں یہ ترے عدل کا بیٹھا ہے عمل
عام ہے فیض ترے حفظ کا یہ عالم میں　　قطعہ　امن آباد ہے اب شہر کی صورت جنگل
شب تاریک میں پھرتے ہیں ہرن بے کھٹکے　　دیدۂ شیر کے ہے سامنے روشن مشعل
چار سو امن رعایا ہے تری شکر گذار　　نام باقی نہیں شکوے کا جہاں تک ہے عمل
مل گئے زخم کے مانند شگاف در کوہ　　نہ رہا چاک گریباں کو وہاں بھی مدخل
پھنک اٹھی دشت میں ہر جادہ فتیلے کی طرح　　پرتو افگن ہوا گر تیرے غضب کی مشعل
رخش گردوں کی طرح گاؤ زمیں چل نکلے　　منہ سے تیرے کہیں اتنا جو نکل جائے کہ چل
موجۂ حکم کا پائے تری اکیا اگر سیل　　اُلٹے پانوں ہوئے کہسار پھر سر کے بھل
دیر ہے منہ سے نکلنے کی نہیں تو سر قاف　　گرد سے شہپر عنقا کے ہو تیار محل
تیر ہو چلہ نشیں جا کے کماں کے گھر میں　　دم پیکار اگر حکم ہو تیرا کہ نہ چل
شکل منقار ہوں دونوں لب سوفار بہم　　حرف لا منہ سے ترے جائے جو دو بار نکل

زلف لیلیٰ سے ہے قیس کا دل خوں ہو کر
شحنۂ نہی اگر آنکھ دکھائے بہ مثل

گر ترے موکب اقبال و سعادت کا ہو قصد
کہ سطاد بچے کواکب سے نحوست کا خلل

جسطرح لالے کی آنکھوں میں جنوں ہو مشتہد
یوں ہی مریخ کی آنکھوں میں فلک ہو مختل

جسطرح داغ ہو آغوش میں لالے کے ہویں
ڈر کے مریخ کے سینے سے لپٹ جائے زحل

بیچ سے شق ہو سپر خانۂ فولاد کی طرح
سایہ افگن ہو تری تیغ جو بالائے جبل

ہو یقیں شاخ سر گاو زمیں پر ٹھہرے
کہیں دھوکے میں پڑے میان سے تیر جو اگل

جان غمگین ترے دشمن کے بدن سے نکلے
نالہ جیسے دل پر درد سے آتا ہے نکل

پھل نہ پائے ترا حاسد کبھی ٹھلا کے درخت
اور بالفرض جو پائے بھی تو تلوار کا پھل

جیسے گر جاتی ہے دستار سر مے کش سے
کاسۂ سر سے ترے خصم کے مغز آئے نکل

کشت دل میں جو مخالف کی تری جا نکلے
جوہر تیغ ملے مور کو دانے کے بدل

رنگ اُڑ کر رخ دشمن سے پر ناوک ہو
گر اشارہ ہو ترا ناوک بے پر کو کہ چل

چشم بد دور سر مردمک دیدۂ فتح
ہے چشم دشمن میں جیسے دیکھ کے آجائے سبل

کیا عجب دائرے کے گرد جو مرکز ہو محیط
وسعت خلق کا یہ دور میں تیرے ہے عمل

پانوں میں خار کرے ناخن تدبیر کا کام
چاہیئے لطف ترا پھر تو ہیں سب عقدے حل

ڈالدے ہاتھ سے تیز ترے کو سماک رامح
تجھ کو پائے جو طرف دار سماک اعزل

گر تیری عزم کی توصیف میں شاعر لکھے
پر نکالے صفت مور ہر اک حرف غزل

گرد اُڑ کر جو سواری کی ترے جاتی ہے
زہرہ آنکھوں میں لگاتی ہے سمجھ کر کاجل

زلف جوزا کو ہے جاروب کشی کی خدمت
ہے اک آزاد غلام حبشی تیرا زحل

فیض سے تیرے ہندس میں صفت مہر فلک
ایک ہی اینٹ سے چاہے تو ہو تعمیر محل

رگ گل بنتا ہے لب تک ترے آتا ہے جو شعر
بوئے گل بنکے معانی وہیں آتے ہیں نکل

برق و صرصر سے جو توسن کو ترے دوں تمثیل
جتنے عاقل ہیں کہیں ہوش میں اسکے مختل

دور ہے عقل سے تشبیہ سکون و سرعت　　سحر و اعجاز کی نسبت سے ہوا یاں میں خلل
سبقت اندیشہ ہی ہر عضو سے عضو آخر　　پیچھے رہ جانے کے باعث سے ہوا داغ کفل
وصف میں گرمی رفتار کے شاعر جو لکھے　　کرکے موزوں کوئی قطعہ کہ قصیدہ کہ غزل
لفظ کیا نقطے بھی دیوان سے یوں اُڑ جائیں　　قطعہ　دانے اسپند کے مجمر سے گئے جیسے نکل
لالے کے پھول کو آغوش صبا میں دیکھا　　نظر آیا جب رفتار میں وہ داغ کفل
آئینہ نعل کا اس کے ہو جو بن کر تیار　　قطعہ　اور آنکھ اس سے مقابل ہو تو دیکھے چھل بل
حشر تک نور نظر عکس کے پیچھے دوڑے　　اور ناکام ہی آخر کو گرے ہو کر شل
جتنے اوصاف ہیں گھوڑے کے وہ ان سب میں ہی فرد　　سخت سُم نرم دم آگندہ سریں پہن کفل
فیلخانے میں ہیں سرکار کے ہاتھی بے حد　　عظمت و قدر میں ہر ایک سے ہر اک افضل
ایک ہاتھی مگر اُن سب میں ہو سب سے بلند　　اُسکی تعریف کروں نام ہے اسکا ہیکل
فیل گردوں بھی جو دیکھے تو جگر جائے دہل　　دانت پائے کی جگہ اسکے ہیں خرطوم زحل
اور تشبیہ نئی اک مجھے سوجھی ہے ابھی　　مار خرطوم ہے دنداں ہیں درخت صندل
پا بہ زنجیر ہے ہر چند مگر ہے آزاد　　نالے کی طرح سلاسل سے وہ جاتی ہی نکل
عظمت و شان و جلالت کا ہو کیا اسکے بیاں　　متشکل ہوئی ہے قدرت خلاق ازل
ہو در قلعۂ گردوں کی کلید اسکی کجک　　فیلباں اس پہ کہ سیمرغ ہے بالائے جبل
سبکی یہ طرفہ ہے رفتار میں با اینہمہ شاں　　غیر ممکن کہ سر مور کہیں جائے کچل
بس امیر آگے نہ بڑھ روک عنان حرکت　　ہم نے مانا کہ نہیں پانوں قلم کا ترے شل
پر کہاں ذرہ کہاں پایۂ مدح خورشید　　گر زباں بند نہیں ہے یہ تعلّی کا محل
شکر کر شکر کہ مداح ہوا تو اُس کا　　خلق ذاتی سے چھپا دے گا خطایا و زلل
قدردان سخن و اہل سخن ہے ممدوح　　ہاتھ اُٹھا بہر دعا پیش خداوند اجل
اور یہ کر عرض بصد عجز و خلوص و زاری　　کہ خدایا بحق آل نبی مرسل

سرخ و رنگ سعادت سے ہو جبتک زہرہ — رو سیہ داغ نحوست سے ہو جبتک کہ زحل
حسن کو ناز رہے عشق کو جب تک کہ نیاز — رہے معشوق کا جبتک دلِ عاشق میں محل
جب تلک مہر سے پر نور رہے سارا عالم — جب تلک ماہ کی روشن ہو فلک پر مشعل
پرتو مہ سے کتاں کا ہے جگر جبتک چاک — گرمیِ مہر سے تا موم کا دل جائے پگھل
جب تلک شہد کے چھتے میں رہے شیرینی — تلخکامی رہے جبتک کہ نصیب حنظل
نیش اور نوش کے باقی رہیں جبتک آثار — لے مزا بیٹھ کے ہر پھول پہ زنبور عسل
سرو کے گرد کرے فاختہ جبتک کو کو — گل کے آگے پڑھے تا بلبل شوریدہ غزل
جتنی امیدیں ہیں بر آئیں مرے آقا کی — خلد کی طرح سے شاداب رہے باغ امل

ملک و اقبال کو یارب ہو ترقی گھڑیوں
یہ کیٹھر تو ہے کیا ہند میں ہو جائے عمل

---

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ غم نہیں جو پیش ہے دفتر قصور کا
عنوان نامہ نام ہے رب غفور کا

کیسی نظر حجاب جو مانع ہو نور کا
دریا سے قطرہ قصد کرے کیا عبور کا

ہمت ہے شرط راہ خدا ہے کھلی ہوئی
پہنچا وہ جس نے قصد کیا راہ دور کا

محروم اُس کے خوانِ تجلی سے کون ہے
حصّہ ہر ایک آنکھ نے پایا ہے نور کا

کہتے ہی یا کریم اِدھر سے اُدھر گئے
لطف و غضب میں فاصلہ تھا کتنی دور کا؟

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اسکی خاک در
چھوٹا نہ دست عجز سے دامن غرور کا

وہ صاف دل ہوں مردمک چشم کیطرح
میرے سیاہ خانے میں عالم ہے نور کا

مئے اعتقاد صاف کی اسمیں رہے مدام
مینا سے دل کو سنگ نہ توڑے فتور کا

زاہد لحاظ رکھ کہ نہ گل ہو چراغ زہد
جھوکا نہ آنے پائے ہوائے غرور کا

دیکھیں کہ کیا دکھائے قیامت میں شوق دید
درپیش مرحلہ ہے شہود و ظہور کا

حاضر مرے جنازے پہ ہوں سب ملائکہ
سایہ ہو سر پہ مثل سلیماں طیور کا

کیا ڈر جو قصر عفو مقام بلند ہے
زینہ لگا کے پہنچوں گا عذر قصور کا

دیدار کا تو وعدہ وفا ہوگا حشر کو
ارشاد ہو علاج دل ناصبور کا

عاشق کیا ہے شوق نے تیرے حبیب پر
یارب امیدوار ہوں عفو قصور کا

دیکھا نہیں ہے تجھ کو مگر شوقِ دید ہے — مشتاق غائبانہ ہوں تیرے حضور کا
مرکر ملی نجات لحد کے فشار سے — صدقہ اکابر و شہدا کے قبور کا
پھیلا کے پانوں چین سے سوؤں مزار میں — تکیہ نصیب سر کو ہو زانوئے حور کا
یارب اکیلے رہنے کی عادت نہیں مجھے — جمگھٹ رہے مزار میں غلمان و حور کا
محشر کے روز ساقیِ کوثر کا واسطہ — اک جام تشنگی میں شرابِ طہور کا

الفت امیرؔ آلِ محمدؐ سے فرض ہے
مشکل ہے بے سفینہ ارادہ عبور کا

نامِ عاصی داخلِ فردِ شفاعت ہو گیا — خاتمہ بالخیر احمدؐ کی بدولت ہو گیا
مرغِ عصیاں اڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہو گیا — دنگ شاہینِ ترازوئے عدالت ہو گیا
زرد تھا وقتِ پرسش پر رہا سبزہ میں — فرشِ استبرق مجھے صحنِ قیامت ہو گیا
گرمیِ خورشیدِ محشر سے ہوئی حاصل نجات — شامیانہ سر پہ میرے ابرِ رحمت ہو گیا
آلِ احمدؐ کی محبت کا چبھا تھا دل میں خار — بڑھ کے محشر میں کلیدِ بابِ جنت ہو گیا
جم گیا تھا دل میں جو مشقِ معاصی سے غبار — سرمہ بہرِ دیدۂ عینِ عنایت ہو گیا
واہ ری رحمت جو رکھا پانوں بالائے صراط — دستگیری امن نے کی خوف رخصت ہو گیا
جس علم کے نیچے پائی فیضِ احمدؐ سے جگہ — میری بے جرمی پہ انگشتِ شہادت ہو گیا
دفعتًہ صورت بدل کر بن گئی امید یاس — خار زارِ رنج فرشِ خوابِ راحت ہو گیا
راستہ تھا اوّلِ منزل جو ناہموار پیش — رفتہ رفتہ نردبانِ بامِ رفعت ہو گیا
قصرِ یاقوت و زمرد کی ہوئی آساں خرید — باغِ جنت کا قبالہ داغِ محنت ہو گیا
تشنگی میں کوثر و تسنیم کے چشموں پہ ہم — اس طرح پہنچے کہ رضواں غرقِ حیرت ہو گیا

صبحِ محشر جلد چھٹکارا ملا ہم کو امیرؔ
پھر گیا چمکا کہ تاباں نجمِ قسمت ہو گیا

نہیں سودا فقط یوسف کو اُسکے چاکِ داماں کا
گدا ادریس بھی ہی کوچۂ چاکِ گریباں کا

مزہ عاشق کے دل سے پوچھ حسنِ شعلہ رویاں کا
تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

یہ تیری تیغ نے روکا ہی ناکا شہرِ امکاں کا
کہ چھاپا ہی قضا کے ہاتھ پر خونِ شہیداں کا

دلِ پرداغ پر یہ حسرتوں کا خون ہوتا ہی
لہو بنکر ٹپک جاتا ہی رنگ اپنے گلستاں کا

زبانِ حال سے کہتا ہی خنجر میاں سے کھنچکر
کہ گھر بیٹھے بہلتا ہی کوئی بھی مردِ میداں کا

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ الٹا مرے چاکِ گریباں کا

تکلف حسن کا ہر موئے خطِ یار میں پایا
نظر آیا مجھے ہر مور میں جلوہ سلیماں کا

بہارِ تازۂ دل دیکھ اگر شوقِ تماشا ہے
بہشت اک پھول مرجھایا ہوا ہی اس گلستاں کا

نہ ہوگا بند جبتک نقدِ جاں باقی ہی قالب میں
سخی کے گھر کا دروازہ ہی چاک اپنے گریباں کا

بہارِ کہکشان و انجم و افلاک کیا دیکھوں
نہ بیل اچھی نہ بوٹا خوشنما ہی اس گلستاں کا

لکھے یکدست یہ مضموں ترے دستِ حنائی کے
مخمس جو مرے دیوان میں ہی پنجۂ مرجاں کا

نہ گھبرا اے دلِ وحشی سوادِ شامِ فرقت سے
کہ یہ سایہ بھی ہمسایہ ہی اس زلفِ پریشاں کا

خیالِ عیش کر لینگے فلک نے گو پھنسایا ہی
تصور قید ہو سکتا نہیں ہے اہلِ زنداں کا

معاف اے شیخ دھوکے میں اُڑائیں دھجیاں میں نے
ترے خرقے پہ شک مجھ کو ہوا اپنے گریباں کا

اُچھلتا ہی کلیجا ڈوبتا ہی دل خدا حافظ
سمندر پیرنا ہی جھیلنا شبہائے ہجراں کا

نہ پوچھے کیا طولِ محشر مسے عمر اکسو کی اکھو نہیں
ازل سے تا ابد پہلا پہر ہے روزِ ہجراں کا

دہانِ گور سے آواز یہ کانوں میں آتی ہی
نہیں ہی کام اس گھر میں کسی ناخواندہ مہماں کا

تڑپ کر دم نکلجائے مگر کھلنا نہیں ممکن
تری دل کی گرہ ٹانکا ہی مرے زخمِ نہاں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوکِ قاتل
کہ دو پیاسوں میں ہی یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

امیر آئینگے کیا کیا شمع رو راتوں کو چھپ چھپ کر
نیا انداز ہوگا میرے مدفن پر چراغاں کا

اگر در کار ہے رنگیں تمہیں تکمہ گریباں کا
لگاؤ لعل اسمیں قطرۂ خونِ شہیداں کا

اسیرِ عشق ہو کر زمزمہ سن طائرِ جاں کا
چہکتا ہو قفس میں جاکے بلبل اس گلستاں کا

کنارہ مر کے ہاتھ آیا ہو ہمکو ملکِ ایماں کا
بڑی مشکل سے دروازہ ملا شہرِ خموشاں کا

تمہارے بانکپن کی شان کچھ اسمیں نکلتی ہو
کھنچے تو دوڑ کر منھ چوم لوں شمشیرِ براں کا

دھواں اٹھتا ہو داغِ آتشینِ سینہ سے ایسا
کہ چھپ جاتا ہو بدلی میں ہلال اپنے گریباں کا

خیالِ خط میں اے گل جا نکلتا ہوں جو گلشن میں
لگاتا ہو ہزاروں برچھیاں سبزہ گلستاں کا

نظر آیا وہ چہرہ ہوتے ہوتے رک گئی وحشت
اٹھائی اس نے چلمن رہ گیا پردہ گریباں کا

جہاں معشوق ہو عاشق دکھا جاتا ہو رنگ اپنا
شبیہِ طوقِ قمری ہو دھواں سروِ چراغاں کا

یقیں ہو بنتے بنتے ہو لبالب خونِ حسرت سے
اگر کاسہ بنائیں کاسہ گر خونِ شہیداں کا

نہ پوچھو حال دل کا میری آہِ بے اثر دیکھو
درختِ بے ثمر ہو یہ اسی اجڑے گلستاں کا

دلِ سرگشتہ میرا دیکھ کر یوں وہ پری بولی
یہ دل کا ہیکو ہو کوئی بگولہ ہو بیاباں کا

کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا

زہے شوقِ شہادت امتحاں گاہِ محبت میں
قدم بڑھتے ہی ہاتھوں بڑھ گیا دلِ ہر دمیداں کا

دمِ رقص اس پری نے دی جو گردش اپنے دامن کو
مری آنکھوں میں عالم پھر گیا تختِ سلیماں کا

تفوق رکھتی ہو سرگشتگی نخوت فروشی پر
کہیں دامن سے ہوتا ہو مقام اونچا گریباں کا

وہ دیوانے ہیں آنکھ نکلے ذرا ایما اگر کردیں
نکالے شیر پر آنکھیں غزال اپنے بیاباں کا

ہو جیسے سارا زمانہ آفتابِ حشر کہتا ہے
وہ اک اترا ہوا چھالا ہو اپنے داغِ ہجراں کا

نئی تقریب پریوں کے بلانے کی ہو دیوانو
کسی صحرا میں عرس اک دن کریں چلکر سلیماں کا

ہوئی ہیں لبسکہ آنکھیں لوٹ انکی لچکا مانے ری پر
نگاہیں کھیلتی ہیں گیند اس گوئے گریباں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی چھڑکتا گر نمک قاتل
دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے منھ نمکداں کا

ہمے ناداں ہیں جو لوگ ڈرتے ہیں آبر اس سے
اجل تو نام ہو اک زندگانی کے نگہباں کا

جنوں ہے مجھ کو اک پردہ نشیں کے دورِ داماں کا
گلا کاٹوں جو پردہ فاش ہو چاکِ گریباں کا

نظر آتا ہے دل میں رنگ کیا کیا حسنِ خوباں کا
تماشا دیکھتا ہوں ایک غنچے میں گلستاں کا

چھپا ہے عیب عریانی سے رختِ جسمِ عریاں کا
مرا داغِ جنوں پیوند ہے میرے گریباں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں
لبِ خاموش سے پیدا ہے صدمہ دردِ پنہاں کا

صدا یہ قلقلِ مینا سے میخانے میں آتی ہے
کہ بختِ سبز اک طوطی ہے مستوں کے گلستاں کا

مگر اُڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے
ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلفِ پریشاں کا

جنوں کے گل کھلاتی یوں صبا کو کیا سلیقہ تھا
چمن میں ہے گلِ صد برگ نام اپنے گریباں کا

کیا اظہارِ دردِ دل تو کھینچا میاں سے خنجر
نیا نسخہ نکالا آپ نے یہ دردِ ہجراں کا

خیالِ طرہ بندھ جائے نہ کیونکر تور کی صورت
طلا یہ پھر رہا ہے آنکھ میں خوابِ پریشاں کا

عدم کو چل دیا خاموش جو عاشق ہوا اسیر
دہانِ یار دروازہ ہے کیا شہرِ خموشاں کا

تمہارا پنجۂ رنگیں چڑھا جب سے نگاہوں پر
جمایا رنگ اُترا دل سے اپنے پنجۂ مرجاں کا

ترا ممنون ہوں اے ضعف پردہ رکھ لیا میرا!
چھڑایا تو نے دامن دستِ وحشت سے گریباں کا

ملایا خاک میں انکو جہاں کی بیوفائی نے
کتابہ خطِ کوفی میں لکھو گورِ غریباں کا

تعجب کیا کمالِ شوق میں لپٹا جو میں اس سے
دیا شمشیر نے دھوکا کسی کے جسمِ عریاں کا

اسے کہتے ہیں پاسِ رازِ الفت دیکھ اے قاتل
سیا ہے منہ ترے تارِ کمر سے زخمِ پنہاں کا

زنخداں پر جو انگشتِ حنائی یار نے رکھی
تو میں سمجھا کہ ہے سیبِ ذقن پھل شاخِ مرجاں کا

مزاج آگے تو دیوانوں سے یوں برہم نہ رہتا تھا
اثر ہے اے پری یہ صحبتِ زلفِ پریشاں کا

کہاں جائینگے اُڑ کر یہ پری دیو میری چالونسے
مجاور میں بنوں گا جا کے درگاہِ سلیماں کا

نصیبِ دشمناں قاتل کو سکتا ہو گیا شاید
کہ بسمل آئینہ دکھلا رہے ہیں چشمِ حیراں کا

ہوائے زلف میں اک حور کے سودا یہ چمکا ہے
بیاضِ صبحِ جنت ہے سواد اپنے بیاباں کا

امیر ایسا شگفتہ ہے ہجومِ داغ سے پہلو
کہ ہر ناسورِ دل رخنہ ہے دیوارِ گلستاں کا

دکھانا چاہیے کچھ بانکپن سودائے مژگاں کا
بہت اب نوک کی لیتا ہے ہر کانٹا بیاباں کا

نہ چھوڑا تار باقی دست وحشت نے گریباں کا
دیا ہر چند میں نے واسطہ یوسف کے داماں کا

جواب روضۂ رضواں ہے تختہ کوئے جاناں کا
قضا چھڑکاؤ کرتی پھرتی ہے خون شہیداں کا

ستمگر نے نہیں کھینچے میں اپنے گو کھوٹا نکا
نکل آیا ہے جوہر صاف شمشیر گریباں کا

بنا کر آئینہ پریوں کو یوں خود بیں نہ کرنا تھا
سکندر کچھ تو تجھ کو پاس لازم تھا سلیماں کا

زمیں ہے ایک مشت خاک صحرائے محبت کی
فلک چھوٹا سا اک میدان ہے نے کے بیاباں کا

تردد کیا ہے تم کو یہ تو دو ٹانکوں میں اچھا ہے
عدو کا زخم دل کیا چاک ہے میرے گریباں کا

دبستان جنوں میں جو سبق تھا درس میں تیرے
وہ اے مجنوں برآوردہ ورق ہے میرے دیواں کا

نہ بھولے آپ کو بھولے جو دنیا کو تو کیا بھولے
یہ منت ہو اگر پوری تو پھر ہے طاق نسیاں کا

کسی عارض کا آئینہ ہے اپنا دیدۂ حیراں
دل صد چاک شانہ ہے کسی زلف پریشاں کا

در آیا بن کے پتلی دیدۂ خورشید محشر میں
اگر اونچا اڑا ذرہ کوئی اپنے بیاباں کا

لب بام اس پری نے بال کیا چہرے سے سرکائے
اٹھا کر ابر کے پردے کو گویا برق نے جھانکا

ذرا سی چھیڑ میں کیوں پھوٹ بہتے ہو تم اچھا ہو
اسی سے چھیڑتا ہے تم کو ہر کانٹا بیاباں کا

گھٹائیں غم کی چھا جاتی ہیں دلبر تیرہ بختوں کے
بلا ہے رخنہ کھلنا آپ کی زلف پریشاں کا

ملایا چاہتا تھا ہاتھ سے اس گل کے ہاتھ اپنا
یہ باعث ہے کہ شل حق نے بنایا پنجہ مرجاں کا

اکڑنا ہی نہیں غصہ کسی دم چشم و ابرو سے
پری دیوں پہ کیا تمغا ہے سرکار سلیماں کا

خیال زلف و رخ ہی رات دن آنکھوں میں پھرتا ہے
اجالا صبح وصلت کا اندھیرا شام ہجراں کا

مرے غم میں رواں آنسو ہیں آنکھوں سے حسینوں کے
کہ ماتم ہو رہا ہے گھر میں پریوں کے سلیماں کا

انا الحق بولتی ہیں قمریاں حق سرہ کیسا
جسے کہتے ہیں دار اک سرو ہے اپنے گلستاں کا

کتاب لوح محفوظ اے امیر اس کا ہے دیباچہ
سواد خامۂ کن خاتمہ ہے اپنے دیواں کا

ہم سے بگڑ کے غیر کا تو یار ہو چکا
ہونا جو تھا وہ اے بت عیار ہو چکا

ترغیب دی شراب کے پینے کی کیوں اُسے
حق تو یہ ہے میں پہلے گنہگار ہو چکا

انکھیلی کی چلے نہ چلے چال اب وہ شوخ
فتنہ جو سو رہا تھا وہ بیدار ہو چکا

بالیں پہ میرے کس لیے آیا ہے اے طبیب
تجھ سے علاج دردِ دلِ زار ہو چکا

آیا نہ ایک بار عیادت کو وہ مسیح
سو بار میں فریب سے بیمار ہو چکا

زنجیر پا ہے ضعف سے ہر موجِ بوریا
شاہوں کا مجھ فقیر سے دربار ہو چکا

افسوس آنکھ خوابِ تغافل سے تب کھلی
جب آفتابِ حشر نمودار ہو چکا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے
امیدِ عفو میں میں گنہگار ہو چکا

جب آستانِ یار پہ حاضر ہوئے ہیں ہم
درباں سے یہ سنا ہے کہ دربار ہو چکا

باقی ہزار شوق خطِ شوق نا تمام
قاصد کمر کو باندھ کے تیار ہو چکا

کافی ہے زلف جال بچھاتا ہے کس لیے
صیاد سے کہو میں گرفتار ہو چکا

دنیا میں کون غم ہے نہیں جس کے بعد عیش
آئی بہار خشک جو گلزار ہو چکا

دل راہ چلتے چھین لیا مجھ سے یار نے
یوسف کا فیصلہ سرِ بازار ہو چکا

میرا سوال سن کے جو خاموش ہو رہے
میں خوش ہوا کہ وصل کا اقرار ہو چکا

اب لب پہ لائیں کیا ارنی صورتِ کلیم
محشر کے روز وعدۂ دیدار ہو چکا

باقی ہے کس کو حوصلہ اخفائے عشق کا
رسوا امیر کوچہ و بازار ہو چکا

واعظو حشر کا ہر مرتبہ چرچا کیسا
روز کا تم نے نکالا ہے یہ جھگڑا کیسا

دیکھیں حوریں بھی تو بیہوش ہوں روتے روتے
سیر کیسی تری کشتی کا تماشا کیسا

مے پیو شوق سے خالق ہے رحیم اور کریم
مے کشو خیر ہے اندیشۂ فردا کیسا

آشنا ذکر سے رہتی ہے فقط اپنی زباں
دوستانہ بھی کسی دوست سے شکوا کیسا

جائے آرام نہ دیکھی کبھی اس عالم میں — نہیں معلوم کہ ہے عالم بالا کیسا
نبض دیکھی تو حرارت سے جلے دستِ مسیح — تیرے بیمارِ محبت کا مداوا کیسا
نام چاہے تو نہاں ہو نظرِ عالم سے — گوشہ گیری سے ہوا شہرۂ عنقا کیسا
آبلہ پائی و بے تابی و سرگردانی — اے جنوں گھر میں یہ ساماں ہو تو صحرا کیسا
کبھی دیوانہ الفت نہ تمہارا سمجھا — لوگ سمجھانے کو سمجھا چکے کیسا کیسا
شک نہیں اسمیں کہ ہو مصرعِ موزوں قدِ یار — پر کمر بیچ سے غائب ہے یہ سکتا کیسا
جوشِ وحشت ہمیں اُس دشت میں لایا کہ جہاں — آہوئے قیس نہیں ناقۂ لیلےٰ کیسا
کہتے ہیں یار زلفِ مسلسل کی لکھو تو تعریف — دیکھیں اس فن میں ہو تمکو یدِ طولیٰ کیسا
تری تصویرِ خیالی بھی نہ آئی مرے پاس — رہ گیا کھول کے آغوشِ تمنا کیسا

میرے لب تک نہیں آیا ابھی نالہ بھی اسیر
زلزلے سے ہے یہ عالم تہ و بالا کیسا

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا — بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا
ٹھہریں کبھی کجی میں نہ دم بھر بھی راست رو — آیا کماں میں تیر تو سَن سے نکل گیا
خلعت پہنکے آنے کی تھی گھر میں آرزو — یہ حوصلہ بھی گور و کفن سے نکل گیا
پہلو میں میرے دلکو نہ اے درد کر تلاش — مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا
مرغانِ باغ تم کو مبارک ہو سیرِ گل — کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا
کیا رنگ تیری زلف کی بو نے اُڑا دیا — کافور ہو کے مشکِ ختن سے نکل گیا
پیاسا ہوں اس قدر کہ مرا دل جو گر پڑا — پانی اُبل کے چاہِ ذقن سے نکل گیا
سارا جہان نام کے پیچھے تباہ ہے — انسان کیا عقیقِ یمن سے نکل گیا
کانٹوں نے بھی نہ دامنِ گلچیں پکڑ لیا — بلبل کو ذبح کر کے چمن سے نکل گیا
کیا شوق تھا جو یادِ سگِ یار نے کیا — ہر استخواں تڑپ کے بدن سے نکل گیا

جو سبزہ رنگ خط بھی بنا اسکو بوسہ دے
بیگانہ تھا جو سبزہ چمن سے نکل گیا

منظورِ عشق کو جو ہوا اوجِ حسن پر
قمری کا نالہ سروِ چمن سے نکل گیا

مدِ نظر رہی ہمیں ایسی رضائے دوست
کاٹی زبان جو شکوہ دہن سے نکل گیا

طاؤس نے دکھائے جو اپنے بدن کے داغ
روتا ہوا سحاب چمن سے نکل گیا

صحرا میں جب ہوئی مجھے خوش چشموں کی تلاش
کوسوں میں آہوانِ ختن سے نکل گیا

خنجر کھنچا جو میاں سے چمکا میانِ صاف
جوہر کھلے جو مردِ وطن سے نکل گیا

میں شعر پڑھ کے بزم سے کیا اٹھ گیا امیر
بلبل چہک کے صحنِ چمن سے نکل گیا

وعدہ نہیں ہے حشر کے دن کس سے دید کا
حصہ ابھی سے بانٹ رہے ہیں وعید کا

اللہ رے انقلاب جہانِ بعید کا
خونِ حسین غازہ ہے روئے یزید کا

قاتل کے کان تک نہیں پہنچی ابھی فغاں
کیوں تیغ نے گلے کو دیا خط رسید کا

کچھ ہوگئے ہیں زاغ و زغن کچھ سیاہ تھا
لاش اپنی بعد مرگ ہو توشہ فرید کا

کہہ دے کوئی حسینوں سے دل بیچتا ہوں میں
آئے جسے جسے ہو ارادہ خرید کا

ہاں اے کلید دار قضا کھول قفلِ بخت
کچھ اسمیں گھس نہ جائیگا ناخن کلید کا

کشتوں کا کھیت کاٹ کے کہتی ہے تیغِ یار
جامہ بھی یہ قطع ہے قطع و برید کا

کیا جانتا ہے کوئی فقیری کا مرتبہ
دل نام پیر عرش لقب ہے مرید کا

پوچھوں نہ حال خلق رقیب سیاہ رو
بگڑا ہوا خمیر ہے خاک یزید کا

کیا جانے رہروؤں کا ہوا کیا عدم میں حال
ابتک تو ایک نے نہ لکھا خط رسید کا

اے ترک تیرے رعب نے ایسا دبا دیا
اُچھلا نہ خون حشر کے دن بھی شہید کا

دوزخ میں ڈالے جائیں گے جب بت پرست
ناقوس غل مچائے گا ابنِ یزید کا

دل میرا اُسکے روئے مخطط نے چھین کر
جھوٹا بنا لیا ہے غبارِ خرید کا

اب کی بہار سے مجھے آتی ہے بوئے خوں — آیا ہے لالہ بھیس بدل کر شہید کا

کیونکر کھنچوں نہ میں طرفِ قربِ حق امیر
پھندا مرے گلے میں ہے حبل الورید کا

آئے جسے ہو شوق تجلّی کی دید کا — ہے کوہِ طور ڈھیر تمہارے شہید کا
آنکھیں ہیں اور لطف ہے اب اُسکی دید کا — برسوں ہوا آفتاب رہا چاند عید کا
وہ وہ شبِ فراق کا نقاش مجھ سے لے — نقشہ جو کھینچنا ہو بعینہ یزید کا
مسجد سے سوئے میکدہ اے شیخ یوں نہ دیکھ — بالائے طاق ہو نہ عقیدہ مرید کا
کیسی سزا کہ رعب سے قاتل کے روزِ حشر — نالہ گلے میں پھنس کے نہ نکلا شہید کا
کھینچا نہ ہاتھ قتل سے قاتل نے شام تک — تکبیر کہتے کہتے کٹا روز عید کا
آئے تو دو بہار یہ دونوں ہیں ایک بن سے — خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہ مرید کا
حیرت نے کر دیا ہمیں تصویر پیشِ یار — اٹھا ذرا نہ ذائقہ گفت و شنید کا
وہ بادہ ابنِ ساقیِ کوثر میں میں پیوں — شامی کباب بھن کے جگر ہو یزید کا
پیری میں مجھ سے خنجرِ قاتل گلے ملا — دیکھا ہے چاند تیسری تاریخ عید کا
عکسی شبیہیں کھینچے رخسارِ یار کی — یہ بھی تو چھاپنا ہے کلامِ مجید کا
ہم منتظر کہ لائے وہاں سے جواب خط — بھیجا ہے نامہ بر نے خط اپنی رسید کا
اس غمکدے میں کٹ گئی یوں اپنی زندگی — قیدی پہ جیسے روز گزر جائے عید کا
پوچھو نہ کچھ مرے دلِ زخمی کا مجھ سے حال — انشا قتیل کی ہے یہ دیواں شہید کا

کس دن نہیں ہیں چار گدا چار میہماں
رزق اپنا اے امیر ہے توشہ فرید کا

مجھکو محب سمجھ کے حسین شہید کا — کرتا ہے ننگ قافیہ تک بھی یزید کا
یہ شوق ہے جو خلق کو قاتل کی دید کا — جائے شہاب خون بکے گا شہید کا

ہوتے ہیں تر پسینے سے آغوش میں حسیں | پھولوں سے مجھکو ڈھب ہے عرق کی کشید کا
اتراتے ہیں جو لوگ پہن کر لباس نو | ہنستا ہے چاک پیرہن صبح عید کا
بت بیٹھے وقت نزع نہ بالیں پہ میرے بیٹھ | ہوتا ہے آج خاتمہ گفت و شنید کا
ثابت ہوا عدم کو مسافر پہنچ گیا | تعویذ قبر پہ نہیں خط ہے رسید کا
کرتا ہے مثل چرخ زمانہ بھی پائمال | مسلک جو پیر کا وہ چلن ہے مرید کا
گردن تو کیا نہیں مرے اعضا کو خوف تیغ | ہل ایک ایک رگ کو ہے حبل الورید کا
کھولینگے لات مار کے ہم میکدے کا در | پاپوش اپنی کام کرے گی کلید کا
کیسا جواب خط کہ ہوا نامہ بر کا خوں | کاغذ پکارتا ہے یہ خط کی رسید کا
نازک ہے دل میں وعظ کی مجلس میں جاؤں کیا | دُرّہ ہے مجھکو ذکر عذاب شدید کا
پیر مغاں نے مجھ کو سنبھالا تو کیا ہوا | ہر پیر دستگیر ہے اپنے مرید کا
باطن میں غم ہے عشرت دنیائے ظاہری | پہنے ہوئے لباس محرم ہے عید کا
مہندی کی ٹٹیاں نہیں پرے باغباں | کیوں ان پہ ہاتھ صاف ہے قطع و برید کا
فاقے سے ہوں تو صاحب غیرت نہ رخ کریں | دعوت خلیل کی ہو کہ توشہ فرید کا

اٹھ اٹھ کے بیٹھنے سے ہوئے کشتہ ہم امیر
خنجر پھرا گلے پہ ملاقات عید کا

ہے دلکو شوق اُس بت قاتل کی دید کا | ہولی کا رنگ جس کو لہو ہے شہید کا
مژدہ ہو میکشو کہ ہوا چاند عید کا | محتاج قفل میکدہ تھا اس کلید کا
یا رب رہے وہ چاہ ذقن خط سے حفظ میں | گھیرے نہ اس فرات کو لشکر یزید کا
جی چاہے جس حسیں کا وہ لے ہم سے جنس دل | سرمایہ کریم ہے توشہ فرید کا
دنیا پرست کیا رہ عقبیٰ کریں گے طے | نکلے گا خاک گھر سے قدم زن مرید کا
وہ مست ہوں کہ میں نے شب قدر کی دعا | روزے تمام ہوں کہیں دن آئے عید کا

کس گلبدن نے ہاتھ سرِ رہ لگا دیا    پھولوں کی سیج ہے جو جنازہ شہید کا

ہونے نہ پائے غیر بغل گیر یار سے    اللہ یوں ہی روز گذر جائے عید کا

اپنی کہیں کہ اُسکی سنیں وقت نزع ہم    دردا کہ وقت تنگ ہے گفت و شنید کا

سارا حساب ختم ہوا حشر ہو چکا    پوچھا گیا نہ حال تمہارے شہید کا

بک بک کے روز کھاتے ہیں واعظ اُڑ دماغ    سمجھے ہیں شاید اسکو بھی توشہ فرید کا

لوٹے گی لذتِ لبِ شیریں مری زباں    قفلِ دہن پہ اُسکے ہے دانت اس کلید کا

شیطاں کبھی رقیب سے ہوتا نہیں جدا    اُلٹی ہے بات پیر ہے پیرو مرید کا

ضائع نہ جائے دل پہ جو کھایا ہے داغِ غم    یارب چراغ ہو کسی قبرِ شہید کا

جا کر سفر میں بھول گئے ہم کو وہ امیر
ہاں اور دوستوں نے لکھا خط رسید کا

اللہ رے سکر صاحب بخل شدید کا    گاڑے تو زر مزار بنائے شہید کا

گردن کو تیغ سے نہیں رشتہ بعید کا    ڈورا جو باڑھ کا ہے وہ حبل الورید کا

اُس کوچے کے گدائے تہیدست ہیں وہ ہم    رضواں سے ہے ارادہ جناں کی خرید کا

کرتی ہیں دل کو خون اُن آنکھوں کی پتلیاں    ان مغبچوں کو ذوق ہے مے کی کشید کا

ہو اُس سے بوسۂ لبِ شیریں کی کیا امید    شربت پہ فاتحہ بھی نہ دے جو شہید کا

خطِ عذار یار کا کیا وصف کیجئے    نوروز کا یہ زائچہ خطبہ ہے عید کا

باتیں مری سنیں تو یہ منہ پھیر کر کہا    تار اس کمند میں نہیں دل کی کشید کا

صیاد کو وہ کشتۂ الفت کہاں نہیں    ہر لالہ ہے چراغ مزارِ شہید کا

لیتی ہے بوسے عارضِ محبوب کے وہ زلف    کافر کو بھی ادب ہے کلامِ مجید کا

حجام میرے دل کا دکھا دے جو آئینہ    اُنسے زیادہ دل اُنھیں انعامِ عید کا

کندن سا رنگ یار دکھائے جو رخ ہو زرد    زر سے ارادہ چاہیئے زر کی کشید کا

کتنا ہے سخت قلب رقیب سیاہ رو | نطفہ یہ شمر کا ہے کہ بچہ یزید کا

مقتل سے کم نہیں ہے قلمداں مرا امیرؔ
ہر کلک ہے گلوئے بریدہ شہید کا

خط عارض نے دلِ اہلِ رقم توڑ دیا | بیت ابرو نے ہلالی کا قلم توڑ دیا
اس کڑی کا تحمل تھا کہاں شیشۂ دل | وہ کہی بات کہ دل تو نے صنم توڑ دیا
اہل محشر یہ ہے احساں ترے دیوانے کا | سر کو ٹکرا کے درِ باغ ارم توڑ دیا
باندھتے غیر کو ہوتا ترا ہم دیکھ سکیں | رشتۂ الفت کا ترے سر کی قسم توڑ دیا
دل نے اک آہ میں نابود کیا انجم کو | سب عبث کھینچ کے شمشیر دو دم توڑ دیا
حکم ہے یہ کہ نہ آئے کوئی دروازے پر | آسرا تو نے غریبوں کا صنم توڑ دیا

صفحۂ دہر پہ صورت گر قدرت نے امیرؔ
اس کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

ہمسر زلف قدِ حور شمائل ٹھہرا | لام کا خوب الف قد مقابل ٹھہرا
دیدۂ تر سے جو دامن میں گرا دل ٹھہرا | بہتے بہتے یہ سفینہ لب ساحل ٹھہرا
کی نظر روئے کتابی پہ تو کچھ دل ٹھہرا | مکتب شوق بھی قرآن کی منزل ٹھہرا
نکہت گل سے پریشان ہوا اسکا دماغ | خندۂ گل نہ ہوا شور عنادل ٹھہرا
نجد سے قیس جو آیا مرے زنداں کی طرف | دیر تک گوش بر آواز سلاسل ٹھہرا
حسن جس طفل کا چمکا وہ ہوا باعث قتل | جس نے تلوار سنبھالی مرا قاتل ٹھہرا
خط جو نکلا رخ جاناں پہ ملا بوسۂ خال | یہی دانہ فقط اس کشت کا حاصل ٹھہرا
علم اک نقطہ جو مشہور تھا اے جوش جنوں | غور سے کی جو نظر نقطۂ باطل ٹھہرا
دور جبتک تھے تڑپتا تھا میں کیا کیا | پاس آکر جو وہ ٹھہرے تو مرا دل ٹھہرا
کثرت داغ سے گلدستہ بنا دل تو کیا | زینت باغ نہ آرائش محفل ٹھہرا

دوڑتا قیس بھی آتا ہے نہایت ہی قریب
اک ذرا ناقے کو اے صاحبِ محمل ٹھہرا

دم جو بیتاب تھا مدت سے مرے سینے میں
تیغِ قاتل کے تلے کچھ دمِ بسمل ٹھہرا

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہارا ہے یہ حال
گھر سے دروازے تک آنا کئی منزل ٹھہرا

ابتک آتی ہے صدا تربتِ لیلیٰ سے امیرؔ
سارباں اب تو خدا کے لئے محمل ٹھہرا

بیگانہ ہو کے سارے جہاں سے جدا ہوا
اے عالم آشنا جو ترا آشنا ہوا

سمجھے کفن نصیب جو بعدِ فنا ہوا
سرکارِ عشق سے ہمیں خلعت عطا ہوا

دریائے معرفت سے جو دل آشنا ہوا
ترکِ خودی سفینۂ اہلِ فنا ہوا

بخت سیہ نہ ضعف میں ہم سے جدا ہوا
قدِ خمیدہ حلقۂ زلفِ دوتا ہوا

میں مٹ گیا تو وہ بھی مرے ساتھ مٹ گیا
سایے سے خوب حقِ رفاقت ادا ہوا

پچھتا رہے ہیں خون مرا کر کے کیوں حضور
اب اس پہ خاک ڈالئے جو کچھ ہوا ہوا

چالاکیاں تو دیکھو مجھے قتل کر کے خود
اوروں سے پوچھتے ہیں یہ کیا ماجرا ہوا

زائل ہوئی نہ بھیس بدلنے سے بوئے عشق
تصویر میں بھی رنگ ہے رخ سے اڑا ہوا

ہے دل کا سرد مہریٔ معشوق سے یہ حال
جیسے درخت برف سے کوئی جلا ہوا

مرنے کے بعد کیسے پریشاں ہیں عضوِ تن
کیا کیا ورق کتاب سے اپنے جدا ہوا

یادِ کمر میں بھول گئی دل کو طرزِ آہ
کاسے میں اپنے بال پڑا بے صدا ہوا

جب سامنا ہوا دلِ عشاق کھنچ گئے
گیسو کا حلقہ بھی دہنِ اژدہا ہوا

یہ ضعف سے سبک ہوں کہ نقشِ قدم مرا
پڑتا تو ہے زمیں پہ لیکن مٹا ہوا

آئینہ اس کو کس نے دکھایا غضب کیا
جلادِ خلق ایک تو تھا دوسرا ہوا

بوسہ طلب کیا تو یہ کہنے لگا وہ بت
قدرت خدا کی تم کو بھی یہ حوصلہ ہوا

خالی قدح دکھائے مجھے کیوں نہ دور سے
ساقی کا دل ہے میری طرف سے بھرا ہوا

شاید خط اُس اغلی کے حلقے تھے جال کے
آتے ہی قید طائرِ رنگ حنا ہوا

ڈھونڈھا نہ کب بہانہ مرے دل نے بہر رنج
ماتم کیا اگر کوئی روزہ قضا ہوا

چاہِ ذقن کو چاہ پہ مصر کیا کہوں
مضمون ہے یہ میری نظر سے گرا ہوا

ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے چھپ کے دیکھ لے
آئینہ دیکھ چار طرف دیکھتا ہوا

قاتل ستم ہے رشتۂ الفت کا توڑنا
یوں قتل کر کہ کچھ رہے تسمہ لگا ہوا

کشتے کی اپنے تجھ کو ہوا ہے ترک کچھ خبر
آتا ہے ساتھ ساتھ ترے لوٹتا ہوا

آنکھوں پھر ہے جلوۂ معشوق سامنے
ہے مدتوں سے بیچ کا پردہ اٹھا ہوا

انسان کی مرگ و زیست نہیں ہو کسی کے ہاتھ
آئے تو کیا جو آپ نہ آئے تو کیا ہوا

نامہ دیا تو اُس گل گلزار حسن تک
دم میں پہنچ گیا مرا قاصد ہوا ہوا

حور آگئی نظر کہ پری کوئی دیکھ لی
سودا سا ہے امیرؔ کو کیا جانے کیا ہوا

فراقِ یار نے بے چین مجھ کو رات بھر رکھا
کبھی تکیہ اِدھر رکھا کبھی تکیہ اُدھر رکھا

شکست دل کا باقی ہم نے غربت میں اثر رکھا
لکھا اہل وطن کو خط تو اک گوشہ کتر رکھا

برابر آئینے کے بھی نہ سمجھے قدر وہ دل کی
اسے زیر قدم رکھا اُسے پیش نظر رکھا

مٹائے دیدہ و دل دونوں میرے اشک خونیں نے
عجب یہ طفل ابتر تھا نہ گھر رکھا نہ در رکھا

تمہارے سنگ در کا ایک ٹکڑا بھی جو ہاتھ آیا
عزیز ایسا کیا مر کر اسے چھاتی پہ دھر رکھا

جناں میں ساتھ اپنے کیوں نہ لیجاؤنگا ناصح کو
سلوک ایسا ہی میرے ساتھ ہے حضرت نے کر رکھا

نہ کی کس نے سفارش میری وقت قتل قاتل سے
کماں نے ہاتھ جوڑے تیغ نے قدموں پہ سر رکھا

غضب برسے وہ میرے آتے ہی معلوم ہوتا ہے
جگہ خالی جو پائی یار کو غیروں نے بھر رکھا

بڑا احساں ہے میرے سر پہ اسکی لغزش پا کا
کہ اُس نے بے تحاشا ہاتھ میرے دوش پر رکھا

زمیں میں دانۂ گندم صدف میں ہم ہوئے گوہر
ہمارے عجز نے ہر مرتبہ میں ہم کو ور رکھا

ترے ہر نقش پا کو رہگذر میں سجدہ گہ سمجھے
جہاں تو نے قدم رکھا وہاں ہم نے بھی سر رکھا

امیر اچھا شگون مے لیا ساقی کی فرقت میں
جو برسا ابر رحمت جائے مے شیشوں میں بھر رکھا

جلانا چاہتی ہے جب کسی سر سبز گلشن کا
تو بجلی طوف کرجاتی ہے پہلے میرے خرمن کا

وہ ہوں جانباز مقتل پر گماں ہے مجھکو گلشن کا
ترانہ بلبلوں کا جانتا ہوں بولنا رن کا

ترا خنجر گلے پر غیر کے کیونکر نہ رک جائے
کہ یہ غمزہ تو اے سفاک حق ہے میری گردن کا

نہ پوچھو دیکھنے کا حال ہمنے کچھ نہیں دیکھا
کیا نرگس کی آنکھوں سے تماشا سارے گلشن کا

بہار آئی ہے اے دست جنوں یا عید آئی ہے
گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک دامن کا

بصیرت ہو تو انساں رمز سمجھے چشم و مژگاں کی
لئے ہیں پتلیاں آنکھوں پہ پردہ تیری چلمن کا

کبھی کعبے کبھی بتخانے میں دیکھا جو تھا مجھکو
ہوا مجمع مرے تابوت پر شیخ و برہمن کا

میں اک پردہ نشین صاحب عصمت کا زخمی ہوں
مرے زخموں میں لازم صوف ہے یوسف کے دامن کا

دھڑی مسی کی ہونٹھوں پر جمی ہے خبر ہو یارب
کرینگے سیر گلشن رنگ اڑیگا آج سوسن کا

تہ شمشیر قاتل کی طرف حسرت سے تکتا ہوں
وہ بسمل ہوں خبر سر کی نہ مجھکو ہوش گردن کا

بلوں کفار میں جاکر شکست کفر کی خاطر
بتوں کو توڑنا ہے بھیس بدلوں میں برہمن کا

تردد کیوں ہے یاروں کو کہاں گاڑیں کہاں گو ہیں
جہاں وہ پانوں رکھدیں ہے ٹھکانا میرے مدفن کا

نہ گل ہنستے نہ غنچے مسکراتے دونوں رو دیتے
تمہیں کو بلبلو آتا نہیں انداز شیون کا

لب جاں بخش پر مسی نہیں اسنے جمائی ہے
ہوا ہے چشمۂ حیواں میں پیدا پھول سوسن کا

ہلال و بدر دونوں میں امیر اسکی تجلی ہے
یہ خاکہ ہے جوانی کا وہ نقشہ ہے لڑکپن کا

کھڑا ہوتا ہوں رستہ روک کر اس شوخ پرفن کا
وہ رہرو ہوں کہ آنکھا باندھتا ہوں جا کے رہزن کا

خیال آیا جو ساقی اس صراحیدار گردن پر
پڑا پھندا گلے میں گر گئی مے ڈھل گیا منکا

ہوئے پر شرم عصیاں حرز بازو ہو گئی مجھ کو
سمٹ کر گنبد مدفن ہوا تعویذ مدفن کا

قدم یاں پھونک کر رکھتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے
ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا

اٹھاؤں سختیاں لاکھوں کڑی بات اٹھ نہیں سکتی
میں دل رکھتا ہوں شیشے کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

وہ مشتاق شہادت ہوں کبھی جلاد اگر کرتا
لگاتا تازیانہ بڑھ کے تسمہ میری گردن کا

تصور سے سمن رویوں کے یہ خالی نہیں رہتا
ہمارا دل ہے یا کمرہ ہے کوئی کنج گلشن کا

مسی مالیدہ لب سے کی ہے گلی جس جگہ اس نے
قیامت تک اگیگا اس زمیں سے پھول سوسن کا

وہ محو درد الفت ہوں کہ مجھکو سیر گلشن میں
چٹکنے میں ہے غنچوں کے مزے بلبل کے شیون کا

کرم فرما جو ہو ابر کرم میری زراعت پر
بنے برق تجلی دانہ دانہ میرے خرمن کا

یہ کس گریاں کا ساقی میکدے میں دور آخر ہے
کہ غل ہے میکشوں میں خاتمہ ہے آج ساون کا

بھلے پھولے چمن میں دفن کرنا چاہئے مجھکو
کہ ہوں مارا ہوا اک نوجواں گلرو کے جوبن کا

امیر آیا نظر جب چودھویں کا چاند سمجھے ہم
کسی نقاش نے کھینچا ہے نقشہ اسکے جوبن کا

سیر اگر میرے سیہ خانے کی موسیٰ کرتا
جل کے خاموش چراغ ید بیضا کرتا

آبرو گرد یتیمی میں جو پیدا کرتا
گوہر اشک کو میں آنکھ کا تارا کرتا

ہاتھ رکھے ہیں اٹھا زخم گلو پر دم حشر
مجھسے ہوتا کہ میں جلاد کو رسوا کرتا

تو وہ بت ہے تری نخوت سے جو ہوتا آگاہ
کبھی فرعون خدائی کا نہ دعوی کرتا

جب تلک گنبد دوار کا ہوتا اک دور
گردشیں لاکھ ترا بادیہ پیما کرتا

نور آنکھوں میں نہیں نام کو نرگس کیطرح
خاک اس گلشن ہستی کا تماشا کرتا

خط پشت لب جاں بخش نہیں جائے عجب
خضر سے کیوں نہ ملاقات مسیحا کرتا

اے اجل دن ترے آنیکا جو ہوتا معلوم
کچھ میں ساماں تری دعوت کا مہیا کرتا

غم اٹھانے کو بہت تھے ترے بندے یارب
کیا کمی تھی اگر اک مجھ کو نہ پیدا کرتا

وہ جو امید براری پہ امیرؔ آجاتے
پہلے میں ترک تمنا کی تمنا کرتا

غبار اُس کے لب بام تک بلند ہوا — ہوائے تند کا جھونکا مجھے کمند ہوا
جہاں کسی کا دکھا دل میں درد مند ہوا — جلا میں آگ میں نالہ اگر سپند ہوا
کھلا ہے باب اجابت دعا تو کر غافل — در کریم سنا ہے کبھی کہ بند ہوا
برنگ اشک ندامت گرا جو آنکھ سے میں — خدا کے سامنے رتبہ مرا بلند ہوا
گلا وہ ہے جو تری تیغ کو ہوا مقبول — جگر وہ ہے جو ترے تیر کو پسند ہوا
کیا وفور معاصی نے حوصلے کو یہ پست — کبھی نہ شرم سے دست دعا بلند ہوا
یہ دل مرا ہے کہ جس میں خیال یار ہے نقش — کبھی سنا ہے کہ عکس آئنے میں بند ہوا
کیا قبول نہ گل نے مرے گریباں کو — کبھی نہ خار کو دامن مرا پسند ہوا
تمہاری آنکھ کی دوری نے دل مرا کھینچا — نہال تاک کا ریشہ اسے کمند ہوا
چھڑک کے آئی وہ زلف سیاہ پر افشاں — شب وصال ستارہ مرا بلند ہوا
نہ پوچھ الفت خال سیاہ کا باعث — پسند اپنی ہے مجھ کو یہی پسند ہوا
کوئی حسین نظر آیا بنا میں عاشق زار — جو گرم ناز ہوا میں نیاز مند ہوا
مزہ ملا سگ جاناں کو استخواں کھا کر — ہزار شکر کہ ہدیہ مرا پسند ہوا
برنگ شمع جلایا یہ سوز الفت نے — کہ شعلہ آگ کا سر سے مرے بلند ہوا
کھلا جو یار کا جوڑا تو دل کھنچا میرا — بڑھا جو گیسوئے جاناں مجھے کمند ہوا
لکھا تھا خط میں جو حال اپنی چشم حیراں کا — ہزار بند لفافہ کیا نہ بند ہوا

امیرؔ پائے طلب جب سے توڑ کر بیٹھے
کبھی نہ ہاتھ سوئے اغنیا بلند ہوا

نکالینگے یہ شمشیر براں حوصلہ دل کا — دہان زخم سے ہم چوم لینگے ہاتھ قاتل کا

تڑپنے میں دکھا جاتی ہے کچھ انداز بسمل کا
مگر کھایا ہے چرکا ہے قلم نے بھی تیغ قاتل کا

عجب کیا ہے اگر گردوں تہ بے ستوں سے کھنچتا ہے
محلہ چھوڑ دے مسکاں جو ہمسایہ ہو سائل کا

سفر میں یاد اسکے مصحف عارض کی ایسی ہے
کہ ہر منزل پہ دھوکا ہے مجھے قرآں کی منزل کا

بھرا کشتوں سے کیونکر دامن مقتل میں حیراں ہوں
نہیں نکلا ابھی تک آستیں سے ہاتھ قاتل کا

یقیں ہے دیکھتا عالم یہیں سے شکل حوروں کی
در جنت میں آئینہ اگر ہوتا مرے دل کا

کیا تو آب دانہ ترک راہ عشق میں لیکن
بہت دشوار روزہ رکھ کے طے کرنا ہے منزل کا

فساد اس ترک کو عشاق میں مدنظر ٹھہرا
نئی سوجھی گلا بسمل سے کٹواتا ہے بسمل کا

بھلا کر ماتگ کی الفت کیا برباد آنکھوں نے
ٹھگوں نے مجھکو مارا راستہ بھٹکا کے منزل کا

نہ ہو جبتک کہ حکم اسکا کرے وہ قتل کیا ممکن
کہ عزرائیل اک جلاد ہے سرکار قاتل کا

حسینوں کا گھٹایا رتبہ ایسا حسن نے تیرے
گماں مجنوں کو ہے اب خیمہ لیلے پہ محمل کا

اثر ہے ناتوانی کا یہاں تک بعد مرنے کے
کہ رستم بنتے بنتے زال بنجائے مری گل کا

لگا خنجر جو سینے پر ہوئے کیا کیا رہا قیدی
ہزاروں حسرتیں نکلیں جو در وا نہ کھلا دل کا

مددا اے سخت جانی ذبح کرنیکو وہ بیٹھا ہے
کوئی دم اور چھاتی سے لگا لوں پانوں قاتل کا

رہ الفت میں بے آبی ذقن کی دلکو آفت ہے
مسافر کی قضا ہے چاہ گر ہو خشک منزل کا

امیر ایسا کیا بیتاب شوق قتل نے میرے
کہ ہے اس ترک کے خنجر پہ عالم نزع بسمل کا

تری گردن پہ ہوگا خون حسرتہائے بسمل کا
نگاہ یاس بس کر دل بھر آتا ہے قاتل کا

نشاں اے نامہ بر کیا پوچھتا ہے قصر قاتل کا
لگا ہے آئینہ ہر ایک در میں چشم بسمل کا

فرشتوں پر عیاں ہے سحر اس زہرہ شمائل کا
خط چاہ ذقن ہے یا دھواں ہے چاہ بابل کا

مزاج ایسا تڑپنے سے ہے برہم میرے قاتل کا
چھری دیکر پھڑکتا ہے بازو مرغ بسمل کا

عجب کیا تن پہ میرے زخم دامن دار کا ہونا
اڑایا ڈھنگ چاک آستیں نے دست قاتل کا

نکیریں اک ذرا دم لینے دو پھر لڑ جھگڑ لینا
ابھی تو میں تھکا ماندہ چلا آتا ہوں منزل کا

الگ یاروں سے بھلاؤ بلایا ہے جو غیروں کو
جدا دفتر سے رہنا چاہیئے افراد باطل کا

زباں پر تذکرہ اُس تیغ ابرو کا جو ہے ہر دم
صدا میری کہ نالہ ہے گلوئے مرغ بسمل کا

ضعیف ایسا کیا ہے سختیِ راہ محبت نے
کہ چلنا دو قدم کرنا ہے طے دو لاکھ منزل کا

وہ گریاں ہوں رہے لے آب خود لبریز پانی سے
بنائیں کاسہ گر کاسہ اگر کوئی مری گِل کا

جوانی میں نہ کر غفلت سفر کرنا ہے پیری میں
مسافر رات سے کرتا ہے ساماں دن کی منزل کا

الٰہی بعد مردن بھی رہے مشقِ ستم مجھ پر
لگائیں تیر جب تودہ بنائیں وہ مری گِل کا

کسی نے لفظ رخ بے نقطہ کب عالم میں دیکھا ہے
نہ ہوتا کس طرح نقطہ رخِ محبوب پر تِل کا

جو پھیری آنکھ غیروں سے تو اُٹھا لطف یاروں کا
تمہاری سرد مہری نے جمایا رنگ محفل کا

ترقی حد سے بڑھ جائے تو ہوتا ہے زوال آخر
سوا ہے ایک شب سے کب زمانہ ماہ کامل کا

وہ ہے خونریز عالم تو جو رکھدے ناز سے انگلی
تو عالم مرغ بسم اللہ میں ہو مرغ بسمل کا

کڑی اتنی نہ کر رسوا کریگی کیا قیامت میں
کہیں اے سخت جانی ہاتھ چھوٹا ہو نہ قاتل کا

الٰہی اشک بھر آتے تھے اُنکی سرد آہوں پر
تڑپنا کسطرح دیکھا گیا اُن سے مرے دل کا

نئی معراج پائی ہے غبار گور مجنوں نے
بگولا جو اُٹھا قبہ بنا لیلیٰ کے محمل کا

امیرؔ اتنا ہوا ثابت کشاکش سے محبت کی
مسافر کو لیئے جاتا ہے کھینچے شوق منزل کا

اُس کی چلمن سے نہ عاشق کو جدا رہنا تھا
زد پہ تیرِ نگہ ناز کے آ رہنا تھا

سرخروئی تھی جو منظور تو مانند حنا
دل کو اس شوخ کے قدموں سے لگا رہنا تھا

ہو گیا بند در میکدہ کیا قہر ہوا
باب توبہ کی طرح اُس کو کھلا رہنا تھا

شوق پابوس حسیناں جو تجھے تھا اے دل
نقش پا بن کے سر راہ پڑا رہنا تھا

چشم نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا
اے حیا تجھکو انھیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا

کھولتا تھا نہ بہار چمن ہستی پہ سر
رنگ سے بو کی طرح گل کو جدا رہنا تھا

آئے بتخانہ سے کعبے کو تو کیا بھر پایا
جا پڑے تھے تو وہیں ہم کو پڑا رہنا تھا

نکلے عالم سے ہوا اور ہی عالم اپنا
اپنے عالم میں ہمیں سب سے جدا رہنا تھا

تھی اگر برق تجلی کو نمایش منظور
بن کے شوخی تری چتون میں بنا رہنا تھا

کیوں گیا کوچہ گیسو میں جو آفت میں پھنسا
میرے دل کو مری چھاتی سے لگا رہنا تھا

تیغ اس کی جو رہے مجھ سے کشیدہ تو رہے
دامن یار کو مجھ سے نہ کھنچا رہنا تھا

شاید اس ترک کے توسن ہی کو رحم آجاتا
نیم جانوں کو سر راہ پڑا رہنا تھا

لن ترانی ارنی گو کو بھی کہنا تھا ضرور
عشق کو حسن کے پردے میں چھپا رہنا تھا

تھا اگر فتنہ محشر کو دوبالا ہونا
قامت یار کے سایے میں پڑا رہنا تھا

شل ہوئے مثل عصا محتسب شہر کے پانوں
دست ساقی میں صراحی کا گلا رہنا تھا

ساز تھا مجھ سے جو آہِ دلِ سوزاں کو اثر
ابر غم بن کے مری گور پہ چھا رہنا تھا

کچھ نہ پوچھو دلربا مجھ سے جدا کیونکر ہوا
دیکھو دل سا آشنا ناآشنا کیونکر ہوا

آشکارا راز حسن کبریا کیوں کر ہوا
رہ کے سو پردوں میں عالم آشنا کیونکر ہوا

اے مسیحا میرے دشمن ہوں شفا سے ناامید
تو سلامت درد میرا لا دوا کیوں کر ہوا

وجہ حیرت اہل دنیا میں ہو اپنا حالِ دل
ایسے بیدردوں میں یہ درد آشنا کیونکر ہوا

ہوش میں آ بدحواس اتنا نہ ہو رہتا ہے کیوں
نامہ بر قصہ بیاں کر کیا ہوا کیوں کر ہوا

اپنا بندہ بھی تجھے کہتا ہے پھر محتاج بھی
تجھ سے شاہنشاہ کا بندہ گدا کیونکر ہوا

ناز اٹھایا میں نے پالا میں نے حضرت کون ہیں
دل اگر میرا نہیں ہے آپ کا کیونکر ہوا

پوچھے قاتل زبان تیغ سے سب سرگذشت
کشتے کس منہ سے بتائیں کیا ہوا کیونکر ہوا

جیتے جی برسوں میں تڑپا تب نہ لی تم نے خبر
مر گئے پر پوچھتے ہو کیا ہوا کیوں کر ہوا

میں نہ مانوں گا کہ دی اغیار نے ترغیب قتل
دشمنوں سے دوستی کا حق ادا کیونکر ہوا

خط لکھا تھا میں نے میرے ہاتھ کرنے تھے قلم
نامہ بر میرا سزا وار سزا کیونکر ہوا

لوٹنا دیکھا نہیں جاتا ہے ہو بزم دل
ذبح کرتے وقت اتنا جی کڑا کیونکر ہوا

دل اگر ہے صاف کچھ مشکل نہیں دیدار یار
دیکھ تو آئینہ صورت آشنا کیونکر ہوا

میں نہ مانوں گا یہ آئینے کا ہے سارا قصور
خود بخود وہ خود پسند و خود نما کیونکر ہوا

اُس نے کھینچی تیغ یاں سر جھک گیا قصہ مٹا
خلق یہ کیوں پوچھتی ہے ماجرا کیونکر ہوا

چاٹتی ہے کیوں زبانِ تیغ قاتل بار بار
بے نمک چھڑکے یہ زخموں میں مزا کیونکر ہوا

دل اور محشر کو بھائی میری اسکی چھیڑ چھاڑ
چھیڑ کر پوچھا مکرر کیا ہوا کیونکر ہوا

الفتِ گیسو بلا تھی مرگیا پھنس کر امیرؔ
ہے بڑا جھگڑا نہ پوچھو فیصلا کیونکر ہوا

کوئی دم پیکاں نہ ٹھہرا دل میں تیرے تیر کا
رہ گیا کیا کیا پھڑک کر دم ترے نخچیر کا

وقت صید آیا تصور جب قضا کے تیر کا
چل دیا صیاد پیچھا چھوڑ کر نخچیر کا

زخم دل ہم کو بتا دیتے ہیں تیرے تیر کا
دام ہے نقشِ قدم بھاگے ہوئے نخچیر کا

مجھ سے وحشی کا کھنچے مانی سے نقشہ خاک کیا
رنگ صفحے پہ نہیں جمتا مری تصویر کا

ہوں وہ مجنوں جھاڑتا ہوں اٹھکے میں ہر اک صبح
رستہ جاروب مژہ سے کوچۂ زنجیر کا

جب تھکا گردوں مرے دل نے اُٹھایا بار عشق
بوجھ سر پر رکھ لیا اس نوجواں نے پیر کا

ہوں وہ مشتاق شہادت دیکھ کر میری تڑپ
صورتِ بسمل پھڑک جاتا ہے دم شمشیر کا

رات دن پہلو میں ہے کوئی نہ کوئی سیم تن
جذب دل اپنا بھی نسخہ ہے کوئی اکسیر کا

دشتِ وحشت میں چبھے ہیں خار ایسے ہر قدم
پاؤں شانہ بن گیا ہے گیسوئے زنجیر کا

جو وسیلہ غیر کا ڈھونڈھے نہ ہو کیونکر خراب
حال ہوتا ہے پریشاں خاک دامنگیر کا

اہلِ دولت سے سوا ہے صاحب جرأت کی قدر
سیم و زر سے تیز ہے نرخ آہن شمشیر کا

حشر میں پائیگا خوش چشموں کی ایذا سے سزا
پوست کھنچ جائے گا صیاد آہو گیر کا

پھونکتی ہی مجھکو اس گیسو کی افشاں کی چمک
دل ہے پروانہ چراغ خانۂ زنجیر کا

تو وہ ہے ناوک فگن تیرا بہک جائے جو ہاتھ
آپ اڑ کر تھام لے نخچیر پلہ تیر کا

حلقۂ گیسو میں پائی نقد دل دیکھ جگہ
دے دیا پہلے کرایہ خانۂ زنجیر کا

کس پری کی زلف سے تشبیہ اُسکو ہی امیر
سلسلہ پہنچا کہاں جاکر مری زنجیر کا

ظالموں کو بھی ہوا ماتم تری نخچیر کا
روتی ہے منھ پر کماں رکھ رکھ کے پلہ تیر کا

عارضِ تاباں ہے شعلہ نالۂ شبگیر کا
گیسوئے پیچاں دھواں ہی خانۂ زنجیر کا

آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجھکو دیکھ کر
منھ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا

سینہ مجروح خرہ ہی دل ہی ابروے دو نیم
وار مجھ پر تیر سے بڑھ کر پڑا شمشیر کا

طوق مجنوں کی گرانی کیا نگاہوں پر چڑھے
ایک حلقہ ہو میری اُتری ہوئی زنجیر کا

توڑکر سینے کو کاٹا ہی تری مژگاں نے دل
توڑ اسمیں تیر کا ہی کاٹ ہے شمشیر کا

کیا حقیقت دو جہاں کی وسعت دیکھے حضور
لامکاں اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا

کچھ دم آخر نہ اٹھا سخت جانی کا مزہ
پاس مجھکو آگیا قاتل تری شمشیر کا

کیوں ہجوم خلق ہوگا حشر میں حیران ہوں
کیا جنازہ آئے گا واں عاشق دلگیر کا

رنگ لایا جوش وحشت عشق چشم یار میں
نرگس شہلا ہے ہر حلقہ مری زنجیر کا

یاد دلواتی ہی کیا کیا ہائے بجلی کی تڑپ
بے تکلف وہ اُگل پڑنا تری شمشیر کا

اس قدر دیکھی مری تقدیر کی برگشتگی
گھس کے اُلٹا ہو گیا خط خانۂ تقدیر کا

گرم بازار تجلی تیری باتوں سے ہوا
لَو ہے شمع طور کی شعلہ تری تقریر کا

مرگیا دیوانۂ کاکل تو حسرت نے کہا
آج کیا ویراں نظر آتا ہے گھر زنجیر کا

تھا کسی کی ابروئے خمدار کا یہ انتظار
دیدۂ جوہر میں اٹکا آکے دم شمشیر کا

گرد بادِ آسا ازل سے ہوں میں وہ وحشی امیرؔ
خاک غربت سے بنا خاکا مری تصویر کا

صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کھلتا کہنا — بات کہنا بھی تمہارا ہے معمّا کہنا
رو کے اُس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا — ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا
مثلِ مکتوب نہ کہنے میں ہے کیا کیا کہنا — نہ مری طرز خموشی نہ کسی کا کہنا
اور تھوڑی سی شبِ وصل بڑھا دے یارب — صبح نزدیک ہمیں اُن سے ہے کیا کیا کہنا
پھاڑ کھاتا ہے جو غیروں کو جھپٹ کر سگِ یار — میں یہ کہتا ہوں مرے شیر ترا کیا کہنا
ہر بنِ موئے مژہ میں ہیں یہاں سو طوفاں — عینِ غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا
وصفِ رخ میں جو سنے شعر وہ ہنس کر بولے — شعر ہیں نور کے بے نور کا تیرا کہنا
لا سکوگے نہ ذرا جلوۂ دیدار کی تاب — اَرِنی منہ سے نہ اے حضرتِ موسیٰ کہنا
کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے منہ سے — اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا
خاک میں ضد سے ملاؤ نہ مرے آنسو کو — سچّے موتی کو مناسب نہیں جھوٹا کہنا
کیسے نادان ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں — ہو بُرا بھی تو اُسے چاہیے اچھا کہنا
دمِ آخر تو بتو یاد خدا کرنے دو — زندگی بھر تو کیا میں نے تمہارا کہنا
پڑھتے ہیں دیکھ کے اس بُت کو فرشتے بھی درود — مرحبا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کیا کہنا
اے بتو تم جو ادا آ کے کرو مسجد میں — لبِ محراب کہے نامِ خدا کیا کہنا
اُن حسینوں کی جو تعریف کرو چڑھتے ہیں — سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہے انھیں اچھا کہنا
شوق کعبے لیے جاتا ہے ہوس جانبِ دیر — میرے اللہ بجا لاؤں میں کس کا کہنا
سارے محفل کو اشاروں میں لُٹا دی تو جان — سیکھ لو چشمِ سخن گو سے لطیفا کہنا
گھٹتے گھٹتے میں رہا عشق کریں آدھا — جامۂ تن کو مرے چاہیے نیما کہنا
میں تو آنکھوں سے بجا لاتا ہوں ارشادِ حضور — آپ سنتے نہیں کانوں سے بھی میرا کہنا

چستیِ طبع سے اُستاد کا ہے قول امیر
ہو زمیں سست مگر چاہیئے اچھا کہنا

قدوم قاصدِ جاناں سے فخر خانہ ہوا
قدم رسول مرا سنگ آستانہ ہوا

حسد سے طرۂ مضموں مرا یگانہ ہوا
عدو کے خندۂ دنداں نما سے شانہ ہوا

بہانہ جو ہے خدائے غفور کی رحمت
بہے جو نزع میں آنسو اُسے بہانہ ہوا

ریاض دہر میں پوچھو نہ میری بربادی
بہ رنگ بو اِدھر آیا اُدھر روانہ ہوا

کمانِ حسن نہ تھی آشنائے تیر ادا
کہ ناوکِ غم الفت کا میں نشانہ ہوا

خدا کی راہ میں دنیا ہے گھر کا بھر لینا
اِدھر دیا کہ اُدھر داخلِ خزانہ ہوا

ہوا نہ غیر کا احسان پس فنا صد شکر
غبار اُڑ کے سرِ قبر شامیانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسو تو وہ کمر بچکی
ڈھلا جو کاندھے سے آنچل تو درد شانہ ہوا

نشان غیر کہاں صید گاہ وحدت میں
پڑا ہدف پہ بھی تو تیر ہی نشانہ ہوا

جنوں کا جوش گھٹا تھا کہ بوئے گل آئی
سمندِ ہوش رُکا تھا کہ تازیانہ ہوا

گھڑی بھر ایک طرح پر اسے قرار نہیں
مزاج یار بھی حق میں مرے زمانہ ہوا

ہجوم رنج ہے دینار داغ بٹتے ہیں
جگر کا چاک نہ ٹھہرا در خزانہ ہوا

یہ بدحواس کیا شوق جبہہ سائی نے
کہ سنگ راہ مجھے سنگ آستانہ ہوا

زمیں اٹھائی یہ نالوں نے سر پہ وقت سجود
بلند بام سے وہ سنگ آستانہ ہوا

پتا امیر کا منزل میں گور کے بھی نہیں
یہاں سے آگے الٰہی کدھر روانہ ہوا

امیر لاکھ اِدھر سے اُدھر زمانہ ہوا
وہ بت وفا پہ نہ آیا میں بے وفا نہ ہوا

سر نیاز کو تیرا ہی آستانہ ہوا
شراب خانہ ہوا یا قمار خانہ ہوا

ہوا فروغ جو مجھکو غم زمانہ ہوا
پڑا جو داغ جگر میں چراغ خانہ ہوا

امید جا کے نہیں اس گلی سے آنے کی
برنگ عمر مرا نامہ بر روانہ ہوا

ہزار شکر نہ ضائع ہوئی مری کھیتی
کہ برق و سیل میں تقسیم دانہ دانہ ہوا

قدم حضور کے آئے مرے نصیب کھلے
جو آب قصر سلیماں غریب خانہ ہوا

ترے جمال نے زہرہ کا دور دکھلایا
ترے جلال سے مریخ کا زمانہ ہوا

کوئی گیا در جاناں پہ ہم ہوئے پامال
ہمارا سر نہ ہوا سنگ آستانہ ہوا

فروغ دل کا سبب ہو گئی بجھی جو ہوس
شرار کشتہ سے روشن چراغ خانہ ہوا

جب آئی جوش پہ میرے کریم کی رحمت
گرا جو آنکھ سے آنسو دُر یگانہ ہوا

حسد سے زہر تن آسماں میں پھیل گیا
جو اپنی کشت میں سرسبز کوئی دانہ ہوا

چنے مہینوں ہی تنکے غریب بلبل نے
مگر نصیب نہ دو روز آشیانہ ہوا

خیال زلف میں چھائی یہ تیرگی شب ہجر
کہ خال چہرۂ زنگی چراغ خانہ ہوا

یہ جوش گریہ ہوا میرے صید ہونے پر
کہ چشم دام کے آنسو سے سبز دانہ ہوا

نہ پوچھ ناز و نیاز اُس کے میرے کب سے ہیں
یہ حسن و عشق تو اب ہوا اُسے زمانہ ہوا

اُٹھائے صدمے پہ صدمے تو آبرو پائی
امیر ٹوٹ کے دل گوہر یگانہ ہوا

کس تزک سے دھیان آیا اُس رُخ پُر نور کا
آگے آگے سیکڑوں اکّا تھا شمع طور کا

مل گیا بوسہ جو اُس کے عارض پر نور کا
ہم یہ سمجھے پھول ہاتھ آیا نہال طور کا

رنگ داغوں میں مرے پیدا ہوا ناسور کا
اب کلیجا ہو گا ٹھنڈا مرہم کافور کا

رفتہ رفتہ راہ پر لانا ہے واعظ کو ضرور
لے چلوں شربت بنا کر نذر کو انگور کا

آؤں کیا فردوس کو رضواں میں نازک طبع ہوں
ناز اُٹھیں گے نہ غلماں کے نہ غمزہ حور کا

ہر قدم پر وادیِ وحشت میں کہتا ہے یہ دل
المدد اے شوق منزل ہے ارادہ دور کا

کس قدر کھینچی مشقت کوہکن نے عشق میں
کچھ نہ دے شیریں بڑھا دے دل تو اس مزدور کا

اے حسیں کیا منہ ہے پروانوں کا جو تیرے منہ چڑھیں
دیکھ کر تجھ کو اتر جاتا ہے چہرہ حور کا

بارگاہ حق سے ہر طاعت کی ملتی ہے جزا
ہے بڑی سرکار حق رہتا نہیں مزدور کا

ہوں وہ میکش باغباں فوراً مجھے پرچہ لگا
ایک پتا بھی گرا جب شاخ سے انگور کا

بار دنیا جسکے سر پر ہے اُسے راحت کہاں
چور رہتا ہے مشقت سے بدن مزدور کا

چاہیئے دینی ہوائیں اُس کو آہ سرد کی
جوشش خون گرم سے آیا ہے منہ ناسور کا

کب کی آچکتی قیامت یہ مرا احسان ہے
بند ہے دم میرے نالوں کی بدولت صور کا

وادی ایمن میں تھی برق تجلی بے حجاب
حیرت موسیٰ تھی پردہ جلوہ گاہ طور کا

روز خلقت سے وہیں ہے باہر آسکتی نہیں
کہتے ہیں جنت جسے ہے قید خانہ حور کا

خیر جاری کا جو ہے اے حضرت واعظ خیال
وقف کر دو مول لے کر باغ اک انگور کا

سائباں اپنے سیہ خانے کا بنواتا امیر
ہاتھ آجاتا اگر دامن شب دیجور کا

کیا تڑپ رکھتا ہے شعلہ عارض پرنور کا
لوٹتا آنکھوں میں پھر جاتا ہے برق طور کا

داغ سینہ جل اُٹھے منہ پھک گیا ناسور کا
دھیان بھی آیا جو دل میں مرہم کافور کا

ہے غضب کا شوخ وہ بت ہو جو صحبت دو گھڑی
چٹکیاں لے لیکے زانو لال کر دے حور کا

بیٹھتا ہوں وصف لکھنے اُسکے حسن صاف کے
شمع کافوری سے روشن ہو کنول بلور کا

دردمندی اسکو کہتے ہیں کہ روز حشر بھی
رو دیا میں دل بھر آیا سن کے نالہ صور کا

میکش مفلس ہوں پہلے مجھکو دے ساقی شراب
دل بہت ہوتا ہے تھوڑا مرد بے مقدور کا

مے پئیں گے آج ہم ساقی تکلف ہے ضرور
جام میرے کا ہو خم ترشا ہوا بلور کا

عمر گذری ہے کہ دم بھر کو کہیں جاتے نہیں
گھر مرا کیا قید خانہ ہے شب دیجور کا

عاشق مژگاں ہوں مجھکو نوش سے بڑھکر ہے نیش
لطف اٹھاتا ہوں میں چھتا چھیڑ کر زنبور کا

تم مزے سے حسن کے واقف نہیں کچھ زاہدو
نام ہی سنتے ہو منہ دیکھا ہے کس دن حور کا

جب بلندی پر پڑے دیکھے کہیں ہو کے گول
ڈھیر سمجھے ہم کسی بادہ کش مغفور کا

اے خضر رندوں کو کچھ مشکل نہیں عمر دراز
آب حیواں گر نہیں شیرہ تو ہے انگور کا

جلوۂ حسن الٰہی اور پتھر اے کلیم
آپ کی گرمی نے چمکایا ستارہ طور کا

گور بھی بے گورکن تعمیر ہو سکتی نہیں
کون سے گھر میں گذر ہوتا نہیں مزدور کا

آدمی کا منہ ہے جو دعوئ خدائی کا کرے
بولتے ہیں آپ حضرت نام پر منصور کا

ہم وہ میکش ہیں کہا پیر مغاں نے بعد مرگ
ہو مزار انگور کے سایے میں اس مغفور کا

تو نہ ہو اے یار تو جنت جہنم ہے مجھے
تجھ کو دکھلا کر نہ دکھلائے خدا منہ حور کا

عبرت اہل دول منظور ہے مجھ کو امیر
بھیک بھی مانگوں تو کاسہ لوں سر فغفور کا

جیسے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا
سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا

بخت واژوں سے چلے کیوں دل نہ مجھ مجبور کا
مرہم کافور سے منہ آ گیا ناسور کا

اسقدر مشتاق ہوں زاہد خدا کے نور کا
بت بھی بنوایا کبھی میں نے تو سنگ طور کا

تجھ کو لائے گھر میں جنت کو جلایا رشک سے
ہم بغل تجھسے ہوئے پہلو دبایا حور کا

گور کافر کس لیے ہے تیرہ و تار اس قدر
پڑ گیا سایہ مگر میری شب دیجور کا

حسن یوسف اور تیرے حسن میں اتنا ہے فرق
جوٹ یہ نزدیک کی ہے وار تھا وہ دور کا

قصر تن بگڑا کسی کا گورکن کی بن پڑی
گھر کسی کا گر پڑا گھر بن گیا مزدور کا

چہرۂ جاناں سے شرما کر چھپایا خلد میں
خامۂ تقدیر نے کھینچا جو نقشہ حور کا

حاجت مشاطہ کیا رخسار روشن کے لیے
دیکھ لو گل کاٹتا ہے کون شمع طور کا

زلف و روئے یار سے نیرنگ قدرت ہے عیاں
مہر کے پنجے میں ہے دامن شب دیجور کا

خاکساری کر جو ہو منظور آنکھوں میں جگہ
خاک ہو کر سرمہ بنجاتا ہے پتھر طور کا

غافلوں کے کان کب کھلتے ہیں سنکر شور حشر
سونے والوں کو جگا سکتا نہیں غل دور کا

پوچھ لینا سب وطن کا حال اے اہلِ عدم
بیٹھ لینے دو ذرا آتا ہوں اٹھا دور کا

عجز کرتے ہیں عدوئے جاں سے بھی خاصانِ حق
جھک گیا سر آ کے پائے دار پر منصور کا

موت کیا آئی تپِ فرقت سے صحت ہو گئی
دم نکلنے سے بدن ٹھنڈا ہوا رنجور کا

موذیوں کو حادثوں سے دہر کے کیا خوف ہو
بارشِ باراں سے گھر گرتا نہیں زنبور کا

چشمِ ساغر بے سبب ہر دم لہو روتی نہیں
مغبچوں سے ساقیا دل پھٹ گیا انگور کا

جاتے ہیں میخانۂ عالم سے ہم سوئے عدم
کہہ دو از خود رفتگی سے ہے ارادہ دور کا

کی نظر جس پر کدورت سے رہا خاموش وہ
ہے اثر گردِ نگاہِ یار میں سیندور کا

جلوۂ معشوق ہر جا ہے بصیرت ہو اگر
کرمکِ شب تاب میں عالم ہو شمعِ طور کا

مر کے یارانِ عدم کے پاس پہنچو گا اسیر
چلتے چلتے جان جائے گی سفر ہے دور کا

یارب شبِ وصال یہ کیسا گجر بجا
اگلے پہر کے ساتھ ہی پچھلا پہر بجا

آوازِ صورِ سن کے کہا دل نے قبر میں
کس کی برات آئی یہ باجا کدھر بجا

کہتے ہیں آسماں جو تمہارے مکاں کو ہم
کہتا ہے آفتاب درست اور قمر بجا

جاگو نہیں یہ خواب کا موقع مسافرو
نقارہ تک بھی کوچ کا وقتِ سحر بجا

تعمیر مقبرے کی ہے لازم بجائے قصر
زر داروں سے کہو کہ کریں صرفِ زر بجا

ہیں ہم تو شادماں کہ ہو خط میں پیامِ وصل
بغلیں خوشی سے تو بھی تو اے نامہ بر بجا

تجھکو نہیں جو انسِ محبت کہاں مجھے
تالی نہ ایک ہاتھ سے اے بے خبر بجا

نفرت ہو یہ خوشی سے کہ اشک اپنے گر پڑے
ہمراہ تعزیہ کے بھی باجا اگر بجا

جائے قیامِ منزلِ ہستی نہ تھی اسیر
اترے تھے ہم سرائے میں کہ کوس سفر بجا

ہوا یہ جوشِ شبِ ہجر دیدۂ تر کا
چراغ دیدۂ ماہی بنا مرے گھر کا

لکھوں میں حال جو اپنے خط مقدر کا
ورق سیاہ کروں آفتاب محشر کا

یہ کس کی یاد میں رویا کہ آبرو پانی
خزانہ دیدۂ گریاں ہے حوض کوثر کا

حصار امن ہے ہم سے سیاہ کاروں کو
ہر ایک حلقہ ترے گیسوئے معنبر کا

عیاں ہے رجعت خورشید اور شق قمر
یہ معجزہ ہے علیؑ کا تو وہ پیمبرؐ کا

جو صاف دل ہیں انھیں جور چرخ سے ہو اماں
پسا نہ دانہ کبھی آسیا میں گوہر کا

صفائے دلکا رہے کچھ نشان مرگ کے بعد
ہمارے روضے میں ہو فرش سنگ مرمر کا

ہوا یہ کس قد موزوں کا باغ میں جلوہ
کہ تنگ قافیہ ہے مصرع صنوبر کا

عبث ہے ناز تمول پر ان امیروں کو
اٹھا کے لائے ہیں کوڑا فقیر کے گھر کا

شتاب کوچۂ جاناں کو ہو رواں قاصد
زیادہ دیر نہ کر واسطہ پیمبر کا

زباں پہ نالہ ہے جبتک ہیں اشک بھی جاری
علم گرا تو نہ ٹھہرے گا پانوں لشکر کا

جو کام آئے پس مرگ بھی کسی کا ہنر
چراغ آئینہ ہو مرقد سکندر کا

حصول کیا جو ملا اختیار دولت پر
ہمیشہ حال پریشاں ہے کیمیا گر کا

بدل کے شکل ڈراتا ہے کیا مجھے دشمن
مقام خوف نہیں شیر ہو جو پتھر کا

جمال جن کے سراپا تھے نور کی صورت
نہ پانوں کی خبر ان کو نہ ہوش ہے سر کا

عزیز کرکے فلک کر رہا ہے مجھکو ذلیل
خلاف رسم بناتا ہے قطرہ گوہر کا

کہاں یہ سختی عالم کہاں دل نازک
غضب ہے شیشہ اٹھائے جو بوجھ پتھر کا

نہ آسماں سے غرض ہے نہ آفتاب سے کام
امیر شیشے کا محتاج ہے نہ ساغر کا

یہ رفتہ رفتہ ضعف سے احوال تن ہوا
سایے کی بھی نگاہ سے غائب بدن ہوا

جس غنچہ لب کو چھیڑ دیا خندہ زن ہوا
جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا

اخگر کی طرح نیست بتدریج تن ہوا
تن پیرہن تو پیرہن اپنا کفن ہوا

جو عکس آئینے میں پڑے اور مٹ گئے — اس گھر میں جو گیا وہ غریب الوطن ہوا
مٹی نے جام بن کے اڑائے جہاں کے ہوش — پتھر ہوا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا
اب سیر باغ وصل کہاں اور ہم کہاں — گولر کا پھول یار کا سیب ذقن ہوا
رکھنا تھا پاک پرسشِ روزِ حساب سے — اس واسطے عطا نہ بتوں کو دہن ہوا
چھانی ہے چھاڑ پھاڑ کے اسمیں شراب ناب — کیا صرف کار خیر میرا پیرہن ہوا
طالب کو تیرے جلوے نے مطلوب کر دیا — نظارۂ جمال سے بت برہمن ہوا
تار نگاہ و تار نفس سب ہوئے تمام — تب چار گز کسی کو میسر کفن ہوا
روئیں لپٹ کے خوب مرے دل کی حسرتیں — غربت میں میہماں جو خیال وطن ہوا
واعظ کا تھا لحاظ تو فصلِ خزاں تلک — جب آگئی بہار میں توبہ شکن ہوا
اہلِ عدم سب آئے تماشے کو آپ کے — ہم آئے کیا سفر میں کہ خالی وطن ہوا

خلوت میں تھا تو شاہد معنی تھا میں امیر
خلوت سے انجمن میں جو آیا سخن ہوا

سو رنگ سے میں مست بہار چمن ہوا — جو گل نیا تھا جام شراب کہن ہوا
باہم جو ذکر زلف شکن در شکن ہوا — برہم تمام سلسلۂ انجمن ہوا
آئی بہار پھر مجھے شوق چمن ہوا — برگ شگوفہ بخیۂ داغ کہن ہوا
کس سبزہ رنگ پردہ نشیں کا تھا شیفتہ — کھایا جو زہر بھی تو نہ نیلا بدن ہوا
کیا دوں جواب شکوۂ دل کا تمہیں کہو — تم سے تو جو سلوک ہوا دل شکن ہوا
رہتا ہمیشہ خلوت و جلوت میں ہم بغل — افسوس ہے کہ میں نہ ترا پیرہن ہوا
اب کا سفر وہ ہے کہ نہ دیکھونگا پھر وطن — یوں تو میں لاکھ بار غریب الوطن ہوا
نفرت ہوئی فراق میں ایسی شراب سے — زاہد کہا کیا میں نہ توبہ شکن ہوا
یعقوب وار کھل گئیں آنکھیں مزار میں — یوسف کا پیرہن مرے حق میں کفن ہوا

اللہ رے پاس خاطر غربت تڑپ گیا
منہ وقت واپسیں بھی جو سوئے وطن ہوا

جور سپہر سے ہمہ تن ہے یہ داغ دل
بیدرد جانتے ہیں شگفتہ چمن ہوا

ممنوں ہوں میں زمیں کا بھی آسماں کا بھی
حاصل یہاں سے گور وہاں سے کفن ہوا

احباب اپنے اپنے گھروں میں ہیں محو عیش
کس کو خبر کہ کون غریب الوطن ہوا

صیاد قید میں مجھے کیا خواہش چمن
جھاڑے جو بال و پر تو قفس بھی چمن ہوا

لیلیٰ کے ناقے کو جو کیا ساربان نے تیز
سینے میں لوٹ کر دل مجنوں ہرن ہوا

لکنت نہیں فراق ترا ناگوار ہے
لب پر رکا بجا جو زباں سے سخن ہوا

مسی ملی جو اس نے ہوا بدگماں میں
بوسے لیے یہ کس نے کہ نیلا بدن ہوا

راتوں کو کی امیر یہ ذکر خفی کی مشق
دل بن گیا زبان تو سینہ دہن ہوا

مرکز علوئے قدر سے عریاں بدن ہوا
حوروں میں قدسیوں میں تبرک کفن ہوا

دل عشق میں یہ جاذب رنج و محن ہوا
مانند داغ درد بھی جزو بدن ہوا

کس کا رخ صبیح یہ پرتو فگن ہوا
آئینہ دار مالک نہر لبن ہوا

دشت شکار میں جو وہ ناوک فگن ہوا
جن کیا فرشتہ بھیس بدل کر ہرن ہوا

چارہ غم فراق کا کیا ہے سوائے صبر
ٹھہری زبان جدا جو زباں سے سخن ہوا

ممنون چارہ گر نہ ہوا میں ہزار شکر
ہر داغ تازہ مرہم داغ کہن ہوا

اللہ رے صفائے طبیعت کہ بعد مرگ
گرد نگاہ خلق سے میلا کفن ہوا

آخر کیا یہ عشق دہان و کمر نے گم
پنہاں نظر سے روح کی صورت بدن ہوا

یاد تجلی رخ روشن جو دل میں تھی
فانوس شمع طور ہمارا کفن ہوا

ایسا ہوا ہے اب تو زمانے کا خون سفید
آیا جو لعل ہاتھ میں در عدن ہوا

افشائے راز وجہ جنوں ہے برنگ گل
پو پھوٹنے سے چاک مرا پیرہن ہوا

پوچھو وہ کیا سمجھ کے بدلنے لگے لباس
میلا ابھی تلک نہیں میرا کفن ہوا

نالے بدن کو توڑ کے نکلے برنگ نے
منہ بند کیا ہوا میں سراپا دہن ہوا

قسمت کے پیچ دیکھے ان آنکھوں نے اسقدر
تارِ نگاہ زلف شکن در شکن ہوا

پلکیں جو گریۂ غم فرقت سے گر گئیں
مشہور طفلِ اشک مرا صف شکن ہوا

گالی تو دی سوال پر اس نے ہزار شکر
دستِ سوال جادۂ راہ سخن ہوا

باغ جہاں میں طائر مضموں تھے اے امیر
جس دام میں پھنسے وہی اپنا وطن ہوا

بے یار ابر میں دل افگار ہو گیا
بجلی کا کوندنا مجھے تلوار ہو گیا

قیدی جو تھا وہ دل سے خریدار ہو گیا
یوسف کو قید خانہ بھی بازار ہو گیا

اُٹھا وہ میری روح سے بے زار ہو گیا
میں نام حور لے کے گنہگار ہو گیا

وردِ زباں جو وصفِ رخِ یار ہو گیا
گل بلبلوں کا غنچۂ منقار ہو گیا

خواہش جو روشنی کی ہوئی مجھکو ہجر میں
جگنو چمک کے شمعِ شبِ تار ہو گیا

کیا وادیٔ جنوں میں ملا مجھکو بختِ پست
جادہ بھی میرے واسطے دیوار ہو گیا

کفر آشنا کہاں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
سبحہ کا تار ہاتھ میں زنار ہو گیا

بادام چشم سیب زنخداں کے وصف سے
خامہ ہمارا شاخِ ثمردار ہو گیا

گلیوں میں اب پھرنے لگا ہے وہ ماہرو
ثابت جو تھا وہ کوکبِ سیار ہو گیا

احسان کسی کا اس تنِ لاغر سے کیا اٹھے
سوسن کا بوجھ سایۂ دیوار ہو گیا

دریائے بیخودی میں نہ ڈوبا میں بعد مرگ
کشتی مرا سفینۂ اشعار ہو گیا

بے حیلہ اس مسیح تلک تھا گذر محال
قاصد سمجھ کے راہ میں بیمار ہو گیا

اترا نہ یہ گذر گئی فصلِ بہار بھی
طوقِ گراں گلے کا مرے ہار ہو گیا

لینے لگے یہ نوک کی خرد و بزرگ دہر
عالم تمام وادیٔ پرخار ہو گیا

جس راہرو نے راہ میں دیکھا ترا جمال — آئینہ دار پشت بہ دیوار ہو گیا

کیونکر میں ترک الفت مژگاں کروں امیر
منصور چڑھ کے دار پہ سردار ہو گیا

آنسو زمیں پہ آتے ہی تیر ہو گیا — یہ طفل بے جوان ہوئے پیر ہو گیا
پہلے تو ایک صفحۂ سادہ تھا آئینہ — دیکھا جو اس نگار نے تصویر ہو گیا
برباد قصر تن جو ہوا بن گئی لحد — وہ گھر جو گر پڑا تو یہ تعمیر ہو گیا
ہم وحشیوں کے پانو سے اُڑ کر جمی یہ خاک — تعمیر بام خانۂ زنجیر ہو گیا
افشاں کے ہجر میں جو چمک یاد آ گئی — جگنو شرار نالۂ شبگیر ہو گیا
دل پھنس گیا جو اس کے خط سبز تک گیا — یہ سبزہ اس غزال کو زنجیر ہو گیا
گردش رہے ہزار زباں سے نہ اُف کروں — میں لاغری سے خامۂ تصویر ہو گیا
وہ طالب فنا ہوں بنا جب کوئی محل — سمجھا یہ میں کہ مقبرہ تعمیر ہو گیا
عالم تمام اپنا جوانی سے تھا جوان — ہم پیر کیا ہوئے کہ جہاں پیر ہو گیا
آئینہ جمال سے سکتہ ہوا مجھے — تصویر یار دیکھ کے تصویر ہو گیا
زاہد ہوا بہشت میں محبوس دائمی — توبہ گناہ مورد تعزیر ہو گیا
اُس حور کی گلی میں ہوا آنسوؤں کا ڈھیر — موتی محل بہشت میں تعمیر ہو گیا
ہم کو پھنسا کے زلف بڑھی غیر کی طرف — عنقا کا دام دام مگس گیر ہو گیا
جب میں جوان تھا تو مری شاعری تھی پیر — اب شاعری جوان ہے تو میں پیر ہو گیا

بخت سیہ مرا جو ازل میں بنا امیر
صوف مداد خامۂ تقدیر ہو گیا

دل مرا کشتہ ہے یارب کس شہادت گاہ کا — ہر شگاف زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا
حال روشن ہے ہمارے صدرۂ جانکاہ کا — شمع کے مانند دل پتلا ہے اشک و آہ کا

پائے استغنا سے تم ٹھوکر لگاؤ گے ہزار
سر نہ سجدے سے اُٹھے گا بندۂ درگاہ کا

رند مشرب کب کے پہنچے یار کے گھر زاہدا
تو پتا ہی پوچھتا ہے اب تک اُس کی راہ کا

عشق شیریں میں نہیں فرہاد بھی خسرو سے کم
ایک عالم ہے محبت میں گدا و شاہ کا

عرصۂ محشر سے واعظ کیا ڈراتا ہے مجھے
وہ بھی اک میدان ہے میری شہادت گاہ کا

کھل گیا جب یہ کہ دل بھی جلوہ گاہ یار ہے
کون چکر کھائے پھر دیر و حرم کی راہ کا

ضبط غم کاوش نے تیرے دل کو تودہ کر دیا
بن گیا پیکاں سمٹ کر تیر اپنی آہ کا

فکر رہتی ہے یہی دل میں کیسے گھر کریں
تب جہاں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھر اللہ کا

منظر چشم اک تماشا گاہ ہے تیرا صنم
خلوتِ دل ایک حجرہ ہے تری درگاہ کا

کیا ہی موزوں ہے طبیعت عشق قد میں بعد مرگ
سرو بن کر قبر سے نکلا ہے مصرع آہ کا

دیر میں احسن کا طالب ہے تو اے زاہد اگر
بت ہی ہیں جو کچھ ہیں آگے نام ہے اللہ کا

ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یونہی دل میں آگئی
دیکھئے چلئے تماشا اِس تماشا گاہ کا

جانے بھی دو جہاں چھوٹی صدر مستی سے ہے تنگ
چاک ہی ہونا ہے اچھا جامۂ کوتاہ کا

دل بھی حاضر جان بھی حاضر تکلف برطرف
مال اپنا جان ساقی اپنے دولت خواہ کا

آرزو اپنی نہ مطلب سے کبھی واقف ہوئی
اس دلھن نے منہ نہیں دیکھا کبھی نوشاہ کا

اٹھ گئی دل سے دوئی وحدت کے عالم میں امیر
دیر میں جلوہ نظر آتا ہے بیت اللہ کا

حسن اس شوکت پہ مجرائی ہے اس درگاہ کا
رتبہ دیکھو عشق کی سرکار عالی جاہ کا

بے طرح اٹھتا ہے شعلہ میرے دود آہ کا
خوف ہے گردوں کو جل جائے نہ خرمن ماہ کا

شیخ کعبے سے گیا اُس تک برہمن دیر سے
ایک تھی دونوں کی منزل پھیر تھا کچھ راہ کا

ہر مہینے ضعف لیجاتا ہے کچھ کچھ زر تن
نوکری کب کی کہ دعوی ہے اسے تنخواہ کا

ہمسر کلک میں اپنا یہ جاں بخشی کا فیض
پست آوازہ ہے جس سے قم باذن اللہ کا

جا پہنچا عرش تک اے ضعف کچھ مشکل نہیں
ہاتھ آ جائے ذرا مجھ کو سہارا آہ کا

ہر گلی اپنی نظر میں کوچۂ محبوب ہے
جیسے ہے آنکھوں میں سرمہ اسکی گرد راہ کا

اپنے در سے دور لیجا کر عبث کرتا ہے قتل
سر وہیں پہنچیں گا قاتل بندۂ درگاہ کا

کچھ نہ سمجھے ہو نہ پوچھے ہو کہ وہ کیا چیز ہے
نام تم نے سن لیا ہے زاہد و اللہ کا

اے معلم تیز ہے اس طفل کی تیغ نگاہ
دیکھ ہو جائے نہ بسمل مرغ بسم اللہ کا

میں اگر کانٹے دکھاتا ہوں زبانکے پیاس میں
دیکھتے ہی خشک ہو جاتا ہے پانی چاہ کا

آج سے کھینچوں تو آتے آتے مدت چاہیئے
ضعف میں مشکل ہے دل سے لب تک آنا آہ کا

کیجئے عمر دراز عشق ابرو میں بسر
قطع کرنا چاہیئے شمشیر سے اس راہ کا

میرے دل کے آئینے میں منھ جو دیکھے برہمن
قشقہ ماتھے کا نظر آئے الف اللہ کا

مر گیا ہوں الفت قامت میں آہیں کھینچ کر
شامیانہ ہو مرے مرقد پہ مدِّ آہ کا

روئے قاتل زرد ہو جائے نہ کچھ خوف ہے
سرخ آندھی ہے غبار اپنی شہادت گاہ کا

ذکر حق میں سب حوادث سے ہوں محفوظ اے امیر
ہے حصار امن گنبد مجھ کو بسم اللہ کا

نور وحدت سے یہ عالم ہے دل آگاہ کا
مہر ہے ایک ایک ذرہ میری گرد راہ کا

تالب دریا ہو دیدار ایک رشک ماہ کا
رزق ماہی کیجئے لکھ لکھ کے نام اللہ کا

خوب ہے مہندی رچی خوف شہید ناز کی
خنجر قاتل پہ عالم ہے کف نوشاہ کا

فی الحقیقت غوطۂ بحر فنا ہے لا الٰہ
ہے ابھرنا اس بھنور سے ذکر الا اللہ کا

مصر دل میں تجھ سے یوسف کو کیا ہو بادشاہ
اے پری پردہ میں تو دیوانہ ہوں اپنی چاہ کا

اسقدر دل پر تصرف کیا سبب یہ کون ہیں
بک گیا ہے کیا بتوں کے ہاتھ گھر اللہ کا

بسملوں کے رقص پر اس طفل کا ہے لوٹ دل
اب شہادت گاہ میں عالم ہے بازیگاہ کا

حق رسی چاہے تو ہفتاد و دو ملت سے گذر
منزلیں طے ہوں تو حج حاصل ہو حب باللہ کا

دیکھ کر ناف و کمر اس بت کی آتا ہے خیال — رہرو راہ عدم کو بھی خطر ہے چاہ کا
بہ لگن مسجد ہوا جا کر جھکا جو سرو قد — یہ مثل مشہور ہے سیدھا ہے گھر اللہ کا
عشق عارض کر رہا ہے حسن عارض کو تباہ — لوٹتا ہے لشکر شاہی اثاثہ شاہ کا

صحبت احباب یا دربار یا سرکار ہو — بات وہ کہیے بھلا ہو جس میں خلق اللہ کا
پیاس شیدائے زنخداں کی بجھانا چاہیے — حیف ہے پیاسا جو رہ جائے کبوتر چاہ کا
آنسوؤں کا جوش یہ ذکر الٰہی میں ہوا — بن گیا سرو کنار جو الف اللہ کا
گوہر مقصد ملا بحر سخن میں غوطہ کر — تہ کو جب پہنچے تو مضمون ہاتھ آیا چاہ کا

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے امیرؔ
سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ کا

ہم چشم ابر کیوں مژۂ تر سے ہو گیا — تھوڑی سی آبرو تھی سو وہ بھی ڈبو گیا
ہے کشور عدم میں خدا جانے سیر کیا — آیا نہ پھر کے منزل ہستی سے جو گیا
اب بلبلیں چمن میں کہاں آ گئی خزاں — تھی دھوم چار دن کی وہ ہنگامہ ہو گیا
آیا عرق تو اور بڑھائی صفائے جسم — اس گل کے بال بال میں موتی پرو گیا
آخر ہوئی خیال خط سبز میں جو عمر — سمجھا یہ میں خضر مری کشتی ڈبو گیا
بچتا شرار آتش گل سے نہ ایک خس — پر ابر آشیانۂ بلبل بھگو گیا
پیری میں آئی موت جوانی گذر گئی — جاگا تمام شب میں دم صبح سو گیا
ماتم کیا کسی نے نہ میرا تو کیا ہوا — ابر آ کے خاک گور پہ ہر سال رو گیا

احوال جس میں تھا دل گم گشتہ کا امیرؔ
رستے میں نامہ بر سے وہ مکتوب کھو گیا

وصل کی شب بھی خفا وہ بت مغرور رہا — حوصلہ دل کا جو تھا دل میں بدستور رہا
عمر رفتہ کے تلف ہونے کا آیا تو خیال — لیکن اُس دم کی تلافی کا نہ مقدور رہا

جمع کس دن نہ ہوئے موسم گل میں میکش — روز ہنگامہ تہِ سایۂ انگور رہا

گردشِ بخت کہاں سے ہمیں لائی کہاں — منزلوں وادیٔ غربت سے وطن دور رہا

راستبازی کر اگر ناموری ہے درکار — دار سے خلق میں آوازۂ منصور رہا

وہ تو ہے چرخ چہارم پہ یہ پنج محلے پر — پیچ ہے عیسے سے بھی بالاتر از دور رہا

فصل گل آئی گئے صحن چمن میں سو بار — اپنے سر میں تھا جو سودا وہ بدستور رہا

جلوۂ برق تجلی نظر آیا نہ کبھی — مدتوں جا کے میں زیر شجر طور رہا

زلف و رخ دونوں ہیں جانے سے جاناں کے خفا — مشک وہ مشک نہ کافور وہ کافور رہا

غول صحرائی مرا ساتھ نہ چھوڑا شب ہجر — لیکے مشعل کبھی نزدیک کبھی دور رہا

ہم بھی موجود تھے کل محفل جاناں میں امیر
رات کو دیر تلک آپ کا مذکور رہا

آسرا زیر زمیں اے تن بے جاں کسکا — شہر بیگانہ ہے یاں کون ہے پرساں کسکا

نہ تو یہ حور کا طالب نہ پری پر مائل — نہیں معلوم مرے دل کو ہے ارماں کس کا

حوصلہ قیس کا فرہاد کا دل پیدا کر — پھر تو یہ کوہ ہے کس کا یہ بیاباں کس کا

غیر کا حال سنوں میں یہ مجھے تاب بھی ہے — ذکر کرتے ہو مرے سامنے جاناں کس کا

دانت ہر وقت ہمارا بھی ہے اغیار کا بھی — دیکھیے حصہ ہے وہ سیب زنخداں کس کا

جامۂ گل کو جو کرتی ہے معطر ہر صبح — چھو کے آتی ہے صبا گوشۂ داماں کسکا

کنگھی چوٹی سے کسی دم انھیں فرصت ہی نہیں — کیا خبر ہے کہ ہوا حال پریشاں کسکا

غنچۂ گل جو چٹکتے ہیں یہ آتی ہے صدا — عندلیبوں کے سوا ہے یہ گلستاں کسکا

صورت گل جو شگفتہ ہیں مرے زخم جگر — یاد آیا ہے مجھے چہرۂ خنداں کسکا

منچلے کھول کے دل رکھ نہیں سکتے بیگم — گوئے الفت میں ہو باندھا ہوا میداں کسکا

داغ حاصل نہ ہو کیونکر تجھے بدنامی کا — حنا بنا تو نے کیا اے نہ تاباں کسکا

منحرف ہیں رخ بلقیس سے پریاں کیسی — آج منہ دیکھ کے اٹھا ہے سلیماں کس کا
ہو رہی ہے تری رفتار سے پامال جو خلق — تو نے سیکھا چلن اے کبک خراماں کس کا
اہل آفاق جو کرتے ہیں فلک کا شکوہ — یہ تو سمجھیں کہ یہ ہے تابع فرماں کس کا

اس زمانے میں نہیں نام سخاوت کا امیر
کون محسن ہے اٹھائے کوئی احساں کس کا

جب تلک ہست تھی دشوار تھا پانا تیرا — مٹ گئے ہم تو ملا ہم کو ٹھکانا تیرا
نہ جہت تیرے لئے ہے نہ کوئی جسم ہے تو — چشم ظاہر کو ہے مشکل نظر آنا تیرا
شش جہت چھان چکے ہم تو کھلا ہم پہ یہ حال — رگ گردن سے ہے نزدیک ٹھکانا تیرا
صاف اس جنگ میں آتی ہے ہمیں صلح کی بو — دل ملاتا ہے یہ آنکھوں کا لڑانا تیرا
دے سزا مجھ سے طلب کر نہ صفائی کے گواہ — کوئی میرا نہیں ہے سارا زمانہ تیرا
نہیں بچنے کا ترے تیر مژہ سے دل زار — بال باندھا ہے یہ اے ترک نشانا تیرا
دست نازک سے اٹھا تیغ نہ بھاری قاتل — ہاتھ جھوٹے گا اتر جائے گا شانا تیرا
اب تو پیری میں نہیں پوچھنے والا کوئی — کبھی اے حسن جوانی تھا زمانہ تیرا
اے صدف چاک کریگا یہی سینہ اک دن — تو یہ سمجھی ہے کہ گوہر ہے یگانہ تیرا
مہندی ملتی ہے جو مشاطہ تو کہتا ہے وہ شوخ — خوب ہم جانتے ہیں آگ لگانا تیرا
دل عاشق کبھی ہوتا نہیں مژگاں سے جدا — ہے ترے تیر کے نزدیک نشانا تیرا
درد سر ہونے لگا کیجئے نالے کب تک — مشکل اے طالع خفتہ ہے جگانا تیرا
کوئے قاتل کو تو ہوتا ہے رواں تو قاصد — جان لے دم بھی گیا عدم کو ہے روانہ تیرا
اجل آئے گی تو لیجائے گی ہمراہ ضرور — پیش جائے گا نہیں کوئی بہانا تیرا
کیوں تجھے مجھ سے عداوت نہو اے نقش کھتی — ہم نے کہنا کبھی جھوٹوں بھی نہ مانا تیرا
دور اگلے شعرا کا تھا کبھی اور امیر — اب تو ہے ملک معانی میں زمانا تیرا

پکارتا ہے یہ ناز اس کی کبریائی کا — کہ بے اُڑا ہے مجھے شوق خود نمائی کا

قلق ہوا مجھے صیاد کی جدائی کا — یہ پوچھیے نہیں افسوس ہے رہائی کا

عزیز کیوں نہ ہو داغ اُسکی بیوفائی کا — کہ ہے صلا یہی مدت کی آشنائی کا

میں طول روز قیامت کو سن کے ڈرتا ہوں — کہ دن نہ ہو وہ کہیں یار کی جدائی کا

بغیر پہنچے ہوئے یار تک نہیں رہتا — میں مٹ کے نام مٹا دوں گا نارسائی کا

ہٹا دو آئینہ ہم کو بھی دیکھنے دو گے — کہ خود ہی دیکھو گے حسن اپنی خود نمائی کا

خدا کرے کہیں جلد آئے روز شادی وصل — لباس ماتمی اترے شب جدائی کا

تمام عمر ہوئی ڈھونڈھتے پتا نہ لگا — ترا دہن بھی ہے کیا حرف آشنائی کا

نہ پوچھ جام میں ساقی کے کیا ہے اے زاہد — بھرا ہے اس میں لہو تیری پارسائی کا

ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے سارے جھگڑوں کا — زبان تیغ سے پیغام دو صفائی کا

ہزار بار قیامت جہاں میں آئے گی — چڑھا ہے چار گھڑی دن ابھی جدائی کا

شناوران محبت تو سیکڑوں ہیں مگر — جو ڈوب جائے وہ پورا ہے آشنائی کا

جچے ہماری نگاہوں میں کیا درازئی حشر — کہ طول دیکھے ہوئے ہیں شب جدائی کا

مرے نصیب یہ کہتے ہیں میرے نالوں سے — رہے خیال ہماری بھی نارسائی کا

خدا نے دل کو بنایا تھا جام استغنا — بتوں نے کاسہ اُسے کر دیا گدائی کا

رقیب طنز سے کہتا ہے آپ جائیں وہاں — یقین ہے یہ اُسے میری نارسائی کا

کھنچی وہ تیغ تو خوش ہو کے مجھ سے دل نے کہا — وہ دیکھو گھاٹ ہے دریائے آشنائی کا

بدن میں روح کو آنے سے کام کیا تھا امیر
چلن دکھانے کو آتی تھی بے وفائی کا

گلہ زباں پہ نہ لانا تھا بے وفائی کا — امیر ڈوب گیا نام آشنائی کا

فریفتہ ہوں اُس انداز دلربائی کا — کہ دل لیا تو دیا ذوق آشنائی کا

ہوا وصال جو صدمہ ہوا جدائی کا
شکستگی نے کیا کام مومیائی کا

کسی گنہ پہ کوئی قتل ہو میں کہتا ہوں
کہ اس سے جرم ہوا ہوگا آشنائی کا

میں آفتاب قیامت کو دیکھ کر سمجھا
کہ ہے یہ کوئی ستارہ شب جدائی کا

بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

نکھیں آیت سجدہ ہوئی ہے پیشانی
اثر ہے یہ تری چوکھٹ پہ جبہ سائی کا

لپٹ گیا سگ جاناں ہمارے دامن سے
لحاظ آہی گیا آخر آشنائی کا

وہ آزمائش شمشیر ناز کرتے ہیں
یہ خوب وقت ہے تقدیر آزمائی کا

ہمارے دل میں دہیں گدگدی ہوئی پیدا
جہاں کسی کو سنا ذوق دلربائی کا

اٹھا جو درد تو گھبرا کے میرے دل نے کہا
کہ تو بھی داغ مجھے دیگا کیا جدائی کا

گھرے کے گرد میں ہے میرے دل کا ملال
غبار میں بھی ہے عالم وہی صفائی کا

حیا تو اس کو بٹھائے ہزار پردے میں
مگر جو بیٹھنے دے شوق خود نمائی کا

پہنچ سکا نہ وہاں نامہ بر تو دل نے کہا
کہ اور شکوہ لکھو خط میں نارسائی کا

یہاں ہے ذوق اسیری میں مجھ پہ جان چھڑ
وہ جانتا ہے کہ مشتاق ہے رہائی کا

کسی طرح نہ کٹا کوہ کن کے کاٹے سے
کہیں پہاڑ سے ہے سخت دل جدائی کا

اٹھو امیر نہیں ماننے کی وحشت دل
یہ عذر لنگ تمہاری شکستہ پائی کا

کیا تھا کس سے گلہ میں نے کج ادائی کا
تجھے تو شوق ہے اے جنگجو لڑائی کا

دکھاؤ جلوہ جو دعویٰ ہے خود نمائی کا
مجھے یقین نہیں آتا سنی سنائی کا

کمال حسن نے بے پردہ کر دیا ان کو
نکل پڑے یہ ہوا ذوق خود نمائی کا

ہماری آہ رسا لامکاں میں دم لیتی
مگر نصیب میں تھا داغ نارسائی کا

خدا کے گھر میں کروں جا کے شکر کے سجدے
ملے جو اذن در بت پہ جبہ سائی کا

عجب طرح کی در اندازہے خزاں ظالم
کہ رنگ و بو میں پڑا تفرقہ جدائی کا

ہنسے جو زخم تو بولا بگڑ کے خنجر یار
ہو رلائے گا ہنسنا یہ بے حیائی کا

نقاب یار نے الٹی ہے حضرت ناصح
یقیں ہے فاش ہو اب پردہ پارسائی کا

تڑپ تڑپ کے گیا اس کے آستانے پر
کٹا جو سر تو بڑھا شوق جبہ سائی کا

چلی تو ہے ہمیں صحرا کو لیکے اے وحشت
مگر خیال ہے لازم شکستہ پائی کا

سنبھل کے دیکھو اگر دیکھتے ہو آئینہ
پھسل نہ جائے کہیں پانوں خودنمائی کا

میں درد دل بھی شب وصل کہہ نہیں سکتا
کہ ہاتھ آئے گا پہلو اسے جدائی کا

کہیں نہ ہاتھ شراب آئی ہو کہیں سے گزک
مزہ ہے کوئے خرابات میں گدائی کا

چلوں وہ چال رہ عشق میں کہ خار تو کیا
سراغ پائیں نہ چھالے برہنہ پائی کا

وفا کے ذوق میں ہے بیخودی یہ ڈرتا ہوں
گلہ نہ منہ سے نکل جائے بے وفائی کا

گذر نہیں ہے حرم میں تو دیر کو چلیے
امیر کام کہیں بند ہے خدائی کا

نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا
مزہ میں کیا کہوں آغاز آشنائی کا

کہاں نہیں ہے تماشا تری خدائی کا
مگر جو دیکھنے دے رعب کبریائی کا

وہ ناتواں ہوں اگر نبض کو ہوئی جنبش
تو صاف جوڑ جدا ہو گیا کلائی کا

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

یہ جوش حسن سے تنگ آئی ہے قبا انکی
کہ بند بند ہے خواہاں گرہ کشائی کا

کمان ہاتھ سے رکھ صیدگاہ عزلت میں
کہ تیر صید ہے یاں دام نارسائی کا

وہ بدنصیب ہوں یار آئے میرے گھر تو بنے
سمٹ کے وصل کی شب [illegible] جدائی کا

ہزاروں کافر و مومن پڑے ہیں سجدے میں
بتوں کے گھر میں بھی ساماں ہے خدائی کا

تمام ہو گئے ہم پہلے ہی نگاہ میں حیف
نہ رات وصل کی دیکھی نہ دن جدائی کا

نہیں ہے مہر لفافہ پہ خط کے اے قاصد
یہ داغ ہے مری قسمت کی نارسائی کا

نقاب ڈال کے اے آفتاب حشر نکل
خدا سے ڈر یہ کہیں دن ہے خود نمائی کا

نہیں قرار گھڑی بھر کسی کے پہلو میں
یہ ذوق ہے ترے ناوک کو دلربائی کا

مری طرف سے کوئی جا کے کوہکن سے کہے
نہیں نہیں یہ محل زور آزمائی کا

کہا جو میں نے کہ میں خاک راہ ہوں تیرا
تو بولے ہے ابھی پندار خودنمائی کا

جنوں جو میری طرف ہو وہ جست خیز کرے
کہ دل ہو ٹوٹ کے ٹکڑے شکستہ پائی کا

امیر روئیے اپنے نصیب کو ایسا
کہ ہو سپید سیہ ابر نارسائی کا

تنگی دل سے تری فرقت میں ایسا جبر تھا
ہر نفس کو میرے سینے پہ گمان قبر تھا

کیوں ہوا عاشق جفا پر گر نہ تجھکو صبر تھا
اے دل بیتاب کیا تجھ پہ کسی کا جبر تھا

نازنیں کیونکر نہ جاتے میکشی کو باغ میں
ننھی ننھی بوندیاں تھیں ہلکا ہلکا ابر تھا

تابع بت تھا ہمیں دل نے بڑا دھوکا دیا
ہم مسلماں اسکو سمجھے تھے یہ کافر گبر تھا

گلرخان دہر پر سو سو جگہ مر مر گیا
جو کھلا گل باغ میں میرا چراغ قبر تھا

مجھکو بھی اک سنگدل محبوب سے پالا پڑا
یہ مرے دل کے پھپھولے تھے یہ میرا صبر تھا

بار بار اُس کی گلی میں کیوں نہ جاتا اے امیر
کیا کروں بے اختیاری تھی کہ دل بے صبر تھا

ظاہر یہ اتحاد سے رنگ اثر ہوا
اس گل نے پی شراب تو میں بے خبر ہوا

سرمے کی طرح چشم بتاں میں نہ گھر ہوا
میں مثل میل سرمہ عبث دربدر ہوا

اے ترک تیری تیغ ہمارا گلا کہاں
اک یہ بھی اتفاق قضا و قدر ہوا

راہ دراز کوچۂ جلاد قطع کی
قصہ ہماری زیست کا یوں مختصر ہوا

فرصت ملی نہ گردش پست و بلند سے
سوئے کبھی جو پاؤں تو دوران سر ہوا

اللہ ری نزاکت جاناں کہ شعر میں
مضموں بندھا کمر کا تو درد کمر ہوا

کچھ خاک ہو گئی جو مجھ آوارہ کی شریک
چاک الطرف کلاں کو دوران سر ہوا

سختی سے گر جو ساز تو حاصل ہو سوز عشق
پتھر نے کھائی چوٹ تو پیدا شرر ہوا

پیسا کسی کی آنکھ کی گردش نے اس قدر
میں خاک ہو کے ذرۂ گرد نظر ہوا

چلائیں بلبلیں جو چمن سے چلی بہار
نکلی دلھن جو گھر سے ہر اک نوحہ گر ہوا

نازک دلوں کو ہے سخن نرم بھی بہت
مینے کو قطرہ قطرۂ باراں شرر ہوا

شادی نے مثل گل ہمیں کھلائی شکل غم
ہنسنا ہمارا باعث زخم جگر ہوا

پیری میں ہے یہ ضعف کہ پلکیں بھی جھڑ گئیں
مرغ نگاہ طائر بے بال و پر ہوا

مضموں اگر رسا ہے تو آئیگا تازباں
خود ہی ٹپک پڑے گا جو پختہ ثمر ہوا

ہوتی اگر نہ روح تو تھا خاک جسم میں
آئی دولھن جو گھر میں تو آباد گھر ہوا

کیا جانے نامہ بر نے کہا آ کے کیا امیر
ایسی خبر سنائی کہ میں بے خبر ہوا

دل میں جب مہماں خیال زلف جاناں ہو گیا
آنکھ میں خواب پریشاں سنبلستاں ہو گیا

اسقدر شرمندہ مثل روئے جاناں ہو گیا
ہر گھٹ کر دامن شبنم میں پنہاں ہو گیا

دل کسی کا ہاتھ میں لانا ہے دولت کی دلیل
یہ نگینہ جس کو ہاتھ آیا سلیماں ہو گیا

کیا ہماری گور پر ہے احتیاج روشنی
چار جگنو جب چمک نکلے چراغاں ہو گیا

دل نہ مجروحوں کے تڑپانے سے قاتل کا بھر
چٹکیاں رہ رہ گئیں خالی نمکداں ہو گیا

جا کے تنہا اور بھی صدمے اٹھائے باغ میں
پھول جو پھولا مجھے داغ عزیزاں ہو گیا

غیر نے اس گل کے بالوں میں کبھی کنگھی جو کی
خمِ سنبل تار تار اپنا گریباں ہو گیا

ضبط غم سے صرف دولت سرخروئی کی ملی
خون ہو کر دل مرا لعل بدخشاں ہو گیا

عشق گیسو میں ہوا سامان غم سامان عیش
خواب آنکھوں میں اگر آیا پریشاں ہو گیا

اُس نے جب تیوری چڑھائی کر لیا مجھکو شکار
گوشۂ ابرو کمانِ تیرِ مژگاں ہو گیا

وجہِ رسوائی نہ تھا دل میں نہ تھا جب تک کہ عشق
آ گئے مضموں لفظ کے جامے میں عریاں ہو گیا

ہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا
آتشِ تر سے جو اے ساقی گریزاں ہو گیا

اوجِ ہمت ہے بقدرِ بے سروسامانی یہاں
جسم کی برباد خاک اپنی سلیماں ہو گیا

سوزِ غم میں کچھ نہ پوچھو جلد تن کا مجھ سے حال
جلکے یہ کاغذ شراروں سے چراغاں ہو گیا

اے جنوں کہتے ہیں اسکو اتحادِ حسن و عشق
جب کھلا جوڑا وہاں یاں یہ دل پریشاں ہو گیا

قید میں تم نے سنے جب لختِ دل اشکوں کی سلک تو
خانۂ زنجیر میں روشن چراغاں ہو گیا

تیر لاکھوں کھائے میدانِ محبت میں امیر
دل تو تھا ہی چیر سینہ اب نیستاں ہو گیا

اوجِ دولت اُس پری کا سوزِ ہجراں ہو گیا
داغِ سر پر خاتمِ دستِ سلیماں ہو گیا

خط جو نکلا بوسۂ رخسار آساں ہو گیا
کارواں آنے سے شہرِ حسن ارزاں ہو گیا

اب کہاں شک میرے تڑپانے کو چھڑکیگا نمک
ہر دہانِ زخم لبِ قاتل نمکداں ہو گیا

میری چشمِ تر نے ہمچشمی کا رکھا تھا خیال
پانی پانی یہ ہوا بادل کہ باراں ہو گیا

تم کھلے بالوں جو آ نکلے کبھی گلگشت کو
تختۂ نرگس چمن میں سنبلستاں ہو گیا

جب بہار آئی جنوں کے ہاتھ سے مانندِ گل
ٹکڑے دامن ہو گیا پرزے گریباں ہو گیا

دیکھ قاتل اپنے دیوانے کا جذبِ شوقِ قتل
جب گلے سے مل گیا خنجر گریباں ہو گیا

وحشتِ گیسو میں ہم نکلے سوئے صحرا جو ہم
پیچ کھا کر جادۂ رہ مارِ پیچاں ہو گیا

تھا مسلماں جب تلک مشتاقِ کافر تھا وہ
میں ہوا کافر تو وہ ضد سے مسلماں ہو گیا

سوزنی پر مجھکو کانٹوں نے بٹھایا دشت میں
شامیانہ سایۂ نخلِ مغیلاں ہو گیا

تنگیٔ اُن کی بناوٹ سے ہماری جان پر
پائچوں میں گو کمر ٹانکا تو پیکاں ہو گیا

خوبرویوں سے نہیں خالی زمانہ ایکدم
مہر پیدا ہو گیا جب ماہ پنہاں ہو گیا

کیا اثر ہے جو بہا یادِ لبِ لعلیں میں اشک گرتے گرتے آنکھ سے لعلِ بدخشاں ہو گیا
کیا تبسم نے ترے اے رشکِ گل چھڑکا نمک صحنِ گلشن میں ہر اک غنچہ نمکداں ہو گیا
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اُڑ جاتا ہے آتی ہے بہار دامنِ گل بھی مگر میرا گریباں ہو گیا
عشقبازوں سے پھری رہتی ہے تو اے چشمِ ناز تجھ سے برگشتہ بجا ہر موئے مژگاں ہو گیا
ضعف سے میں قید تو کس طرح ہل سکتا نہیں قد پہ خم حلقۂ زنجیرِ زنداں ہو گیا
حسرتیں خوں ہو گئیں دل میں تو لایا غنچہ رنگ داغِ دل کا لالۂ گنجِ شہیداں ہو گیا
جب نقاب الٹی نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم پڑ گئے پردے وہ رخ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا
اے کماندار اسکو کہتے ہیں ہجومِ دردِ غم تنگیِ دل سے سمٹ کر تیر پیکاں ہو گیا
کیا ہیں گلزار میں ہم وحشی نازک مزاج نکہتِ گل سے دماغ اپنا پریشاں ہو گیا

گل ہوا غنچہ تو یہ اُس سے صدا آئی امیر
جمع پھر ہوتا نہیں جب دل پریشاں ہو گیا

گل نیا ہر ایک نقشِ پا سے خنداں ہو گیا یار جس کوچے میں جا نکلا گلستاں ہو گیا
تشنگانِ عشق کے لب بھی نہ ہونے پائے تر وائے قسمت خشک وہ چاہِ زنخداں ہو گیا
بوسۂ گیسو پہ اُس نے ذبح کر ڈالا مجھے ایک کافر کے لیے خونِ مسلماں ہو گیا
اے پری بل دیکے زلفوں میں غضب تو نے کیا اور بھی ہم قیدیوں پر تنگ زنداں ہو گیا
ہم نے دیواں میں یہ مضمونِ دلِ گم وہ لکھا صفحہ صفحہ تختۂ گورِ غریباں ہو گیا
کوچہ کر دی میں دکھائی تیغِ قاتل نے بہار بسملوں سے اُسکے ہر کوچہ گلستاں ہو گیا
پڑ گئی جسکی نظر اُس پہ وہ دیوانہ ہوا حسن سے انساں بلائے جانِ انساں ہو گیا
پنڈلیوں تک آبِ خجلت میں پریزہ غرق ہو گیا آفتاب جب غرہ وہ رخسارِ تاباں ہو گیا
نرخہائے دل کی یہ کثرت ہے تیرے دور میں کوڑیوں کے مول ہر لعلِ بدخشاں ہو گیا
وحشیوں کی پستیِ قسمت نے پھیلائے یہ پانوں جب گریباں کو لگایا ہاتھ داماں ہو گیا

دیکھ کر رنگ خزاں میں باغ کے در سے پھرا
ہر نہال خشک مجھ کو چوب درباں ہو گیا

آسیائے چشم لیلیٰ نے یہ پیسا دشت میں
بخت مجنوں سرمۂ چشم غزالاں ہو گیا

مر گئے ایذائے فرقت سے ہوئی حاصل نجات
رفتہ رفتہ داغ مرہم درد درماں ہو گیا

کعبۂ دل کی زیارت کو طہارت تھی ضرور
تیر کو واجب وضوئے آب پیکاں ہو گیا

پیچ مجھ کو کیا مرے گھر تک کو قسمت نے دیئے
ہر ستوں بل کھا کھا کے شاخ غزالاں ہو گیا

نامۂ اعمال ہے جب تک نہیں ملتا امیر
میرے ہاتھ آیا یہ اور میرا گریباں ہو گیا

بے نشانی کا میں اے چرخ سزاوار نہ تھا
دہن یار نہ تھا کچھ کمر یار نہ تھا

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالو نہیں دل زار نہ تھا

جب کہا اس سے شب ہم کوئی غمخوار نہ تھا
درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

کیا بلا تھی نگہ ہوش ربا ساقی کی
اونگھتی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا

بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگار نہیں
اس گنہ پہ مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

تاب جلوے کی نہ آئی جو کسی کو تو کہا
خوب دیکھا تو کوئی قابل دیدار نہ تھا

جوش وحشت اسے کہتے ہیں کہ آتی ہی بہار
ہاتھ ڈالا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا

صاف دو ہاتھ سرو ہی کے اگر چل جاتے
پھر تمہیں مجھ سے مجھے تم سے سروکار نہ تھا

آنکھیں پتھرا گئیں موسیٰ کی نہیں تو یہ طور
کچھ تجلی کے سوا پردۂ رخسار نہ تھا

لاش پر میری جو آئے تو رہے کیوں خاموش
دم اعجاز تو قفل دہن اے یار نہ تھا

وہ کھنچا گر تو کھنچا شان تھی معشوق کی
مجھ سے کھنچنا تجھے اے خنجر خونخوار نہ تھا

کیا مزہ تجھ کو ملا دیکے فلک مجھ کو شکست
عہد ساقی میں نہ تھا توبہ کہ میخوار نہ تھا

خون ناحق سے جمایا تھا غضب کا لاکھا
لب معشوق سے کچھ کم لب سوفار نہ تھا

مجھکو کیوں پیچ میں لایا دم آرائش حسن
کچھ تری زلف کا طرہ تو میں اے یار نہ تھا

وقت بد میں نہ ہوا کوئی امیر آکے شریک
یار سمجھا تھا میں جس کو وہ مرا یار نہ تھا

سارے جہاں کا رنج مرے دل میں آگیا — کیا کوزہ تھا کہ جس میں یہ دریا سما گیا
کوثر کا جام بھی ترے مقتول نے پیا — پر اب بھی تیغ کا نہ زباں سے مزا گیا
کھائے تھے داغ جس کی محبت میں گردوں — وہ پھول بھی نہ وہ سر تربت چڑھا گیا
بسمل تڑپ رہے ہیں نکلتا نہیں ہے دم — ایک ہاتھ اور بھی نہ وہ قاتل لگا گیا
سامان عرس کا جو کیا یار نے تو خیر — چھپ کر نشان میری لحد کا مٹا گیا
سوجھی نئی صبا کی یہ گرمی کہ رات کو — صیاد آشیانۂ بلبل جلا گیا
جاتا ہے نامہ لے کے کوئی نامہ بر تو کب — جانیکو گر کہا تو کبوتر اڑا گیا
نرم بت کا دل ہوا نہ عجب کا مقام ہے — نالہ کیا تو عرش خدا تھرتھرا گیا
توڑی تڑپ کے زخمی شمشیر عشق نے — ٹانکے جو آہنی بھی رفوگر لگا گیا
موسیٰ اسی پہ دعوئ دیدار تھا تمہیں — دیکھا جو کوہ طور پہ جلوہ غش آگیا
ہوش و حواس جانیکا اے دل گلہ نہ کر — تو بھی گیا بلا سے جو کچھ تھا گیا گیا
ابرو کا شوق کوچۂ قاتل میں لے گیا — کعبے کے حج کو میں طرف کربلا گیا
گرمی سے گور میں جو ہوئے ہم عرق عرق — پنکھا نسیم خلد کا جھونکا ہلا گیا

نکلا خیال رنج میں نہیں دل سے دود آہ
ابر سیہ امیر گلستاں میں چھا گیا

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا — کرتا نہ میں گناہ تو گناہ عظیم تھا
باتیں بھی کیں خدا نے دکھایا جمال بھی — اللہ کیا نصیب جناب کلیم تھا
کیوں تیغ ناز بھول گئی مجھ کو وقت قتل — میں بھی تو اک نیاز گذار قدیم تھا
مانگا جو میرے دل کو در گوش یار نے — دیتے ہی بن پڑا کہ سوال یتیم تھا

کیا رنگ اُسکے جاتے ہی گھر کا بدل گیا
دوزخ ہے آجکل جو ریاضِ نعیم تھا

ہم سے جو وہ کھنچا یہ گلے سے لپٹ گیا
قاتل سے بڑھ کے خنجرِ قاتل کریم تھا

کیا کیا نہ آفتوں کے رہے ہم کو سامنے
یارب شباب تھا کہ بلائے عظیم تھا

دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرو خیال
اس گھر میں تم سے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

اب کون ہے جو منزلِ الفت میں ساتھ دے
دل بھی چھٹا رفیق جو اپنا قدیم تھا

پہنچے تو ہم بھی جلوہ گہِ یار میں مگر
وہ اک قدم بڑھا ہوا پائے کلیم تھا

لاتی کبھی ہمارے قفس تک بھی بوئے گل
ٹوٹا ہوا نہ پانوں ترا اے نسیم تھا

ہوتا نصیب کے ہمیں نقد عیش کیا
زیرِ زمیں بھی دورِ سپہرِ لئیم تھا

کیا چاہتا میں فیض کر انجم سے آسماں
اک تودۂ بلند عظامِ رمیم تھا

جس دن تھا میں چمن میں ہوا خواہِ گل امیر
نامِ صبا کہیں نہ نشانِ نسیم تھا

وہ دن گئے کہ ہم میں بھی فیضِ عمیم تھا
محفل میں شمع تھا میں چمن میں نسیم تھا

کچھ ان کو زیبِ گوش کی حاجت نہ تھی مگر
منظور پرورش تھی کہ گوہر یتیم تھا

آنکھیں تھیں اپنی نورِ تجلی سے آشنا
جس دن نہ طور تھا نہ وجودِ کلیم تھا

تیرے مریضِ غم کی نہیں آج کچھ خبر
سنتے ہیں کل تو حال نہایت سقیم تھا

دنیا کا حال اہلِ عدم ہے یہ مختصر
اک دو قدم کا کوچۂ امید و بیم تھا

ہم اپنی دھن میں مست تھے کیا جانیں حشر میں
کس سمت کو جناں تھا کدھر کو جحیم تھا

سامانِ عفو کیا میں کہوں مختصر یہ ہے
بندہ گناہگار تھا خالق کریم تھا

آخر جو خم میں بیٹھ رہا مثلِ دردِ مے
تھی کچھ تو مصلحت کہ فلاطوں حکیم تھا

واقف وہ حال سے ہو جو رکھتا ہو کچھ غرض
کیا جانیں ہم بخیل کہ حاتم کریم تھا

غش مجھکو وصل میں نہیں آیا تھا اے پری
سرمست بوئے گیسوئے عنبر شمیم تھا

گلگشت میں نقاب اُلٹتے وہ رخ سے کیا ۔ شرم آتی تھی صبا سے لحاظِ نسیم تھا
رنگِ چمن بہار میں بلبل سے پوچھئے ۔ گل کا زمیں پہ پانوں نہ شملِ نسیم تھا
الفت گئی دل جلوں کو وہاں نیند آ گئی ۔ خس خانہ تھا کہ طبقۂ نارِ جحیم تھا
کیا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع ۔ جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دامان گل کو خود نہ چھوا اور نہ اے امیر
کچھ ڈر صبا کا ہم کو نہ خوفِ نسیم تھا

دل اپنا زیرِ سایۂ امید و بیم تھا ۔ جس دن جحیم تھا نہ ریاضِ نعیم تھا
سوراخ کیوں ہو سینۂ گوہر میں اے فلک ۔ بتلا تو ہم کو کون گناہِ یتیم تھا
محشر میں لقمہ میں نہ ہوا کی خدا نے خیر ۔ مدت سے در نہ کھولے ہوئے منہ جحیم تھا
تیری دوا سے اور مرا درد بڑھ گیا ۔ شاید مرض سے سانہ مجھے اے حکیم تھا
کیا جانیں کس غریب کی آئی تھی ہدیہ لاش ۔ ہنگامہ کل جوان کی گلی میں عظیم تھا
خود کہہ رہا تھا شوق میں گستاخ دل مرا ۔ اصرار قوم سے جو کلا ـ کلیم تھا
قاتل کے خط سے قتل کا ہوتا نہ کیوں یقیں ۔ عنوان نامہ آیۂ ذبحِ عظیم تھا
کیسی شفا مرض میں کہ الٹی ہوئی دوا ۔ سمجھے نہ ہم رقیب ہمارا حکیم تھا
تلخی زبان دوست سے دیتی ہے کیا مزہ ۔ شیریں تھا قند تک جو کلام کلیم تھا
ہم راز تب مزار میں پہنچے کہ کچھ نہ تھے ۔ دل کو جو خوف جمع عظام رمیم تھا
کیسا سوال دید جو ہم پہنچے طور پر ۔ سوزاں کہیں شجر تو کہیں غش کلیم تھا
روشن ہے آفتاب سے اعجاز مصطفیٰ ۔ انگلی اٹھی کہ ماہ فلک بر دو نیم تھا
کب مجھ سے مثل سایہ چھٹے پنجتن کے پانوں ۔ پانچوں سواروں میں میں بزیر گلیم تھا

اس گل کا وصف خشم سناتا میں کیا امیر
نرگس کا پھول باغ میں گوشِ صمیم تھا

ہر جگہ جوشِ محبت کا نیا عالم ہوا / آنکھ میں آنسو جگر میں داغ دل میں غم ہوا
میرے مرتے ہی زمانہ درہم و برہم ہوا / یہ خوشی پھیلی کہ شادی مرگ اک عالم ہوا
موت آئی دردِ فرقت سے ہمیں صحت ہوئی / بڑھتے بڑھتے زخم آخر زخم کا مرہم ہوا
آنسوؤں سے بیقراری میں ذرا تسکین تھی / بڑھ گیا اور اضطرابِ دل جو رونا کم ہوا
روز کی فریاد سے تنگ آگئے تھے اسقدر / خلق کو مژدہ ہمارا نالۂ ماتم ہوا
میں ترا ممنون ہوں اے گریۂ بے اختیار / جب پڑی مجھ پر مصیبت میں شریکِ غم ہوا
رازداریٔ محبت کا میں کیا دعویٰ کروں / جس قدر محرم ہوا اُتنا ہی نامحرم ہوا
وائے قسمت رہ گئی حسرت ہی لطفِ یار کی / بڑھ گئی شانِ تغافل کچھ جو غصہ کم ہوا
بستے اپنے حالِ ابتر کے جو محشر میں کھلے / دفترِ اعمالِ مردم درہم و برہم ہوا
چارہ گر کو لائے ہیں احباب درماں کے لئے / لو مرا زخمِ جگر بھی قابلِ مرہم ہوا
کیا ذرا کی بیٹھ کر پہلو میں اُسکے تیر نے / دردِ دل بھی گھٹ گیا دردِ جگر بھی کم ہوا
مار ڈالا روزِ اوّل کی نگاہِ لطف نے / ایک دم کا عیش ظالم عمر بھر کا غم ہوا
شورِ محشر بھی ہوا آکر شریکِ تعزیت / دھوم سے میرے دلِ مرحوم کا ماتم ہوا
رات بھر رویا کیا بے یار میں گلزار میں / صبح کو پھولوں سے رخصت صورتِ شبنم ہوا

ہوش کی بھی اب تو کوئی بات کرتے ہیں اسیرؔ
کچھ تو وحشت نے کمی کی کچھ تو سودا کم ہوا

ہو نہیں وہ غم دوست جب تم نے کمی کی غم ہوا / کی شکایت چرخ سے جس روز صدمہ کم ہوا
کس طرح مکنونِ دل اظہار کرتا پیشِ یار / آج تک میں خود نہ اپنے راز کا محرم ہوا
لذتِ شرمِ گنہ تھی کب فرشتوں کو نصیب / یہ مزا چکھنے کو پیدا خلق میں آدم ہوا
میرے زخموں کی ہنسی پر تم کو رونا آگیا / یہ خوشی بھی کچھ خوشی تھی جسکا ایسا غم ہوا
تیرا دیوانہ جو آیا یہ ملایک نے کہا / انتظامِ عرصۂ محشر بھی لو برہم ہوا

نوک خنجر ہو کہ اے سفاک پیکان تیر کا
جو مرے پہلو میں آ بیٹھا مرا ہمدم ہوا

اونچے اونچوں کی مرے گل نے مٹادی آبرو
چشمۂ خورشید گھٹ کر قطرۂ شبنم ہوا

ذبح کرتے ہو مجھے ایجان ڈھیلے ہاتھ سے
واہ اچھے وقت میں غصہ تمہارا کم ہوا

تیغ زنگ آلود خنجر کند قاتل خرد سال
کیا کہوں مقتل میں وقت قتل کیا عالم ہوا

تنگ آ کر دعا فرقت میں مانگی موت کی
حسرتیں بگڑیں مزاج آرزو برہم ہوا

جان قالب میں ہے مضطر دم خفا دل بیقرار
موت ہی آئی مزاج یار کیا برہم ہوا

دل جگر دونوں تھے میری جان کے دشمن مگر
جو گیا پہلو سے میرے مجھ کو اس کا غم ہوا

رہ گئے وہ دو قدم چل کر مری میت کیساتھ
پانوں میں پھندا اٹک کر گیسوئے پرخم ہوا

روکنا فرقت میں اشکوں کا نہیں اچھا امیر
چار دن کے ضبط میں دیکھو تو کیا عالم ہوا

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب نہ تھا
ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شباب نہ تھا

شب فراق میں کیوں یارب انقلاب نہ تھا
یہ آسمان نہ تھا یا یہ آفتاب نہ تھا

لحاظ ہم سے نہ قاتل کا ہو سکا دم قتل
سنبھل سنبھل کے تڑپتے وہ اضطراب نہ تھا

اُسے جو شوق سزا ہے مجھے ضرور ہے جرم
کہ کوئی یہ نہ کہے قابل عذاب نہ تھا

شکایت اُن سے کوئی گالیوں کی کیا کرتا
کسی کا نام کسی کی طرف خطاب نہ تھا

نہ پوچھ عیش جوانی کا ہم سے پیری میں
ملی تھی خواب میں وہ سلطنت شباب نہ تھا

دماغ بحث تھا کس کو وگرنہ اے ناصح
دہن نہ تھا کہ دہن میں مرے جواب نہ تھا

وہ کہتے ہیں شب وعدہ میں کیسے پاس آتا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا

ہزار بار گلا رکھ دیا تہ شمشیر
میں کیا کروں تری قسمت ہی میں ثواب نہ تھا

فلک نے افسر خورشید سر پہ کیوں رکھا
سبوئے بادہ نہ تھا ساغر شراب نہ تھا

غرض یہ ہے کہ ہو عیش تمام باعث مرگ
وگرنہ میں تو کبھی قابل خطاب نہ تھا

سوال وصل کیا یا سوال قتل کیا — وہاں نہیں کے سوا دوسرا جواب نہ تھا
ذرا سے صدمے کی تاب اب نہیں وہی ہم ہیں — کہ ٹکڑے ٹکڑے تھا دل اور اضطراب نہ تھا
کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا — ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا
یہ بار بار جو کرتا تھا ذکر مے واعظ — پئے ہوئے تو کہیں خانماں خراب نہ تھا

امیرؔ اب ہیں یہ باتیں جب اٹھ گیا وہ شوخ
حضور یار کے منھ میں ترا جواب نہ تھا

کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ حجاب نہ تھا — تو ہنس کے بولے وہ منھ قابل نقاب نہ تھا
شب وصال بھی وہ شوخ بے حجاب نہ تھا — نقاب الٹ کے بھی دیکھا تو بے نقاب نہ تھا
لپٹ کے چوم لیا منھ مٹا دیا انکار — نہیں کا اُن سے سوا اس کے کچھ جواب نہ تھا
مرے جنازے پہ اب آتے شرم آتی ہے — حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب نہ تھا
نصیب جاگ اُٹھے سو گئے جو پانوں مرے — تمہارے کوچے سے بہتر مقام خواب نہ تھا
غضب کیا کہ اسے تو نے محتسب توڑا — ارے یہ دل تھا مرا شیشۂ شراب نہ تھا
زمانہ وصل میں لیتا ہے کروٹیں کیا کیا — فراق یار کے دن ایک انقلاب نہ تھا
تمہیں نے قتل کیا ہے مجھے جو تنتے ہو — اکیلے تھے ملک الموت ہم رکاب نہ تھا
دعائے توبہ بھی ہم نے پڑھی تو مے پی کر — مزہ بھی ہم کو کسی شے کا بے شراب نہ تھا
میں روئے یار کا مشتاق ہو کے آیا تھا — ترے جمال کا شیدا تو اے نقاب نہ تھا
بیان کی جو شب غم کی بے کسی تو کہا — جگر میں درد نہ تھا دل میں اضطراب نہ تھا
وہ بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتل عام کا حکم — ہنسی تھی اُن کی کسی پر کوئی عتاب نہ تھا
جو لاش بھیجی تھی قاصد کی بھیجتے خط بھی — رسید وہ تو مرے خط کی تھی جواب نہ تھا
سرور قتل سے تھی ہاتھ پانوں کو جنبش — وہ مجھ پہ وجد کا عالم تھا اضطراب نہ تھا
ثبات بحر جہاں میں نہیں کسی کو امیرؔ — ادھر نمود ہوا اور اُدھر حباب نہ تھا

نامہ لیکر جو کوئی کوئے بتاں سے آیا ۔۔۔ میں یہ سمجھا کہ ملک باغ جناں سے آیا
میرے گھر میں جو کوئی اسکے مکاں سے آیا ۔۔۔ چیخ اٹھا کہ میں دوزخ میں جناں سے آیا
اے جرس تو تو نہیں قافلے والوں سے جدا ۔۔۔ تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا
جانتا ہوں وہ کماندار کشیدہ ہے بہت ۔۔۔ کہ کبھی تیر بھی مجھ تک نہ کماں سے آیا
اب کوئی کعبے میں دم بھر میں ٹھہر سکتا ہوں ۔۔۔ برہمن بہر طلب کوئے بتاں سے آیا
شغل رونیکا ازل سے ہی مجھے تھا ورنہ ۔۔۔ نوح کے وقت میں طوفان کہاں سے آیا
خبر مرگ مری دیر و حرم میں تو گئی ۔۔۔ نہ یہاں سے کوئی آیا نہ وہاں سے آیا
بولتا کب ہے وہ سفاک پکاروں میں ہزار ۔۔۔ کاش خنجر ہی کہے اپنی زباں سے آیا
مفتیوں سے کہو للہ وہ اب کہتے ہیں کیا ۔۔۔ غش انھیں روزۂ ماہ رمضاں سے آیا

دیکھ کر اس رخ و گیسو کو میں حیراں ہوں امیر
شب تاریک میں خورشید کہاں سے آیا

مثل موسیٰ سامنے میرے جو تو ہو جائیگا ۔۔۔ لن ترانی میں مقام گفتگو ہو جائیگا
عشق میں تازہ دماغ آرزو ہو جائیگا ۔۔۔ رنگ اڑکر چہرۂ عاشق سے بو ہو جائیگا
ضبط گریہ میں نہیں کرتا کہ رہتا ہے خیال ۔۔۔ سوکھ کر کانٹا نہال آرزو ہو جائے گا
ہے اُبل پڑنے کا ڈر کیا دوں ترے قد سے مثال ۔۔۔ سرو فوارہ کنار آب جو ہو جائے گا
ہے یہی رنگ ستم اس خال عارض کا اگر ۔۔۔ مشک کا دل ناف آہو میں لہو ہو جائیگا
ہو کمی بیشی جو یہ تاثیر حسن و عشق کی ۔۔۔ ذرے ہم ہو جائینگے خورشید تو ہو جائیگا
آرسی پر کچھ نہیں موقوف اے آئینہ رو ۔۔۔ جو تجھے دیکھے گا وہ میرا عدو ہو جائیگا
اُف نہ کر اے دل زمانہ پیس ڈالیگا تجھے ۔۔۔ کھا کے کوڑا اور ابلق تند خو ہو جائیگا
تم جو اٹھ جاؤ گے بزم عیش ہوگی بزم غم ۔۔۔ بادۂ گلرنگ شیشوں میں لہو ہو جائیگا
دست قاتل سے بڑھیگا تیغ کا پانی ضرور ۔۔۔ تا کمر ہے آج کل تک تا گلو ہو جائے گا

بعد مردن شرم عصیاں سے ہوں ایسا آب آب
خاک سے میری تیمم بھی وضو ہو جائیگا

میرے میخانے سے اے ساقی کہاں جائیگی عید
ماہ نو یاں ناخنِ دستِ سبو ہو جائیگا

محو آب و تابِ رنداں ہوں پڑھوں کیونکر نماز
آبِ گوہر ہاتھ میں آبِ وضو ہو جائیگا

چھا رہی ہے دل میں میرے اسقدر اے یاس گرد
دیکھ ظالم مفت خونِ آرزو ہو جائیگا

چار سو ٹکراؤں گا سر دیکھکر ابرو امیر
فرض اس کعبے میں سجدہ چار سو ہو جائیگا

اک جہاں بسمل ترا اے تند خو ہو جائیگا
چار ہی ہاتھوں میں شہرہ چار سو ہو جائیگا

جذب پر آمادہ گر اے شوق تو ہو جائیگا
خنجرِ قاتل مرا طوقِ گلو ہو جائے گا

طاقتِ دیدار کا دعویٰ ہے اہلِ دید کو
فاش پردہ ہوگا بے پردہ جو تو ہو جائیگا

اے تصور مجھ سے بختِ تیرہ جاتا ہے کہاں
دل میں عکسِ زلف آئینے میں مو ہو جائیگا

ہٹ کے میرے منہ سے خم باقی اگر ٹوٹا جام
محتسب کا ہاتھ خود دستِ سبو ہو جائیگا

ہوں وہ تشنہ شیشۂ مے گر کرے اجتنابِ نیاز
ہچکیاں لے لیکے بسمل کا گلو ہو جائیگا

میرے قلبِ صاف کے منہ پر نہ آئینہ چڑھے
آبرو مٹ جائیگی بے آبرو ہو جائیگا

یاس دو گھڑیاں کے اگر جھونکے میں ہوتے عیش بھی
کوئی دم میں گل چراغِ آرزو ہو جائیگا

جائے عیسےٰ ہجر میں سا ہوگی ہوس جلاد کی
بڑھتے بڑھتے دردِ دل دردِ گلو ہو جائیگا

کون سنتا ہے یہاں اے بت تری تیرے حضور
ختم ہے جھگڑا خدا کے روبرو ہو جائے گا

ساتھ میرا تو نہ چھوڑ اے یاس ہجرِ یار میں
اور بھی ویران دلِ بے آرزو ہو جائیگا

بھول اے بلبل نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار
ایک جھونکے میں ہوا سب رنگ و بو ہو جائیگا

بھولی باتوں پر نہ بھول آج اس گلِ تر کے دلا
دیکھنا کل اور رنگِ گفتگو ہو جائیگا

عیب اصلی عارضی زینت سے چھپتا ہے کوئی
غازہ ملنے سے نہ زنگی خوبرو ہو جائیگا

فصلِ گل آنے تو دو فصدونکا پھر کیا ہے شمار
ظرف بھر بھر جائینگے پانی لہو ہو جائیگا

خوب گلرویوں سے آتا ہے ہمارے دلکو ربط
رنگ ہیں یہ رنگ ہوگا بو میں بو ہو جائیگا

داغ حسرت گھر سے میں لیکر کہاں جاؤں امیر
جانتا ہوں گل چراغ آرزو ہو جائے گا

یہی جو سودا ہے تجھ حزیں کا پتا کہاں کوئے نازنیں کا
غبار ایسا نہیں کہیں کا نہ آسماں کا نہ ہے زمیں کا

یہ طرز وحشت نے رنگ باندھا کہ ہو گیا زرد جہاں کو سودا
زمیں پہ جادہ فلک پہ جوزا نشان ہے چاک آستیں کا

ذرا جو کاتب کو رحم آتا تو بخت بنیاد ہی مٹاتا
درست لکھتا تو ٹوٹ جاتا قلم ہمارے خط جبیں کا

چمن ہے بلبل کے خون کا محضر گواہ ہیں جا بجا برگ و بر سراسر
نہیں ہے یہ داغ لالہ تر یہ نقش ہے مہر کی نگیں کا

یہ جتنے تپلے ہیں باوطیں کے نہ آسمانکے نہ ہیں زمیں کے
نشاں تک مٹ گئے جبیں کے کھلا نہ مطلب خط جبیں کا

غم محبت ہے جسکا مطلب کدورت اُس دل کی ہے غبار کب
کرے ہے جبتک ہجوم لبالب پتا کہاں درد دلنشیں کا

کیا تھا کیوں ادعائے باطل ہوا تھا اس تل سے کیوں مقابل
سزا ملی ہوگیا سیہ دل جو مشک نافہ غزال چیں کا

رہے سلیماں کے جتنے ہتے تمہاری الفت کے تھے کرشمے
یہ نقش جس دل میں جمکے بیٹھے بلند ہو نام اس نگیں کا

تمہا انکا نالہ کہا انکا شیون ثنائے قاتل ہے وقت مردن
قلم ہوئی ہے بدن سے گردن زبان پہ نعرہ ہے آفریں کا

قریب ہے یار روز محشر چھپیگا کشتوں کا قتل کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

عجب مرقع ہے باغ دنیا کہ جسکا صانع نہیں ہویدا
ہزارہا صورتیں ہیں پیدا پتا نہیں صورت آفریں کا

ہوا نہ دشوار جسکو مرنا اسی گلی میں تھا اپنی مرنا
نہ تھا مناسب عزیز کرنا ہوئے پہ دو چار گز زمیں کا

لکھا جو وصف ایک گلبدن کا تو رنگ پیدا ہوا چمن کا
جو صفحہ ہے برگ یاسمن کا تو خامہ ہے شاخ یاسمیں کا

کمال احباب سے ہے شکوہ کیا نہ عرس ایک دن ہمارا
سر لحد ہی ہجوم ہوتا کبھی حسینان مہ جبیں کا

اثر ہے گیسو کا یہ تمہارے کہ حرف آگیں ہیں حرف سارے
ورق ہے دیواں میں جو ہمارا وہ تختہ ہے عطر کی زمیں کا

نہیں ہے اب ذکر رسم ماضی گنہ کی تعذیر پر ہوں راضی
لگائے درہ جو مجھ کو قاضی کسیکے گیسوئے عنبریں کا

خدا سے جبتک نہ ہو تمنا سا حریر دل کا ہے شوق بیجا
مکان کا تب پتا نہ لیگا کہ کچھ پتا یاد ہو مکیں کا

کہاں ہیں ایسے نصیب اپنے کہ پڑھکے مضمون جواب لکھے
اڑائے نامے کے آنسوؤں نے کھلا لفافہ خط جبیں کا

ملا ہے جنکو دل مصفا بُرے کو بھی دیکھتے ہیں اچھا
پڑیگا عکس آئینے میں سیدھا ہزار اُلٹا ہو خط نگیں کا

جنونکا ہمپر ہی قطع جامہ قبا کہاں کی لباس کیسا
ہمارے بازو تلک نہ پہونچا کسی طرح ہاتھ آستیں کا

کس آستانے پہ جا پڑا ہوں کہاں الٰہی میں جبہہ سا ہوں
کہ سر نہ اٹھے ہزار چاہوں یہ ربط ہی سجدہ و زمیں کا

کہاں کا کعبہ ہی دیر کیسا بتاؤ کوچے کا اسکے رستا
میں پوچھتا ہوں پتا کہیں کا نشان دیتے ہو تم کہیں کا

اسیر گھڑیوں رہی خموشی گلے سے آواز تک نہ نکلی
خیال جس رات خواب میں بھی بندھا کسی چشم سرمگیں کا

ہوا جو پیوند میں زمیں کا تو دل ہوا شاد مجھ حزیں کا
بس اب ارادہ نہیں کہیں کا کہ رہنے والا ہوں میں یہیں کا

اگرچہ پیری میں ناتواں ہیں شباب کے کچھ اثر عیاں ہیں
نہیں یہ بازو میں جھریاں ہیں نشان ہے چین آستیں کا

فقط ہی تیرا خیال باطل کہ راستی میں ہو نام حاصل
درست اٹھے کبھی نہ اے دل جو نقش اُلٹا ہو اِک نگیں کا

کہیں مکرر زباں سے کتنا کوئی مخاطب نہیں ہے بھلا
ہمارا اظہار غم ہے گویا سوال درویش رہ نشیں کا

کھلے ہیں یہ استخواں پیکر کہ پوست ہی پوست ہے سراسر
کلاہ کا شک ہے میرے سر پر گماں ہے بازو پر آستیں کا

جہاں میں ہیں دادرس بہت کم ازل سے پامال ہے یہ عالم
کہ لی فرشتوں نے خاک آدم بنا نہ شور اک بھی زمیں کا

ہوائے مے میں ہوا ہے حال ایسا چمن میں گھر کر جو ابر آیا
سیاہ مستی میں میں یہ سمجھا جہاز ہے آب آتشیں کا

سفر مبارک ہو آخرت کا بخیر انجام ہو خدایا
جو گھر سے نکلے مرا جنازہ تو سامنا ہو کسی حسیں کا

جو شعلہ بالائے طور چمکا جھپک گئی جس سے چشم موسیٰ
بجھا ہوا تھا کوئی شرارہ تمہارے رخسار آتشیں کا

کیا ہے اس مست نے کنارا سبو در آب خاک ہو گوارا
لہو پیو میکشو ہمارا جو نام لو آب آتشیں کا

لحد پہ میرے نہ آئے کہدو کوئی یہ وہ دیکھ کفن سے رد یا
برہنہ دیکھے نہ گور مجھ کو میں کشتہ ہوں چشم سرمگیں کا

ہوئی ہے تقدیر سے رسائی ضرور ہے قسمت آزمائی
کرینگے اس در پہ جبہہ سائی نشان چمکتا ہے جبیں کا

جو وحشت غربت میں کھینچی ایذا نہ جاتا تھا موسم وطن کا
بھری جو چشم غزال صحرا دکھا دیا رنگ شہر ہی کا

چمن میں غنچہ نہیں کھلا ہے وہ گل یہاں بہار آکے رہا
یہ کوئی تعویذ کھل پڑا ہے اُسی کے بازوئے نازنیں کا

اسیکا پھیلا ہے نور سارا کہاں کا خورشید عالم آرا
گرا ہوا ہے کوئی ستارہ لباس زرتار مہ جبیں کا

حسین جو بیٹھی زبانے بیاہگیں تو بجا ہے ... ہے بلبلیں — [illegible] سے ہو نہ ہو یہ وہ خوشبو کجھی گلچیں کا
جو دیکھی نرگس کی نہ مسا ... [illegible] — نگاہ میں پھر گیا ہماری حجاب اس چشم سرگیں کا
عجب ہو آئینے کا ... [illegible] — قدم نکالا نہ گھر سے باہر [illegible] حال چیں کا
برنگ ساعد ہوئی مقابل تڑپ گئی شفق [illegible] — اُلٹ گئی صف ہوا نے قاتل اُلٹ دیا گوشہ آستیں کا

امیر دیکھا جو اُسکا نقشہ تو نقشہ یوسف کا دل سے اُترا
کہ نقش ثانی کے آگے بیتا فروغ کیا نقش اولیں کا

ردیف بائے موحدہ

سیکھ کر مجھ نالہ کش سے طرز افغاں عندلیب — [illegible] گلشن میں ہوئی ایسی خوش الحان عندلیب
ہو گئی عاشق قد و عارض کا جو گلشن سے چلوں — فاختہ پکڑے مرا دامن گریباں عندلیب
رحم کر یوں پھول بیدردی سے گلچیں نہ توڑ — [illegible] نالوں سے اُٹھا لیگی گلستاں عندلیب
فصل گل آنے تو دو اُڑ جائیگا پیکر قفس — خانہ صیاد میں [illegible] عندلیب
برق سا ہے فرو زاں خندۂ گل باغ میں — [illegible] عندلیب
چھوڑ کر تیرے رخ رنگیں کو [illegible] — گل [illegible] کس لئے [illegible] عندلیب
فصل گل میں پھول دکھلا ئیں یہ پر نکلا جا — [illegible] عندلیب
عاشق کامل کو وصلت سے زیادہ ہے ملال — [illegible] عندلیب
کون گل ہے جو رخ گلرنگ پہ عاشق نہیں — [illegible] عندلیب
جو پسند آ جائے عاشق کو وہی معشوق ہے — [illegible] ہے فدا ہے گل پہ قرباں عندلیب
ہو کے گل خود شوق میں پہنچا جو دربار تک — کس لئے [illegible] سے ہو دست گریباں عندلیب
ذکر ہے [illegible] باغبان کے گل [illegible] — ہوا [illegible] گل دستگرداں عندلیب
[illegible] میں [illegible] باغ [illegible] — [illegible] ہو خون گل [illegible] عندلیب
تا بوئے صیاد میں آتی کبھی ممکن نہ تھا — [illegible] کبھی [illegible] گیسوئے پیچاں عندلیب

وہ بھی دن آئے کہ اُترے تیرے صدقے میں کبھی
اے گل تر دل میں رکھتی ہے یہ ارماں عندلیب

فاتحہ خوانی کو جب وہ گلبدن آیا امیر
بن گئے سب ساکنِ شہر خموشاں عندلیب

کیا ہنسی ہے گریۂ عشاق مضطر کا جواب
سو پہر کچھ بے سوالِ روز محشر کا جواب

درد پا ہوگا شکستِ کاسۂ سر کا جواب
غافلوں کو دیگی میری لاش ٹھوکر کا جواب

منہ چڑھاتا ہے مرا کیا آئینے میں دیکھ تو
تجھ کو دیتا ہے دہن تیرا برابر کا جواب

شوق سے لکھیں مرے عصیاں فرشتے رات دن
اک نگہِ رحمت اُسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب

ایکدن وہ میرے گھر ہے ایکدن وہ اُسکے گھر
غیر کی قسمت بھی ہے میرے مقدر کا جواب

جب میں کہتا ہوں کہوگے کیا خدا کے سامنے
کہتے ہیں تم کو بتادیں روز محشر کا جواب

نرم دل سے نرم دل ہیں سخت گو سے سخت گو
شیشے کا شیشہ یہاں پتھر کو پتھر کا جواب

بے زباں ہے گوش یاروں کی کڑی کیونکر سنے
اے زباں تو اُسکے بدلے دے برابر کا جواب

اُس نے خط بھیجا جو مجھ کو ڈاک پر ڈاکا پڑا
یار کیا لکھتا نہ تھا میرے مقدر کا جواب

منہ چڑھاؤ اور کا تیوری چڑھاؤ اور پہ
آئینہ ہیں آپ منہ پہ دونگا میں برابر کا جواب

کسمسانے سے ڈرتے ہو گلے سے آؤ تو بھی
پانووں کی خلخال دیگی شور محشر کا جواب

پھینکدو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو
اُڑ کے آئیگا جو ہے میرے مقدر کا جواب

منہ کی کھائی سیکڑوں بال آئینے میں پڑ گئے
لیکے آیا تھا تری زلف معنبر کا جواب

رہ گیا خاموش وہ بت بدہانی سے امیر
یا نہ تھا کوئی سوال جان مضطر کا جواب

ہے خموشی ظلم چرخ دیو پیکر کا جواب
آدمی ہوتا تو ہم دیتے برابر کا جواب

جو بگولا دشت غربت میں اٹھا سمجھا یہیں
کرتی ہے تعمیر ویرانی مرے گھر کا جواب

ساتھ خنجر کے چلیگی وقت ذبح اپنی زباں
جان دینے والے دیتے ہیں برابر کا جواب

سجدہ کرتا ہوں جو میں ٹھوکر لگاتا ہے وہ بت — پانوں اُسکا بڑھ کے دیتا ہے مرے سر کا جواب
ابر کے لگے نہ آنکھیں میری موج اشک سے — خشک مژدوں سے ہے مشکل بصرۂ تر کا جواب
وہ کھنچا تھا میں بھی کھنچ رہتا تو بنتی کسطرح — سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب
جیتے جی ممکن نہیں اس شوخ کا خط دیکھنا — بعد میرے آئیگا میرے مقدر کا جواب
شیخ کہتا ہے برہمن کو برہمن اُسکو سخت — کعبہ و بتخانہ میں پتھر ہے پتھر کا جواب
روز دکھلاتا ہے گردوں کیسی کیسی صورتیں — بت تراشی میں ہے یہ کافر بھی آزر کا جواب
ہر جگہ در پر گدا بیٹھے ہیں - ہما گو رستاہ — ایک گھر اس شہر میں ہے دوسرے گھر کا جواب

جلوہ گر ہے نور حق ہونے سے یکتائی امیر
سایہ بھی ہوتا اگر ہوتا پیمبر کا جواب

پلا ساقیا ارغوانی شراب — کہ پیری میں دے نوجوانی شراب
وہ شعلہ ہے ساقی کہ ریحان کی طرح — اُڑا دیتی ہے ناتوانی شراب
کہاں بادۂ نیش نقد یہیں — پیوں میں تو ہو جائے پانی شراب
نہ لایا ہے شیشہ نہ جام و سبو — پلاتا ہے ساقی زبانی شراب
کہاں عقل برنا کہاں عقل پیر — نئی سے ہے بہتر پرانی شراب
مرے چہرۂ زرد کے عکس سے — ہوئی ساقیا زعفرانی شراب
ہوئے مست دیکھا جو پھولوں کا رنگ — پیالوں میں تھی ارغوانی شراب
کہاں چشمۂ خضر کیسے خضر — خضر میں مری زندگانی شراب
خضر ہوں اگر میں تو جا کر پیوں — سر چشمۂ زندگانی شراب
گلستاں ہے پھولوں سے کیا لعل لعل — چلے ساقیا ارغوانی شراب
عجب ساقی گندمی رنگ ہے — کہ پر آسے بنتی ہے دھانی شراب
رہے طاق پر پارسائی امیر — پلائے جو وہ یار جانی شراب

لائے گا رنگ خونِ دلِ داغدار کب
آئیگی اس چمن میں الٰہی بہار کب

رویا ہمارے حال پر ابرِ بہار کب
بیٹھا زمیں پر اٹھ کے ہمارا غبار کب

اُٹھے گا میری خاک سے یارب غبار کب
آئے گا ہاتھ گوشۂ دامانِ یار کب

مقتل سے وہ پھرے تو قضا نے یہ عرض کی
حاضر ہوا اب حضور میں یہ جاں نثار کب

داغوں سے دل چمن ہی کر دو ضبط آہ کا
رکتی ہے روکنے سے نسیمِ بہار کب

ناصح خوشی سے کون اُٹھاتا ہے بارِ عشق
کرتا ہے کوئی آپ سے جبر اختیار کب

ٹھنڈی ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے نہر ہے
کھیلوگے میکشو بطِ مے کا شکار کب

ہمکو ملا کے خاک میں بھی جب ہوئے نہ صاف
جائیگا پھر حضور کے دل سے غبار کب

کہتی ہے مرغ دل سے یہ وہ چشم فتنہ گر
بچتا ہے زد پر آکے ہمارا شکار کب

کیا کیجئے گلہ کہ نہ آیا وہ دفن کو
مرنے کا میرے اُن کو ہوا اعتبار کب

میں خاک بھی ہوا تو ہوئی خاک گردباد
گردش مٹیگی اے مرے پروردگار کب

محشر میں ایک ایک سے ہم پوچھتے پھرے
آخر تمام ہوگا غمِ انتظار کب

آئے ہما کو بھی نہ مرے استخواں پسند
خوش ہوگا ان کو کھا کے سگِ کوئے یار کب

برہم نسیم کو چہرۂ جاناں ہے کس لیے
تعظیم کو اُٹھا نہ ہمارا غبار کب

جسکا دماغ ہو ترے جوڑے کی بو سے مست
سونگھے وہ بوئے نافۂ مشکِ تتار کب

ہم کیا سمجھ کے یار سے رکھیں امید قتل
کرتا ہے عاشقوں میں وہ ہم کو شمار کب

یارب نگاہ بھر کے وہ دیکھینگے کب ادھر
ہوگا یہ تیر میرے کلیجے کے پار کب

میں تو تڑپ تڑپ کے ہوا عشق میں تمام
آئے گا چین تجھ کو دلِ بے قرار کب

کیا بیکسی کا شکوہ کروں میں فراق میں
آتا نہیں ہے گریۂ بے اختیار کب

جو تجھ کو جانتے ہیں فلک کا شریکِ غم
کہتے ہیں شکوۂ ستمِ روزگار کب

مرنے کو منع ہم نہیں کرتے مگر امیر
سو مر گئے تو اُن کو ہوا اعتبار کب

# ردیف تاءِ فوقانیہ

کیوں نہ کھٹکے مجھے جو خار ہے بر تن دوست
دوست کے دوست کا دشمن ہے جو ہے دشمن دوست

دیکھ کر ربط گل و خار یہ امید ہوئی
شاید آجائے مرے ہاتھ میں بھی دامن دوست

نقل یعقوب یہ آنکھیں بھی روشن ہوجائیں
لا کسی روز صبا نکہت پیراہن دوست

طرف کعبہ نہ جا حج کے لئے ناداں ہے
غور کر دیکھ کہ ہے خانۂ دل مسکن دوست

ملک الموت سے کہہ دو کہ نہ تکلیف کریں
مرگ آساں ہے مگر کون سنے شیون دوست

شاخ صندل پہ ہوا مار سیہ کا دھوکا
دیکھ کر کاکل پر پیچ پس گردن دوست

اے جنوں یاں کوئی بے کار رہا جاتا ہے
یا گریباں ہے مرے ہاتھ میں یا دامن دوست

ہم تو نظارے سے محروم خدا کی قدرت
آئینہ اور تماشائے رخ روشن دوست

رہ گیا شوق مری لاش کو پامالی کا
گرم جولاں نہ کسی روز ہوا توسن دوست

ہے وصیت کہ کفن مجھ کو اسی کا دینا
ہاتھ آجائے جو اترا ہوا پیراہن دوست

لے کے گردوں نے بنایا ہے اسی کو مہ نو
گر پڑا تھا جو کوئی نعل سم توسن دوست

عکس ہر عضو کا ہر عضو میں کیونکر نہ دکھے
کہیں آئینے سے بڑھ کر ہے صفائے تن دوست

کیوں نہ محبوس ہو فانوس کا دھوکا ہو اسیر
شمع روشن سے زیادہ ہے فروغ تن دوست

ایک ہے میرے حضر اور سفر کی صورت
گھر میں ہوں گھر سے نکلا بھی نظر کی صورت

چشم عشاق سے پنہاں ہو نظر کی صورت
وصل سے جان چراتے ہو کمر کی صورت

ہوں وہ بلبل کہ جو چھپا دئے کانٹے مرے پہ
گر گئے پھول ہر اک شاخ سے پر کی صورت

جھانک کر روزن دیوار سے وہ تو بھاگے
رہ گیا کھول کے آغوش میں در کی صورت

تیغ گر دن پہ کہ ہے سنگ پہ آہیں دم ذبح
خون کے قطرے نکلتے ہیں شرر کی صورت

کون کہتا ہے ملے خاک میں آنسو میرے
چھپ رہے گرد یتیمی میں گہر کی صورت

نہیں آتا ہے نظر المدد اے خضر اجل
جادۂ راہ عدم موئے کمر کی صورت

پڑ گئیں کچھ جو مرے گرم لہو کی چھینٹیں
اڑ گیا جوہر شمشیر شرر کی صورت

قبر ہی وادی غربت میں بنے گی اکدن
اور کوئی نظر آتی نہیں گھر کی صورت

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

آفت آغاز جوانی ہی میں آئی مجھ پر
بجھ گیا شام سے دل شمع سحر کی صورت

جلوہ گر بام پہ وہ مہر لقا ہے شاید
آج خورشید سے ملتی ہے قمر کی صورت

دہن یار کی توصیف کڑی منزل ہے
چست مضمون کی بندش ہو کمر کی صورت

نو بہار چمن غم ہے عجب روز افزوں
بڑھتی جاتی ہے گرہ دل کی ثمر کی صورت

ہوں بگولے کی طرح سے میں سراپا گردش
رات دن پانوں بھی چکر میں ہیں سر کی صورت

بارش سنگ حوادث ہو نہ کس طرح امیر
آہ ہے شکل شجر اشک ثمر کی صورت

رنگ فق صبح کو کیوں ہو نہ سحر کی صورت
پھرتے ہیں شام سے شب بھر وہ قمر کی صورت

دل شکستہ میں وہ ہوں خط جو کبوتر کو دیا
گر پڑا اڑتے ہی ٹوٹے ہوئے پر کی صورت

ہوش اڑے تھے تو اڑے تھے خبر وصلت سے
نیند کیوں اڑ گئی آنکھوں سے خبر کی صورت

چمن دہر سے کیوں قطع نہ ہو نخل مراد
پتا پتا نظر آتا ہے تبر کی صورت

جھک گیا بار محبت کے اٹھانے کے لئے
ابھی کھنچ بھی نہ چکی تھی مرے سر کی صورت

دیکھتے ہی مجھے جو رنگ کیا قاتل نے
تیغ ابرو بھی چلی تیر نظر کی صورت

سایہ آسا ترے کوچہ میں ہے سب سے مجھے رسم
راہ دیوار بھی دیگی مجھے در کی صورت

باندھ رکھ کیسئہ گرہ میں کہ بہت تھوڑی ہے
آبرو ہے جو خداداد گہر کی صورت

رات دن کعبۂ دل میں ہے بتوں کا مجمع
کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت

شکوہ کس کس کا الٰہی میں شبِ ہجر کروں
منھ چھپایا ہے اجل نے بھی سحر کی صورت

اس نزاکت پہ میں سو جان سے صدقے قاتل
ہاتھ بھی تیغ لچکتی ہے کمر کی صورت

وہ تہیدست ہوں مذکورِ تمتّع کا ہے کیا
صورتِ گل بھی نہ دیکھی کبھی زر کی صورت

طرفہ آنکھوں کو دکھاتی ہے تماشا تری بزم
پتلیاں دوڑتی پھرتی ہیں نظر کی صورت

عمر گذری ہے مری وادیِ غربت میں مگر
اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت

شہپرِ شوق ہی کافی ہے کبوتر کیسا
اُڑ کے نامہ مرا پہونچیگا خبر کی صورت

سینچ اے دیدۂ تر مزرعِ دل کو والیا
نخلِ ماتم بھی پھلے پھولے شجر کی صورت

قبر میں چین سے یاروں کی گذرتی ہے امیرؔ
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں گھر کی صورت

بات کرنے میں تو جاتی ہے ملاقات کی رات
کیا بڑی بات ہے رہ جاؤ یہیں رات کی رات

ذرّے افشاں کے نہیں کرمکِ شبتاب سے کم
ہے وہ زلفِ عرق آلود کہ برسات کی رات

زاہد اُس زلف میں پھنس جائے تو اتنا پوچھوں
کہیے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات

شام سے صبح تلک چلتے ہیں جامِ مئے عیش
خوب ہوتی ہے بسر اہلِ خرابات کی رات

وصل چاہا شبِ معراج تو یہ عذر کیا
ہے یہ اللہ و پیمبر کی ملاقات کی رات

ہم مسافر ہیں یہ دنیا ہے حقیقت میں سرا
ہے توقف ہمیں اس جا تو فقط رات کی رات

چل کے اب سو رہو باتیں نہ بناؤ صاحب
وصل کی شب ہے نہیں حرف و حکایات کی رات

لیلۃ القدر ہے وصلت کی دعا مانگ امیرؔ
اس سے بہتر ہے کہاں کوئی مناجات کی رات

بڑھکے کچھ کعبے سے بھی ہے عز و شانِ کوئے دوست
ہیں غزالانِ حرم صیدِ سگانِ کوئے دوست

کیا زمیں پکڑی ہے ظالم نے میانِ کوئے دوست
پھٹ پڑے دشمن پہ یارب آسمانِ کوئے دوست

دور سے آئے ہیں ہم اے ساکنانِ کوئے دوست
دو جگہ ہمکو بھی تھوڑی سی میانِ کوئے دوست

کی مشقت جسنے پہنچا وہ میان کوئے دوست
معتکف چلہ نشیں ہیں ساکنان کوئے دوست

باغ جنت پر بھی دیتا ہوں اسے ترجیح میں
کون ہے مجھ سے زیادہ قدردان کوئے دوست

رہتے ہیں تسبیح میں تقدیس میں تہلیل میں
قدسیوں سے کم نہیں ہیں ساکنان کوئے دوست

الفلاک و امثل نرگس دیر سے ہے چشم شوق
جلد دکھلا دے بہار بے خزان کوئے دوست

جھک گئی گردن گریباں کیطرف جب وقت فکر
نحن اقرب سے ملا ہمکو نشان کوئے دوست

ہے یقیں ہو رجعت خورشید سے جلدی سحر
حکم حیدر ہے صدائے پاسبان کوئے دوست

گلشن جنت کی کیا پروا ہے اے رضواں ہمیں
ہیں جو مشتاق بہشت جاودان کوئے دوست

بلبلوں کے چہچہے جب باغ میں جا کر سنے
یاد آئے ہمکو کیا کیا پاسبان کوئے دوست

اے ہما بیفائدہ تو نے قدم رنجہ کیا
مستحق ان ہڈیوں کے ہیں سگان کوئے دوست

دیکھوں اے واعظ کسے سنتے ہیں ایسے معنیاں
وصف تو فردوس کا کریں بیان کوئے دوست

جب کھلا تفسیر سے مضمون جنات نعیم
ہیں یہ سمجھا ہے یہ قرآں میں بیان کوئے دوست

میرے اشکوں سے جو دریا موجزن ہے رات دن
مردم آبی بنے ہیں رہروان کوئے دوست

ہے نیا عالم ہی اس عالم سے وہ عالم جدا
اور ہی کچھ ہیں زمین و آسمان کوئے دوست

جب قدم رکھا زمیں پر آسماں پر جا پڑا
بارہا ہم نے کیا ہے امتحان کوئے دوست

نامہ بر میں جانتا ہوں پر بتا سکتا نہیں
دل میں ہے لب تک نہیں آتا نشان کوئے دوست

چاہتے ہو اب لو اس کو بغل میں اے امیر
بوستاں سعدی کی ہمرا بوستان کوئے دوست

## ردیف ثائے مثلثہ

گریہ بے سود ہے نالے دل ناشاد عبث
دادرس کوئی نہیں شکوۂ بیداد عبث

کھنچ گئی روح بدن سے تری شمشیر کیساتھ
حوصلہ وار لگانے کا ہے جلاد عبث

ایک رنگ آتا ہو یاں ضعف سے اک جاتا ہو ۔۔۔ رنگ بھرنا مرے نقشے میں ہو بہزاد عبث
بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤں گا کہاں ۔۔۔ بند کرتا ہو قفس میں مجھے صیاد عبث
ایک مشتاق شہادت بھی تو جوہر نہ ہوا ۔۔۔ تجھ میں جوہر ہیں یہ اے خنجر فولاد عبث
وہ گل آیا ہو نہ آئیگا کبھی گلشن میں ۔۔۔ سرو قد اٹھتے ہیں تعظیم کو شمشاد عبث
داد بھی دیگا وہی جس نے یہ کی ہو بیداد ۔۔۔ دوڑتی پھرتی ہو ہر سو مری فریاد عبث
لاکھوں گھر اور ہیں دلبیں مرے کیا رکھا ہو ۔۔۔ کرتی ہو خانہ خرابی اسے برباد عبث
عمر رفتہ پہ تاسف سے نہیں کچھ حاصل ۔۔۔ وہ نہیں بھول گئے کرتے ہیں ہم یاد عبث
سنکے درد دل عشاق یہ کہتا ہو وہ بت ۔۔۔ بندے اللہ کے ہو مجھسے ہو فریاد عبث
بال بال اسکا گرفتار بلا ہوتا ہے ۔۔۔ بندۂ عشق کو سب کہتے ہیں آزاد عبث
جان دی کام میں معشوق کے سب کچھ پایا ۔۔۔ کون کہتا ہے کہ تھی محنت فرہاد عبث

انبیا تک رہے پابند شریعت کے امیر
ظاہری قید سے گھبراتے ہیں آزاد عبث

## ردیف جیم

تمنے سے تیرے یاس ہوئی مجھکو یار آج ۔۔۔ کل تک ترا شفاعت کا ہو انتظار آج
مجنوں کی قبر سے ہو اٹھا پھر سوار آج ۔۔۔ گذرا ادھر سے کیا کوئی محمل سوار آج
تم بھی بناؤ کر کے چلو سیر باغ کو ۔۔۔ نکھرا ہوا ہے رنگ عروس بہار آج
قاتل جو یوں ہی روز ترقی ہو حسن کی ۔۔۔ کل تنتو ہوئے تھے قتل مریں گے ہزار آج
ہاں سچ ہے قید بوسۂ گیسو کی ہو سزا ۔۔۔ کل کا نکالتے ہیں وہ مجھ سے غبار آج
کل تک تو میرے سایے سے تم بھاگتے تھے روز ۔۔۔ بیٹھے ہو پاس آکے کہو کیا ہے یار آج
حسرت سے بعد مرگ بھی آنکھیں کھلی رہیں ۔۔۔ سمجھے تھے ہم تمام ہوا انتظار آج

مدِ نظر بتوں کو مرا امتحاں ہے اب
رہ جائے آبرو مری پروردگار آج

قاضی برہنہ سر ہے تو زخمی ہے محتسب
شاید کہ پی گئے ہیں بہت بادہ خوار آج

مشتاق قتل کون ہوا رات کو نثار
کھدتا ہے تیرے کوچے میں کس کا مزار آج

ہمدم دراز ہے شبِ فرقت تو غم نہیں
شب بھر رہے فسانۂ گیسوئے یار آج

کھینچے ہوئے ہیں تیغ وہ بڑھ بڑھ کے رکھ قدم
اے دل یہی تو وقت ہے ہمت نہ ہار آج

روتا ہے باغبان درِ گلشن پہ زار زار
شاید چمن سے ہوتی ہے رخصت بہار آج

کانٹوں میں لیے چلا ہے جنوں مجھ کو کھینچتا
باقی رہے گا ایک نہ دامن میں تار آج

کل تک انھیں بھی صاف مٹا دیگا آسماں
باقی کہیں کہیں ہیں جو نقش و نگار آج

قاتل نے ہاتھ روک لیا کیا غضب کیا
مایوس ہو گیا دلِ امیدوار آج

رہ رہ کے ہچکیاں مجھے آتی ہیں کیوں امیر
کرتے ہیں یاد کیا وہ مجھے بار بار آج

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج
پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج

پھولیگا خوں سے دشت میں پھر لالہ زار آج
تھالوں سے چھیڑ کرتی ہے پھر نوکِ خار آج

بولے وہ عکس دیکھ کے چشمِ سیاہ کا
آئینہ کھیلتا ہے ہرن کا شکار آج

تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی
کل پی تھی جو شراب ہے اسکا خمار آج

جاگا ہوں عمر بھر کا ذرا اب تو سو رہوں
کہہ دو رہے خموش چراغِ مزار آج

میری تڑپ کو دیکھ کے ایسی ہے بیقرار
مشتاقِ صبح خود ہے شبِ انتظار آج

جھنجھلا کے بوسۂ لبِ جاں بخش پر کہا
کچھ موت تو نہیں ترے سر پر سوار آج

حوریں جناں میں بیٹھی ہیں دامن سمیٹ کر
اٹھا ہے کس کی خاک سے یارب غبار آج

گرمِ خرام رات کو ہوگا لحد پہ یار
ہر نقشِ پا بنے گا چراغِ مزار آج

بسمل نظر سے راہ میں لاکھوں ہیں مرغِ دل
گھر بیٹھے آپ کھیل رہے ہیں شکار آج

منظور کس کا قتل ہے تیغ نگاہ سے
پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج

میکش ہیں زیر سایۂ انگور نالہ کش
ساقی چمن میں تیری پڑی ہے پکار آج

وہ کیا شب فراق میں کوئی نہ آئے گا
بیفائدہ ہے موت کا بھی انتظار آج

پہلو میں غیر کے ہے مقرر وہ جان جاں
دل کو کسی طرح نہیں آتا قرار آج

کل تک سواری آئے یقیں ہے بہار کی
نکلا ہے پیش خیمۂ ابر بہار آج

سر پہ ہے ابر ساقی و مطرب ہیں سامنے
اللہ رے جوش رحمت پروردگار آج

قدموں پہ اُسکے ہمکو تڑپ کر گرا دیا
کیا کام آگیا ہے دل بے قرار آج

کل تک جو کچھ دکھایا ہے دیکھا ہے دیکھئے
دکھلائے کیا مشیت پروردگار آج

روتے ہیں پھوٹ پھوٹ کے کیوں آبلے امیر
دیکھو تو ٹوٹی ہے کوئی کیا نوک خار آج

جلے تمہارے رخ آتشیں سے دامن موج
یہ شعلہ وہ ہے جو بنجائے برق خرمن موج

یہ انتظار ہے ساحل کس کے آنیکا
سر حباب ہے اونچا بلند گردن موج

خیال زلف میں کرتے ہیں ہم تری کا سفر
لپٹ نہ جائے کہیں اُڑ کے مار رہزن موج

یہ خوف ہے تری ابرو کی تیغ کا قائل
کہ آج تک نہیں جاتا ہے رعشۂ تن موج

عبث ہے تجھ کو فریبوں سے چشم دادرسی
سنے نہ بحر میں گوش حباب شیون موج

ہمارے رونے پہ آتی نہیں کسے رقت
حباب روتے ہیں آنکھوں پہ رکھکے دامن موج

یہ خوف ہے تری تیغ نگہ کا دریا میں
کہ چشم مردم آبی ہے زیر جوشن موج

فقط نہ دیدۂ تر سے نگوں ہے چشم حباب
خمیدہ شرم مژہ سے ہوئی ہے گردن موج

ڈبو رہا ہے مجھے بحر کس خطا پہ امیر
حباب کا نہ مخالف ہوں میں نہ دشمن موج

دینار کی نہ ہم کو درم کی ہے احتیاج
بس تیری اک نگاہ کرم کی ہے احتیاج

خط عذار یار رقم بے رقم ہوا ۔ اس خط کو کیا دوات و قلم کی ہے احتیاج
دل انکے کیف مے میں ہیں جام جہاں نما ۔ کب میکشوں کو ساغر جم کی ہے احتیاج
اشکوں کیساتھ عشق میں لازم ہے آہ بھی ۔ جو ہو سیاہ اسکو علم کی ہے احتیاج
ہم سینچتے ہیں آنسوؤں سے اپنی کشت کو ۔ اے ابر کسکو تیرے کرم کی ہے احتیاج
بے احتیاج کوئی نہیں اس جہان میں یا ۔ ناوک کو پر کی تیغ کو دم کی ہے احتیاج
ہر سنگ سجدہ گاہ ہے شوق سجود میں ۔ ساجد کو دیر کی نہ حرم کی ہے احتیاج
کب بھوک میں ہوں طالب نان تجھسے اے فلک ۔ ہاں ہے اگر تو سنگ شکم کی ہے احتیاج

وعدہ کیا ہے اس نے تو آئے گا وہ امیر
کچھ اُس سے قول کی نہ قسم کی ہے احتیاج

## ردیف حائے حطی

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح ۔ کردیں تم تو بدلے تیور زمانے کی طرح
دیدۂ دلمیں مرے رکھا ہے کیا اے تخم اشک ۔ رنگ پیدا کر زمیں میں گر کے دانے کیطرح
صورت آئینہ ایدل تا کجا دیدار رخ ۔ خاک چھان اب کوچۂ گیسو میں شانے کیطرح
درد دل اوّل تو وہ عاشق کا سنتے ہی نہیں ۔ اور جو سنتے ہیں تو سنتے ہیں فسانے کیطرح
ناوک انداز نگہ اچھی نہیں یہ تاک جھانک ۔ اڑ نہ جائے دیکھنا کوئی نشانے کیطرح
بادہ خوارو تمکو کیا خورشید محشر کا ہے خوف ۔ چھا رہا ہے ابر رحمت شامیانے کی طرح
جب کبھی آتا ہے دلمیں تیری چوٹی کا خیال ۔ چوٹ پڑتی ہے جگر پر تازیانے کی طرح
چشم فتاں اُنسے کہتی ہے اگر ارشاد ہو ۔ ہم بھی کچھ نیرنگ دکھلائیں زمانے کیطرح
ایکبار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے ۔ پھونک دے مجھکو بھی میرے آشیانے کیطرح
تم تو آتے ہی قیامت کرتے ہو صاحب بپا ۔ دلمیں آتے ہو تو آؤ گھر میں آنکی طرح

# ردیف خائے معجمہ

کیا کیا جلا ہے دیکھ کے رنگِ شرابِ سرخ
غصے سے ہو گیا ہے رخِ آفتاب سرخ

ہم رنگ اصل فرع نہ ہو گی کسی طرح
گل ہو ہزار سرخ نہ ہو گا گلاب سرخ

کشتہ جو تھا میں ایک بتِ سرخ پوش کا
ہاتھ آئی حشر میں مجھے فردِ حساب سرخ

ہم دل جلوں کا سینہ ہے میخانے کا جواب
واں ہے شرابِ سرخ یہاں ہے کبابِ سرخ

رہتا ہے دل میں بادۂ گلرنگ کا خیال
ساقی رہے نہ کیوں مری چشمِ پر آب سرخ

غازہ جو اُسنے رات کو منھ پر لگا لیا
مانند آفتاب ہوا ماہتاب سرخ

فرقت میں یاد وہ رخِ گلگوں جو آ گیا
خون روئے اسقدر کہ ہوا فرشِ خواب سرخ

قاصد سمجھ گیا میں یہ آیا ہے قتل کا
شنجرف سے لکھا مجھے اُسنے جواب سرخ

چھو لے جو اپنے دستِ نگاریں سے وہ نگار
یاقوت کیطرح سے ہو دُرِ خوشاب سرخ

چھنتا ہے نورِ عارضِ گلگوں سے اسقدر
ہو جاتی ہے سفید بھی اُسکی نقاب سرخ

اُبھرا جو اُس نگار کا جوبن شباب میں
دریائے حسن میں نظر آئے حباب سرخ

پرتو سے تیرے شانِ جمال و جلال کی
ہے روئے مہ سفید رخِ آفتاب سرخ

مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو
بلور کی پیالیوں میں ہے شراب سرخ

خونریزیاں ٹپکتی ہیں قاتل کی وضع سے
جوڑا گلے میں سرخ کمر میں ہے داب سرخ

مہندی لگا کے ہاتھ جو دھوئے وہ گلبدن
پانی ہو کیوں نہ طشت میں مثلِ خضاب سرخ

مطلب نہیں امیر کو حور و قصور سے
ساقی ہو سبز رنگ الٰہی شراب سرخ

---

اے جنوں اب اور ہی دکھلا کوئی عالم وسیع — تنگ ہے مجھ پر یہ عالم قید خانے کی طرح

در سے کعبے کے نہیں اٹھتا ہے اپنا اس لئے — اسمیں بھی کچھ کچھ ہے تیرے آستانے کی طرح

چار دن کو کیسی طرح آشیاں اے عندلیب — ڈالیوں پر کاٹ دیں دن آشیانے کیطرح

او کماں ابرو ادھر بھی سرسری کوئی نگاہ — تیر کے مشتاق ہم بھی ہیں نشانے کی طرح

دلکو آجاتا ہے یاد سوزنِ مژگاں سے جبین — زخم میں اچھی ہے یہ ٹانکے لگانے کی طرح

کتنے بیدرد اس زمانے کے اطبا ہیں امیرؔ
حال بیماروں کا سنتے ہیں فسانے کیطرح

جبدن وہ رشکِ مہر مجھے منھ دکھائے صبح — تا روزِ حشر شام نہو اے خدائے صبح

پیرِ مغاں کی بزم میں بختِ سیہ کہاں — جنت میں جیسے شام نہیں ہے سوائے صبح

ہنگامہ میکشی کا مناسب ہے گرم ہو — کیا سرد سرد چلتی ہے ساقی ہوائے صبح

ایسا کیا ہے چرخ نے کوتاہ روزِ وصل — کیا دور ہے جو شام ہو پیدا بجائے صبح

اہلِ جہاں بخیل ہیں ممسک ہیں نحس ہیں — اللہ روئے زشت نہ انکا دکھائے صبح

ایسا شبِ فراق کیا ہم نے انتظار — آنکھیں سفید ہو گئیں اپنی برائے صبح

پوچھو نہ کچھ جوانی و پیری کی سرگذشت — یہ ماجرائے شام ہے وہ ماجرائے صبح

صبحِ شبِ وصال یہ روتا ہوں میں لہو — مثلِ شفق ہے سرخ سراپا ردائے صبح

شادی کی رکھ امید جو غم کا ہو سامنا — بعد سوادِ شب ہے ظہورِ ضیائے صبح

مشکل سے ہوتی ہے شبِ فرقت اگر تمام — ڈرتا ہوں کوئی اور نہ فتنہ جگائے صبح

صورت شبِ وصال کی آتی ہے کب نظر — تاثیر ایک دن نہیں کرتی دعائے صبح

ہوتے ہی صبح گھر سے سدھارا وہ مہر وش — کیوں آتشِ شفق سے نہ مجھکو جلائے صبح

میرے جنوں کا پنجۂ خورشید میں ہے رنگ — کرتا ہے چاک چاک بخیہ قبائے صبح

بیجا ہے دخل غیر شبِ وصل اے امیرؔ — دروازہ بند کیجیے آنے نہ پائے صبح

# ردیف دال مہملہ

کون اُٹھائیگا تمہاری یہ جفا میرے بعد
یاد آئیگی بہت میری وفا میرے بعد

ہوں وہ نالاں کہ ہوا تے لئے مرنیکی خوشی
چین سے سوئیگی سب خلقِ خدا میرے بعد

جتنا جی چاہے بلاؤں میں پھنسا لو مجھکو
کوئی پاؤ گے نہ مشتاقِ بلا میرے بعد

یہ وصیت مری مرقد پہ یہ لکھدیں احباب
کہ کرے کوئی کسی سے نہ وفا میرے بعد

شکر ہے کچھ تو محبت میں ہوا رنگ اثر
تمیں دن اُسنے لگائی نہ حنا میرے بعد

کون ماتم میں ہے یوں دل کا جلانیوالا
گل ہوئی شمعِ مزارِ شہدا میرے بعد

ضعف میں ہے تنِ مجنوں بھی یہ تو لیکن
ہے وہ عالم میں تو انگشت نما میرے بعد

مرگیا ہوں میں صنم تیری فراموشی پر
یاد کرنا نہ مجھے بہرِ خدا میرے بعد

تھا وہ بلبل کہ جگر میں مرے کانٹا کھٹکا
چمنِ حسن میں جو پھول کھلا میرے بعد

خون مرا کرکے بہت ہاتھ ملے قاتل نے
نہ جما پر نہ جمایا رنگ حنا میرے بعد

تھی مرے دم سے فقط اس کے ستم کی تیزی
نہ رہے جوہرِ شمشیرِ جفا میرے بعد

میرے مرتے ہی ملا خاک میں یہ اوجِ جنوں
دشت میں کوئی بگولا نہ اُٹھا میرے بعد

نگہِ ناز سے مارا نہ کسی کو اُس نے
یار سے کھنچ نہ سکی تیغِ ادا میرے بعد

خوش خطوں نے نہ کسیکو بھی کیا زیر و زبر
یک قلم چھوٹ گئی مشقِ جفا میرے بعد

زینتِ محفلِ اربابِ سخن تھا میں امیر
نہ رہی رونق بزمِ شعرا میرے بعد

موت پھر جاتی ہے آنکھوں میں اگر آتی ہے نیند
رات بھر پردے ہی پردے مجھکو دکھلاتی ہے نیند

ہجر میں مجھ تک جو آتی ہے تو گھبراتی ہے نیند
ناگ کر پلکو بنے پر آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

دیکھتا ہوں اُنکی پلکوں کو جو آجاتی ہے نیند
جان کر دیوانہ مجھے تنکے چنواتی ہے نیند

ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند ۔ اور یک بک سے ترے ناصح اڑی جاتی ہے نیند
درد دل کہتا ہوں میں جب رات کو کہتے ہیں وہ ۔ ختم کیجے یہ کہانی اب ہمیں آتی ہے نیند
تیرے جگنو کا اگر آنکھوں کو بندھتا ہے خیال ۔ کرمک شب تاب بنکر صاف اڑ جاتی ہے نیند
ایکدم کو تو کرم فرما اگر ہو ہجر میں ۔ اے اجل دیکھوں تو پھر کیونکر نہیں آتی ہے نیند
جاگتے میں جو فرشتوں کو نہیں آتا نظر ۔ وہ تماشا خواب میں انساں کو دکھلاتی ہے نیند
جانتے ہو بند کیوں ہوتی ہیں آنکھیں وقت خواب ۔ اہل بینش چشم پوشی تم کو سکھلاتی ہے نیند
لیٹتا ہوں روز یہ کہکر میں مشتاق جمال ۔ آج دیکھوں سیر کیا کیا مجھکو دکھلاتی ہے نیند
غفلت پیری ہے اب تھی نوجوانی تک ترنگ ۔ رات کے جاگے ہوئے کو جیسے آجاتی ہے نیند
غافلوں کو اور غافل میری صحبت نے کیا ۔ آگئی غفلت کو غفلت نیند کی ماتی ہے نیند
ڈرتی ہے میرے سیہ خانے میں جو آتی ہوئی ۔ موت کو ہمراہ لے لیتی ہے تب آتی ہے نیند
خواب میں ہر شب نظر آتے ہیں کیا کیا ماہ رو ۔ اختر طالع کو میرے روز چمکاتی ہے نیند
چشم وا ہے شام سے ہر چند در وا ہے کسطرح ۔ کیا ہجوم رنج ہے آنے نہیں پاتی ہے نیند
عین غفلت میں ہیں خوش اسطرح یہ اہل جہاں ۔ جیسے ہنس پڑتے ہیں لڑکوں کو جو آجاتی ہے نیند
سخت جاں ہوں ہجر میں پڑتی ہے گر تیغ اجل ۔ یوں اچٹ جاتی ہے وہ جیسے اچٹ جاتی ہے نیند
میں تو کیا محفل میں انکی جاکے سو جاتے ہیں یوں ۔ نرم بستر پا کے جیسے پانوں پھیلاتی ہے نیند
ہجر میں آرام کیسا ہم بھی شب بیدار ہیں ۔ کام کیا راحت کا کیوں تکلیف فرماتی ہے نیند

ہجر جاناں میں جو سو غمزدوں سے آتی ہے امیر
خفتگان خاک کی صورت سلا جاتی ہے نیند

چشم موسیٰ کو رہے برق سر طور پسند ۔ ہم کو اس چہرۂ پر نور کا ہے نور پسند
جتنے میوے چمن دہر میں ہیں ان سب میں ۔ تیرے مجروح کو ہے زخم کا انگور پسند
شکل ملتی ہے تری زلف سیہ سے کچھ کچھ ۔ کیوں نہ ہو ہم کو سواد شب دیجور پسند

اور نغموں سے نہیں بزم جہاں میں کچھ کام | اپنے کانوں کو تو ہے نغمۂ منصور پسند
کاش جراح چھڑک دے کہیں تھوڑا سا نمک | میرے زخموں کو نہیں مرہم کافور پسند
تیری تعریف کے ہیں کان ہمارے مشتاق | ذکر لیلیٰ کا نہ شیریں کا ہے مذکور پسند
تیرہ دل چاہیں نہ کیوں سارے جہاں میں اندھیر | شپرہ کو ہے سواد شب دیجور پسند
ہوں میں شاعر ہے مجھے شعر سے رغبت ایسی | جسطرح مست کو ہو بادۂ انگور پسند
کیوں کہی بات جو کہنے کی سزاوار نہ تھی | خود ہوا دار پہ رہنا تجھے منصور پسند
اک نظر میرے دل صاف کو دیکھے جو کبھی | آئینے کو نہ کرے وہ بت مغرور پسند
کاش کر راہ مرے گھر کی چلے اور طرف | یہ طریقہ نہیں مجھ کو کسی دستور پسند

تنگ آیا ہوں بہت اہل وطن سے میں امیر
کیوں نہ ہو دل کو وطن سے سفر دور پسند

آفت ہے یوں جہاں میں اہل ہوس کے گرد | ہو عنکبوت گھات میں جیسے مگس کے گرد
پھولوں کا ڈھیر روز لگاتے ہیں گلفروش | رہتا ہے پھول والوں کا میلا قفس کے گرد
گھیرے ہیں درد و غم دل نالاں کو عشق میں | یہ قافلے کا قافلہ ہے اس جرس کے گرد
ساقی وہ بادہ خوار ملامت پسند ہوں | ساغر بکف پھرا ہوں میں برسوں عسس کے گرد
گھیرے ہیں تیغ یار کو ایذا کشان عشق | مظلوموں کا ہجوم ہے فریاد رس کے گرد
دوران سر میں الفت لب کا یہ حکم ہے | بیمار بن کے پھر لے مسیحا نفس کے گرد
سر پھر گیا کسی کی پلک یاد آ گئی | دیکھا کبھی بھنور کو جو چکر میں خس کے گرد
عالم تمام بحث عقول عشرہ میں ہے | کیا سیر ہے کہ ایک زمانہ ہے دس کے گرد
سودائے زلف میں میں عزیز جہاں ہوا | البہ! مزا ملا کہ پھرا سانپ ڈس کے گرد

حسرت ہے دیدہ گنبد مولا کی اے امیر
آنکھوں کی پتلیاں ہوں تصدق کلس کے گرد

ہو بجا جس جا کوئے بت دل آگاہ میرا قاصد
کیا جانے کہاں بیٹھ رہا راہ میں قاصد

اس چاند سے مکھڑے کو لکھا میں نے خط شوق
لیجا مرے خط کو کہ الغیب [illegible] میرا قاصد

اس بت نے کہا آنا اگر مجھ تلک آتا
کیوں بیٹھ رہا خانۂ اللہ میں قاصد

مکتب میں [illegible] ہے وہ نہ خط
[illegible] مرے [illegible] میں قاصد

کیسا چمن کوچۂ جاناں میں گیا جلد
ٹھہرا نہ کہیں مثل صبا راہ میں قاصد

لے کر خبر یار پھر آئے جلد الٰہی
بھیجا ہے مجھے [illegible] بارگاہ میں قاصد

خط لے کے گیا ہے کئی گذرے ہیں مہینے
آتا ہے ادھر [illegible] گر راہ میں قاصد

خط اس نے لکھا [illegible] کہنا تو قسم کو
[illegible] حضرت [illegible] قاصد

ڈھیلی ہو کر [illegible]
گر جائے نہ خط [illegible] راہ میں قاصد

خط [illegible] ہوتے [illegible]
ہوتا ہے اثر [illegible] آہ میں قاصد

بھیجا تھا اختر اس کو تو اک بت کی گلی میں
[illegible] اللہ کی درگاہ میں قاصد

## ردیف دال مہملہ

خنجر قاتل نہ کر اتنا روانی پر گھمنڈ
سخت کم ظرفی ہے اک دو بوند پانی پر گھمنڈ

شمع کے مانند کیا آتش زبانی پر گھمنڈ
صورت پروانہ کر سوز نہانی پر گھمنڈ

ہے اگر شمشیر قاتل کو روانی پر گھمنڈ
بسملوں کو بھی ہے اپنی سخت جانی پر گھمنڈ

ناز اٹھانا کا ہے کے جو ملا ہے جا بجا
اب نہ کر تجھ کو ہے زور ناتوانی پر گھمنڈ

نوبت شاہی سے آتی ہے صدا شام و سحر
[illegible] کرے چار دن اس جہان فانی پر گھمنڈ

دیکھ او نادان کہ پیری کا زمانہ ہے قریب
کیا [illegible] ہو کر کرتا ہے جوانی پر گھمنڈ

چار ہی نالے ہمارے سن کے چپ ہو گئی
تھا بہت بلبل کو اپنی خوش بیانی پر گھمنڈ

عفو کے قابل مرے اعمال کب ہیں اے کریم — تیرکا رحمت پہ ہے تیری مہربانی پر گھمنڈ
شمع محفل شامت آئی ہے تری خاموش ہو — دل جلوں کے سامنے آتش زبانی پر گھمنڈ
طبع شاعر آکے زوروں پر کرے کیونکر نہ ناز — سب کو ہوتا ہے جوانی میں جوانی پر گھمنڈ
چار موجوں میں ہماری چشم تر کے بہہ گیا — ابر نیساں کو بہی تھا دُر فشانی پر گھمنڈ
دیکھنے والوں کی آنکھیں آپ نے دیکھی نہیں — حق بجانب ہے اگر ہے لن ترانی پر گھمنڈ
عاشق و معشوق اپنے اپنے عالم میں ہیں مست — واں نزاکت پر ہے یاں ہے ناتوانی پر گھمنڈ
تو ہی کلمہ ترا پڑھوا کے چھوڑوں اے صنم — زاہدوں کو ہے بہت تسبیح خوانی پر گھمنڈ
سبزہ خط جلد یارب رخ پر اسکے ہو نمود — خضر کو ہے اپنی عمر جاودانی پر گھمنڈ
گور میں کہتی ہے عبرت قیصر و فغفور سے — کیوں نہیں کرتے ہو اب صاحب قرانی پر گھمنڈ
ہے یہی تاثیر آب خنجر جلاد میں — چشمۂ حیواں نہ کر تو اپنے پانی پر گھمنڈ

حال پہ اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصے کہانی پر گھمنڈ

## ردیف ذال معجمہ

کیا رد کے قضا کے وار تعویذ — قلعہ ہے نہ کچھ حصار تعویذ
چوٹی میں ہے مشک بار تعویذ — یا فتنۂ روزگار تعویذ
دونوں نے نہ درد دل مٹایا — گنڈے کا ہو رشتہ دار تعویذ
کیا ناد علی میں بھی اثر ہے — چاروں ٹکڑے ہیں چار تعویذ
ڈرتا ہوں نہ صبح ہو شب وصل — ہے ہر دہ زرنگار تعویذ
ہم کو بھی ہو کچھ امید تسکیں — کھوئے جو تپ خیار تعویذ
پستاں کو جڑ ہماری پہنچی — گاڑا تہ پائے یار تعویذ

حاجت نہیں ان کو نور تن کی — بازو پہ ہیں پانچ چار تعویذ
کھٹکے وہ نہ آئے فاتحے کو — دیکھا جو سر مزار تعویذ
پی جائیں گھول کر کسے آپ — ہے نقش نہ خاکسار تعویذ
اے ترک ٹلیں بلائیں سر سے — اک تیغ کا خط ہزار تعویذ
ڈر ہے تمہیں کنکھیوں سے لازم — لایا تو ہے سادہ کار تعویذ
اکسیر کا نسخہ اس کو سمجھوں — کھوئے جو ترا غبار تعویذ

مجمع ہے امیر کی لحد پر
میلے کا ہے اشتہار تعویذ

چوٹی میں اگر ہے یار تعویذ — لا میرے ہی سر سے مار تعویذ
یاں حب کے تو پانچ چار تعویذ — واں بغض کے ہیں ہزار تعویذ
ہے مار سیاہ اُس کی چوٹی — من ساپ کا زرنگار تعویذ
گھر ان کے گئے تو ہم نے گاڑے — چاروں کونوں میں چار تعویذ
لکھے مرے خون سے جو عامل — دکھلائے نئی بہار تعویذ
جاتی نہیں ہجر کی تپ عار — ناحق ہے گلے کا ہار تعویذ
قاتل نے لکھا جو کوئی پرزہ — سمجھا میں جگر فگار تعویذ
چاندی ہوئی اُس کی جب دیا حکم — سونے میں منڈھے سنار تعویذ
ہوا ایک سپر نہ تیغ غم کی — ہیکل میں جو ہوں ہزار تعویذ
لو تار نظر مری اگر ہے — ڈورے کا امیدوار تعویذ
کیوں رشک سے دل جلے نہ میرا — ہو اُس سے جو ہمکنار تعویذ
چوٹی نے ترے جو سر چڑھایا — ہے صاحب افتخار تعویذ
بازوئے صنم کہاں کہاں تو — اللہ رے ترا وقار تعویذ

اف رے اسیر سوز فرقت
جل جاتا ہے برق وار تعویذ

## ردیف رای مہملہ

[illegible]

نہیں خالِ سیہ جو ہے نمایاں اُسکے ابرو پر
نشیمن زاغ نے آکر بنایا شاخ آہو پر

وہ شاہِ حسن تل بیٹھے تو دے اوجِ شرف بخشے
کہ صدقے ہو ہما پھر پھر کے شاہین ترازو پر

مرض میں اُسکے گھر جا کر عیادت کا مزہ لوٹا
دعا ہمنے پڑھی جب ہاتھ رکھکر اُسکے بازو پر

معطر مغزِ جاں تک ہے جو میرے داغِ دل سونگھیں
چمن میں مست ہیں کیا بلبلیں پھولونکی خوشبو پر

سلام اُس ترک کا لینا ہے ایما قتل کا شاید
کہ رکھتا ہے وہ پیشانی کے بدلے ہاتھ ابرو پر

ہوا میں سینہ زن فرقت میں سینہ کر کے یاد اسکا
خیال آیا جو زانو کا تو مارا ہاتھ زانو پر

نئی وحشت ہے مجھکو وحشیوں سے انس ہے ایسا
کہ آنکھیں دشت میں ملتا ہوں نقشِ پائے آہو پر

خیالِ ناوکِ مژگاں نے یہ سوراخ ڈالے ہیں
کہ تودے کا گماں ہوتا ہے مجھ کو اپنے پہلو پر

گرے تھے نہرِ گلشن میں کبھی دو اشکِ گرم اپنے
حباب اُنکو نہ سمجھو ہیں یہ چھالے لبِ جو پر

نہایت تنگ ہے قاتل ہماری سخت جانی سے
کہ تن پر خط نہیں پڑتا کوئی اس سست بازو پر

کیا دلکو جلا کر خاک اپنی بنی وسمہ
بڑی مشکل سے پایا قبضہ اُسکی تیغ ابرو پر

ملے بازو اگر اس ترک نے دستِ حنائی سے
جمایا طائرِ رنگِ حنا نے رنگ بازو پر

بہت کرتا تھا رم جب سامنے آیا وہ صید افگن
نہ سوجھا کچھ پڑے حیرت کے پردے چشم آہو پر

صدف کی کیا حقیقت ہے اگر اسمیں نہ ہو گوہر
یہ کیونکر آبرو ہو آنکھ کی موقوف آنسو پر

پسِ مردن یہ بخشی ہمکو رفعت بیقراری نے
چھپے ہم خاک کے نیچے گئے افلاک کے اوپر

بڑھا جاتا ہے تجھے دیکھ کو سوں ناقۂ لیلےٰ
سوار اے قیس تو بھی کیوں نہیں ہوتا ہے آہو پر

ہمی قد یاد آتے ہیں جو گلشن میں خراماں بھی
بھر آتی ہیں اسیر آنکھیں مری قمری کی کوکو پر

کیا قصد جب کچھ کہوں اُن کو جل کر
دبی بات ہونٹوں میں منہ سے نکل کر

گرا میں ضعیف اُسکے کعبے کو چل کر
زمیں رحم کر تو ہی پہونچا دے ٹل کر

نئی سیر دیکھو سوئے قاف چل کر
سرِ راہ بیٹھی ہیں پریاں نکل کر

اِدھر کی نہ ہو جائے دنیا اُدھر کو
زمانے کو بدلو نہ آنکھیں بدل کر

وہ کرتے ہیں باتیں عجب چکنی چکنی
یہ مطلب کہ چوپٹ ہو کوئی پھسل کر

وہ مضطر ہوں نہیں کیا مرے ساتھ گھڑیوں
تڑپتا ہے سایہ بھی کروٹ بدل کر

یہ کہتی ہے وہ زلف عمر خضر سے
کہ مجھ سے کہاں جائے گی تو نکل کر

گلستاں نہیں ہے یہ بزم سخن ہے
کہو شاعروں سے کہ پھولیں نہ پھل کر

غضب اوج پہ ہے مری بے قراری
زمیں آسماں بن گئی ہے اُچھل کر

پڑا تیر دل پہ جو منہ تو نے پھیرا
نشانہ اُڑایا ہے کیا رخ بدل کر

نہ آئیں گے وہ آج کی شب بھی شاید
کہ تارے چھپے پھر فلک پہ نکل کر

چلو دیکھیو بزم گلزار جھکے
گل آئے ہیں پوشاک میں عطر مل کر

چھپا کب بہت خاک ظالم نے ڈالی
شفق بن گیا خون میرا اُچھل کر

کمر بال سی ہے نہ لچکے یہ ڈر ہے
جوانی برائے ترک اتنا نہ بل کر

حضور اس کے باتیں جو کیں ڈرتے ڈرتے
کھڑا ہو رہا دور مطلب نکل کر

چھپے حرف گیری سے سب عیب میرے
ہوئی پردہ ہر بات میں تہ نکل کر

وہ ہوں اُلہ ساں سوختہ بخت میکش
کہ میں ہو گئی داغ ساغر میں جل کر

کہے شعر امیرؔ اُس کمر کے ہزاروں
مگر رہ گئے کتنے پہلو نکل کر

یہی سوز دل ہے تو محشر میں جل کر
جہنم اُگل دے گا مجھ کو نگل کر

پڑی مجھ پہ اوچھی وہ تلوار چل کر
گئی کس طرف موت کمبخت ٹل کر

نہ وحدت سے مطلب نہ کثرت سے مطلب
نہ گھٹ کر رہوں قطرہ نہ دریا اُبل کر

تری بات بھی تیر ہے ناوک افگن
گڑی میرے دل میں زباں سے نکل کر

جو شام شب ہجر دیکھی تو سمجھے
قضا سر پہ آئی ہے صورت بدل کر

جہاں میں نہ کی قدر غم جب کسی نے — پشیماں ہوا میرے دل سے نکل کر
رخ اُس بت کا شاید نکلتا ہے پتھر — کہ قدموں پہ گرتی ہیں نظریں پھسل کر
جلا تھا مرا دل جو پروانہ آسا — کہا میں نے بھی شمع روان کو جل کر
جلانے کو دل داغ سینہ ہے حاضر — مگر تو ہی اے داغ پہلے پہل کر
جو کھینچے گا بھی تیر سینے سے ظالم — تو پیکان لے جائے گا دل بدل کر
انھیں آتے دیکھا تو دوڑیں نگاہیں — گئیں آنکھیں اُن سے بھی آگے نکل کر
یہ میری طرف پانوں محفل میں کیسے — ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر
عزیز اِس قدر نقد جاں کیوں ہوا دل — خدا دے جو ہمت تو نذر اجل کر
بشر کیوں نہ ہو بے وطن ہو کے مضطر — تڑپتی ہے دریا سے مچھلی نکل کر
وہ بسمل ہوں جب ہاتھ قاتل نے کھینچا — گلے پر مرے گر پڑی تیغ اُگل کر
مرا دل بھی آئینہ انجمن ہے — دکھاتا ہے سو رنگ صورت بدل کر
قدم جب خوشی نے در دل پہ رکھا — صدا غم نے دی دیکھ ظالم سنبھل کر

امیر اہل مسجد سے اظہار تقوے
ابھی آئے ہو مے کدے سے نکل کر

دکھائی ادا طرفہ ظالم نے چل کر — دوپٹہ گرا سر پہ شانے سے ڈھل کر
ارادہ ہے خود اُن سے پوچھوں میں چل کر — یہ خط تم نے پھاڑا کہ قاصد نے جل کر
جو برسات میں تا در یار پہونچے — بہانہ کیا خود گرے ہم پھسل کر
توقع ہے دھوکے میں اگر وہ پڑھ لیں — کہ لکھا ہے نامہ انھیں خط بدل کر
کہیں محتسب چونک اُٹھے نہ غش سے — نہ جا بوئے مے میکدے سے نکل کر
یہ ہر دم نہ لالہ و گل نہ سمجھو — دکھاتے ہیں جلوے وہ شکلیں بدل کر
زمیں پر نہیں پانوں رکھتا ہے قاتل — کہو خون دامن پکڑلے اُچھل کر

وہ نیرنگ پرداز ہے عمرِ انساں | دکھاتی ہے یہ تین شکلیں بدل کر
نکالا جو پیرِ مغاں سے تو کیا غم | بلائے گی پھر دخترِ رز مچل کر
کھنچے دل نہ کیونکر حسینوں کی جانب | جو پارہ بھی دوڑے کنوئیں سے نکل کر
دہن فکر ہے درمیاں کس خبر کا | کہ سانچے میں آتے ہیں مضمون ڈھل کر
پڑا ہے جو پہلے آبِ چاہِ زنخداں | ہوا کیا عرق تیرے رخ سے نکل کر
نفس دار کی ایک جا آمد و شد | کہ مقصود اپنا ٹھکانا تھا چل کر
حسیں کیوں نہ جوشِ جوانی کو روئیں | کہ جوبن مٹا آفتاب کی طرح ڈھل کر
وہ مقتل ہے تیرا کہ آتے ہیں قاتل | جواں دوڑ کر گھٹنیوں طفل چل کر
نہ جائے کبھی وار قاتل کا خالی | جگر دب رہے روک لے دل اچھل کر
یہ خواہاں ہے مثلِ نگیں بے نشانی | نہ جائے کہیں نام ہم سے نکل کر
مرے قتل سے وہ کر کب ہے منکر | خطر کیا ہے بیٹھی ہے کیوں ناف ٹل کر
یہی سوزِ غم ہے تو اشکوں کی صورت | کسی روز بہ جائے گا دل پگھل کر

امیر اپنے تن کی بڑھی یہ حرارت
کہ جن ہو گئی خاک ساقی سے جل کر

نہ جاتا تھا اُس تک کبوتر دہل کر | روانہ کیا رد عنقا زمل کر
تھکے مدتوں راہ میں جن کے چل کر | وہ در تک بھی آئے نہ گھر سے نکل کر
شبِ تار ہو جائے گا روزِ روشن | زمانے کو بدلو نہ آنکھیں بدل کر
کرے وہ جو بندے کی اپنے حفاظت | تو یوسف جواں بھیڑیوں میں پلا پل کر
ضعیفوں کو ہے باعثِ زیست بستر | کہ مٹتا ہے عکس آئینے سے نکل کر
ذرا گرم نظروں سے دیکھے جو ساقی | ابھی مے سے پتلا ہو شیشہ پگھل کر
لگا رہنے دو در سے بیتاب دل کو | کہاں جائے بازو سے مچھلی نکل کر

گریں گرم آنسو جو دریا میں میرے  صدف میں گہر پھر ہو قطرہ پگھل کر
عجب خاک تیرہ بھی ناگن ہے موذی  کہ بے غم ہے بچوں کو اپنے نگل کر
مے گرم نے کر دیا گرم ساقی  صراحی پلا کوئی شورہ سے نکل کر
یقیں ہے کہ پھر جان ہی لیں یہ موذی  جو بیٹھیں کبھی مثل چپچاپ نکل کر
جو وہ اٹھ چلے اہل محفل تو کیسے  پکڑے سپند اس کا دامن اچھل کر
رقیبوں سے کیا راہ ہے ڈاکیوں کو  کہ دیتے ہیں مجھ کو خط اس کا بدل کر
وہ مجنوں ہوں شب کو جو صحرا میں بھٹکوں  چراغ سر راہ ہو گھاس جل کر
ابھی جان دیدہ دل جو دے مجھ کو مٹی  غبار اس ستمگر کے دل سے نکل کر
اٹھا ایدل آنکھوں سے اتنا نہ طوفاں  کنوئیں بیٹھ جاتے ہیں اکثر ابل کر
نظر چشم دل کو وہ بے پردہ آئے  جلایا جو پردوں کو آنکھوں نے جل کر
جھنکائی لحد گل رخوں کو فلک نے  پڑے کس شکنجے میں نازوں سے پل کر
مرے آنسوؤں نے مجھے بخشوایا  بڑے کام آئے یہ لڑکے مچل کر
کہو میرا مرنا نہ اس گلبدن سے  مٹا دے نہ رنگ حنا ہاتھ مل کر
وہ لاغر تھا میں ہفت قلزم میں ڈوبا  گرا آنکھ سے ایک آنسو جو ڈھل کر

امیرؔ آسماں بھی کھلاڑی ہے شاطر
دکھاتا ہے کیا کیا یہ نقشے بدل کر

آستیں سے جو ہوا دست ستمگر باہر  میں یہ سمجھا کہ ہوا میاں سے خنجر باہر
ڈر سے آسکتے نہیں میرے سیہ خانے میں  ماہ و خورشید چلے جاتے باہر باہر
داغ الفت مرے دلمیں کوئی چھپ سکتا ہے  شمع فانوس کا نور ایک ہے اندر باہر
غیر قاتل سے جدا ہو نہیں آتا ہے یقیں  ہوگا سگ کوچۂ قصاب سے کیونکر باہر
کیا ہوا خط کا جو اس چاہ ذقن پر ہے ہجوم  مور روزن سے نکلتے ہیں برابر باہر

شوق ہوتا جو نہ اُس چاہِ ذقن کا رہبر
کبھی ظلمات سے ہوتا نہ سکندر باہر

ایک گھر میں نہیں رہ سکتے ہیں یاں دو انساں
حشر کو ہوں گے ہر اک قبر سے ستر باہر

ہوں وہ دیوانہ جو رکھتا ہوں نہیں زنداں سے قدم
غل یہ زنجیر مچاتی ہے کہ باہر باہر

مجمرِ چشم سے کیوں دانۂ اشک آئے نہ تند
کہ سپند آگ سے آتا ہے چٹک کر باہر

ہوں وہ جانباز میں آیا تو پئے استقبال
تیر ترکش سے چلا میان سے خنجر باہر

چاہتا ہے کہ وہ بے پردہ ہو آنکھوں کے حضور
اتنا جامے سے نہ ہو ایدل مضطر باہر

قاصدی کیا جو خط اُس تیر فگن کو میں لکھوں
چاہ سے ڈر کے نہ ہو کوئی کبوتر باہر

شیخ صاحب نے جو رندوں کی سنی ہے آمد
کیسے گھبرائے پڑے پھرتے ہیں اندر باہر

بھوں چڑھاتا ہے عبث جان بھی دی جی بھی دیا
کب ہوا تجھ سے میں اے ترک ستمگر باہر

بادہ خواروں کا زمانے سے جدا ہے عالم
بھٹیاں ہوتی ہیں آبادی سے اکثر باہر

روح سے قدر ہے اس پیکرِ خاکی کی اثیر
کیا حقیقت ہے صدف کی جو ہو گوہر باہر

موجِ وحشت نے ہزاروں کو پنہائی زنجیر
رنگ لائی تری گردن کی طلائی زنجیر

ہے ہمارے دلِ صد چاک کا حصہ وہ زلف
شانہ ہے کون جو چھوتا ہے پرائی زنجیر

آج منت ہوئی پوری ترے دیوانے کی
ملک الموت نے پانو کی بڑھائی زنجیر

اے جنوں مان خدا کو نہ کڑی کر مجھ پر
عرش ہل جائیگا میں نے جو ہلائی زنجیر

ہے خوشی مجھکو جو زنداں سے رہائی کی تو یہ
تنگ ہے قید سے پائے گی رہائی زنجیر

تیری پابوس پہ رو رو نہیں نالاں میں فقط
کھینچتی ہے مرے پانوں کی دہائی زنجیر

قید خانے کی طرح وادیٔ وحشت میں بھی ہو قید
ہو گئی مجھ کو مری آبلہ پائی زنجیر

یاد گیسو نے دکھایا ہے تماشا کیسا
شیشۂ دل میں ہمارے اُتر آئی زنجیر

کس پری کے گل عارض کا میں دیوانہ تھا
کہ مرے پانوں میں بھولی نہ سمائی زنجیر

قید خانہ نظر آیا مجھے وحشت میں چمن
موج گل آئی تو سمجھا کہ میں آئی زنجیر

اے پری دست حنائی کا میں دیوانہ ہوں
چاہیئے ہو مری گردن میں طلائی زنجیر

پانوں پر اُنکے گری ہو کے پریشاں کاکل
میری وحشت نے پری کو بھی پنھائی زنجیر

اپنے ابرو کا وہ دیوانہ جو سمجھا مجھ کو
یار نے توڑ کے شمشیر بنائی زنجیر

پچھلے یوں ترے وحشی کو قیامت میں ملک
ہتکڑی ہاتھ میں پانو میں پنھائی زنجیر

اک حسیں کا ہوں میں دیوانہ تکلف ہے ضرور
نقرئی طوق ہو زیبا تو طلائی زنجیر

تیرا وحشی جو کبھی جانب صحرا گذرا
طوق گرداب نے موجوں نے پنھائی زنجیر

ہر گھڑی نعل ور آتش ہوں جو اے آہنگر
آہن برق سے کیا تو نے بنائی زنجیر

اے جنوں پانوں ہیں مجروح تو گردن میں خم اُٹھا
طوق گلرنگ لہو سے ہے حنائی زنجیر

اپنے دیوانے کے مدفن پہ جو آیا وہ امیر
جائے گل سایۂ گیسو سے چڑھائی زنجیر

تیغ قاتل بھی نہیں چلتی کبھی مجھ زار پر
وائے بیرحمی کہ پانی بند ہے بیمار پر

جا بجا سبزہ نہیں اے دل یہ قصر یار پر
بال کھولے پریاں پھرتی ہیں در و دیوار پر

ہوں وہ وحشی جب قدم رکھا در دلدار پر
چڑھ گیا سایہ پری بن کر سر دیوار پر

جور ہفت افلاک ہیں انساں کے جسم زار پر
بوجھ ان ساتوں چھتوں کا ہے اسی دیوار پر

یہ مرے بیت الحزن پر چھائی ہے بوسیدگی
ڈرتے ڈرتے سایہ رکھتا ہے قدم دیوار پر

کہہ گئی گل کر کے میری شمع بالیں کو صبا
کوئی او نادان روتا ہے سر بیمار پر

بے نقاب آؤ چمن میں تم تو ہر برگ حنا
ہاتھ رکھدے بڑھ کے چشم نرگس بیمار پر

ہوں وہ بلبل یہ کیا گلشن کو دو نغموں میں مست
دست گلچیں پڑ گیا اکثر رباب کرخار پر

دار کرنا یہ قاتل کو ملی گلشن میں بار
دوڑ کر خود رکھدیا میں نے گلا تلوار پر

باغ سے پہنچا تمہارا وحشی بے تکلف کوئے دوست
پانوں بھی رکھا نہ مثل بوئے گل دیوار پر

مے سے کپڑے زاہدانِ خشک کے تر ہو گئے
چل کے ہم نے آگ رکھ دی جبہ و دستار پر

وہ حسیں ہے تو ہوا زنداں میں جس دم جلوہ گر
کھنچ گئی تصویرِ یوسف ہر طرف دیوار پر

بیٹھتے ہی بیٹھتے ہر پر ہوا بالِ ہما
جو کبوتر اُڑ کے آ بیٹھا تری دیوار پر

گردِ گل کانٹے نہیں ہوتے ہیں گلشن میں نمود
اُنگلیاں اُٹھنے لگی ہیں عندلیبِ زار پر

کی نظر قاتل نے جب میری طرف کی میں نے آہ
وار رو کے سیکڑوں تلوار کے تلوار پر

زیر و بالا یہ کیا مرغانِ گلشن نے ہجوم
اور اک دیوار اٹھی باغ کی دیوار پر

آنکھ اگر آئینۂ وحدت نما سے ہو دو چار
ہے پرِ طوطی کا عالم سبزۂ زنگار پر

باغ سے باہر تو کیا جاؤنگا میں بے بال و پر
اُڑ کے پہنچوں بھی تو پہنچوں باغ کی دیوار پر

شمع ساں گریاں ہے قاتل میرے بالیں پر امیر
موت کو روتے ہوئے دیکھا اسی بیمار پر

لڑتے ہیں عشاق کیا کیا ابروئے خمدار پر
روز یاروں کے گلے کٹتے ہیں اس تلوار پر

جلوہ گر ہے خود وہ اپنے طالبِ دیدار پر
دھوکے کی ٹٹی ہے پردہ یار کے رخسار پر

دیکھ کر چھائے سراپا میرے جسمِ زار پر
کیسے جھنجھلائے وہ اپنے موتیوں کے ہار پر

شان اُسکی ہے کوئی فارغ ہو کوئی زیر بار
چھت جو بنتی ہے تو کڑیاں پڑتی ہیں دیوار پر

سمجھے ہم پہنچی جو ابرو تک پلک اُس آنکھ کی
باڑھ دیکھی رکھ کے اُنگلی ترک نے تلوار پر

بند آنکھیں کی دکانیں ہو گئیں ہنگامِ مرگ
آخرِ شب کیا اُداسی چھا گئی بازار پر

اوجِ دولت میں بھی کتنے شاد ہیں کتنے حزیں
لالہ داغی کبک دیکھے خندہ زن کہسار پر

ہو نہیں وہ محرومِ راحت گر نہ پاؤں فرشِ خواب
گر پڑے دیوار پھٹ کر سایۂ دیوار پر

ہے بلند و پست کی کب تیغِ قاتل کو تمیز
سیل کی ہے چال یکساں راہِ ناہموار پر

ہوں وہ طائر لذتِ غم کب ہوئی پوری مجھے
نوچنے میں رہ گئے صیاد سے دو چار پر

اسلئے تا دور ہی سے دیکھنے والے ہوں مست
بوتلوں کے ٹکڑے ہیں میخانے کی دیوار پر

کرکے گلگشتِ چمن گھر کو چلا جب دم وہ گل — ابر کے بدلے اُداسی چھا گئی گلزار پر

ہے یہی باعث جو ہے رنگِ بدن طوطی کا سبز — زہر کھایا ہے تمہارے سبزۂ رخسار پر

نیزۂ قاتل سرِ بسمل پہ خندہ ان زخم تن — کیا اُگا ہے نخلِ ماتم قہقہہ دیوار پر

اے پری آتے سلیماں بھی عیادت کو اگر — سورۂ جن پڑھ کے دم کرتے ترے بیمار پر

تیز پڑتی ہے نظر اُس ترک کی مجھ پر امیر
تل رہا ہے باز کیا گنجشک کے آزار پر

ہوا گر ناز سے وہ بزم میں رقصاں جھک کر — چوم لے پاؤں سرِ گوشۂ داماں جھک کر

مرتبہ پیشِ خدا ہوتا ہے اُتنا ہی بلند — جس قدر ملتا ہے انسان سے انساں جھک کر

خاکسارانِ زمیں کا ہے یہ شوقِ پابوس — رہ گئی ہے کمرِ گنبدِ گرداں جھک کر

رفعتِ قصرِ تواضع سے اگر واقف ہوں — آئیں پھر خانۂ درویش میں سلطاں جھک کر

میں وہ عاشق ہوں صفا کیش پریرویوں کا — ہوتے ہیں مجھ سے نعل گیر سلیماں جھک کر

دیکھ پائے جو اسی ٹھاٹھ سے تجھ کو اے ترک — لے قدم دوڑ کے رستم سرِ میداں جھک کر

تم وہ لیلیٰ ہو جو آئے تو برائے تسلیم — بید مجنوں ہوئے شمشادِ گلستاں جھک کر

بیڑیاں بھی جو کٹیں ہوں وہ اسیرِ لاغر — پاؤں میں میرے پہنے طوقِ گریباں جھک کر

سرکشی اہلِ تواضع سے کوئی چلتی ہے — پست دروازے سے آتا ہے خود انساں جھک کر

تو وہ گل رو ہے اگر باغ میں رکھتا ہے قدم — چوم لیتی ہے قدم شاخِ گلستاں جھک کر

قدِ خم گشتہ پہ کس طرح نہ روئیں انساں — سب سمجھتے ہیں کہ گر جاتے ہیں ایواں جھک کر

آئی پیری تو ملی خاک میں تعمیرِ حیات — چار دیوارِ عناصر ہوئے ویراں جھک کر

ہے یہ ایماں کہ چلا چاہتے ہیں زیرِ زمیں — چلتے ہیں موسمِ پیری میں جو انساں جھک کر

کہہ دو صیاد سے کیا ہاتھ بڑھانے سے ہے کام — خود نہ یاد آگئی مجھے شاخِ گلستاں جھک کر

یاد رکھ مصرعِ اُستاد یہ ہر وقت امیر — دستِ دشمن سے ملے چاہیے انساں جھک کر

دلکو رہتی ہے جو یادِ روئے جاناں رات بھر
ہم بھی حافظ کی طرح پڑھتے ہیں قرآں رات بھر

یادِ زلفِ یار میں جمعیتِ خاطر کہاں
خواب آتے ہیں نظر ہمکو پریشاں رات بھر

اندنوں ہوتی ہیں یوں اپنی بسر لیل و نہار
یادِ رخ دن بھر خیالِ زلفِ پیچاں رات بھر

کچہ شبِ فرقت نہ پوچھو حال اشک و آہ کا
برق چمکی صبح تک برسا ہے باراں رات بھر

بندھ گیا ہے شام سے کس زلف کی افشاں کا دھیان
جگنوؤں سے ہے مرے گھر میں چراغاں رات بھر

باغباں ہوتا ہے مجھ گریاں سے کیوں چیں بر جبیں
مثلِ شبنم ہو نمیں اس گلشن میں مہماں رات بھر

نیت بد ہے تو کارِ نیک سے حاصل ہے کیا
جاگتے ہیں دزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر

عالمِ افلاس میں کیا روشنی کی احتیاج
ہے چراغِ خانہ اپنا ماہِ تاباں رات بھر

اور بیماری میں ہوتا ہے شریک درد کون
شمع رہتی ہے مرے بالیں پہ گریاں رات بھر

تیرے وحشی کی سواری کا ملا کچھ تو پتا
پھونکتے ہیں مشعلیں غولِ بیاباں رات بھر

آتشِ شوق اور میرے قصہ خواں نے تیز کی
کیوں سنایا ذکرِ بلقیس و سلیماں رات بھر

کی عبادت صبح تک بھیجا کئے ہم بھی سلام
حکمِ حیدر تھی جو آوازِ نگہباں رات بھر

پوچھتے ہو کیا شبِ فرقت کی تاریکی کا حال
اپنی آنکھوں سے رہے ہم آپ پنہاں رات بھر

ذرہ و پروانہ آسا گردشِ ایام سے
ہیں پریشاں حال دن بھر ہم تو سوزاں رات بھر

کشوروں میں لکھ کے خط احباب کو بھیجے امیر
کیسے کیسے طے کئے خامے نے میداں رات بھر

غنچہ ساں بیٹھو دلا سر در گریباں ہوکر
رخِ یار آئے گا آنکھوں میں گلستاں ہوکر

روحیں کشتوں کی گلے ملتی ہیں شاداں ہوکر
عید سے عید ہوئی یار پہ قرباں ہوکر

پتلیاں کب تری آنکھوں میں ہیں اے غیرتِ حور
دیکھنے آئی ہیں پریاں تجھے انساں ہوکر

عشق عارض میں مرے تارِ نظر جاتے ہیں
رہیں قرآن میں شیرازۂ قرآں ہوکر

ناتوانی نے مری مجھکو بنایا کانٹا
چشمِ مردم میں کھٹکتا ہوں میں انساں ہوکر

ہو کے محمود میں ہوں بندۂ فرمان ایاز
ناز پریوں کے اٹھاتا ہوں سلیماں ہوکر

ابھی اتنا ہے حجاب ان کو جو کچھ کہتا ہوں
نیچی کر لیتے ہیں آنکھیں وہ پشیماں ہوکر

جل گیا اُگتے ہی دانا جو مری قسمت کا
آسیا رہ گئی انگشت بدنداں ہوکر

ہو جدا تم سے تو کیا خاک رہے عاشق میں
جسم پیوندِ زمیں ہوتا ہے بے جاں ہوکر

ہوں وہ وحشی مجھے نظروں سے گرائے جو جہاں
چشمِ عالم میں پھروں خواب پریشاں ہوکر

دل ملا خاک میں ایسا کہ ملا پھر نہ پتا
سیکڑوں دانے اُگے خاک میں پنہاں ہوکر

گل ہوا غنچہ تو آواز یہ اُس سے آئی
جمع پھر دل نہیں ہوتا ہے پریشاں ہوکر

کچھ اٹھایا نہ تڑپنے کا مزہ تڑپا کر
جل دیا زخموں پہ قاتل نمک افشاں ہوکر

خونِ دل کو چۂ گیسوئے سیہ میں جو بہے
جلوہ گر ہو شفقِ شامِ غریباں ہوکر

ہو تماشا جو مرے داغ چمن میں چمکیں
جل اٹھیں شہپرِ طاؤس چراغاں ہوکر

چاہتے ہیں تری تلوار کے جوہر او ترک
دہنِ زخم میں جم بیٹھے دنداں ہوکر

باغ سے ہم کو نکالا تو ہماری آنکھیں
رہ گئیں رخنۂ دیوارِ گلستاں ہوکر

موسمِ گل میں تقاضا ہے جنوں کا یہ امیرؔ
چاک ہو پیرہنِ زیست گریباں ہوکر

زار ایسا میں ہوا بادیہ پیما ہوکر
ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہوکر

اس قدر تھک گئے ہم بادیہ پیما ہوکر
کفِ پا اٹھ نہ سکے نقشِ کفِ پا ہوکر

ہم مریضوں سے یہ اغماض مسیحا ہوکر
کیسے نادان بنے جاتے ہو دانا ہوکر

لذت درد سے جینے کا مزہ ملتا ہے
چھیڑتا کیوں ہے مجھے زخمِ دل اچھا ہوکر

بعد مرنے کے بندھی ہے مرے نالوں کی ہوا
گنبدِ قبر اُڑے کیوں نہ بگولا ہوکر

سہرۂ گل سے تمہیں تشبیہ میں کب دیتا ہوں
لال آنکھیں نہ کرو آگ بگولا ہوکر

یاد کس ترک کی آئی کہ مرا زخمِ جگر
رہ گیا دیدۂ بسمل کی طرح وا ہوکر

ہالۂ ماہ کا دل شوق سے ایسا پھیلا
آرہا کان میں اس مہر کے بالا ہوکر

اونچے اڑتے ہیں کبوتر تری مکری کے غضب
جا لگے چرخ سے کیا عقد ثریا ہوکر

حسرتِ دستِ حنائی میں ہم ایسا روئے
بہہ گیا آنکھ سے دل خون تمنا ہوکر

دل حسینوں کی محبت میں لگا ہے رہنے
غرق کردے نہ یہ قطرہ مجھے دریا ہوکر

دیکھ لے وہ جو کڑی آنکھ سے گلشن کیطرف
چور ہر دانہ انگور ہو مینا ہوکر

بیچئے مال امیروں سے فقیروں کے لئے
لوٹئے دولت دیں طالب دنیا ہوکر

آکے وحشت میں جو کہتا ہوں نہیں سہا جاتا ہے
ناز مجنوں کے اٹھاتا ہے وہ لیلیٰ ہوکر

بے دہن بنتے ہو تا قم سے جلانا نہ پڑے
خوب دم دیتے ہو مردوں کو مسیحا ہوکر

نہ محبت نہ تلطف نہ عنایت نہ وفا
تم ہی کہدو کہ رہے پھر کوئی کس کا ہوکر

لیکے وہ تیر کماں جاتے ہیں جب بہر شکار
قاف سے آتے ہیں جن آہوئے صحرا ہوکر

خرمن جان و جگر مزرع امید امیر
دل نے پھونکا شرر آتش سودا ہوکر

کبھی تو بھول کے رکھدے قدم مرے سر پر
پڑا ہوں صورتِ نقشِ قدم ترے در پر

جو ذبح بھی ہو تو احسان نہ رکھ ستمگر پر
یہ ذکر خیر رہے گا زبانِ خنجر پر

وہ مست ہوں کہ رگڑتا ہوں سینہ خنجر پر
وہ شکستہ ہوں کہ پٹکتا ہوں سر کو پتھر پر

وہ مست جب کبھی گذرا ہے میکدے کیطرف
بہا کے دست سبو جا پڑا ہے ساغر پر

دل شکستہ نے اس بت کے دل کو نرم کیا
کیا ہے ٹوٹ کے شیشے نے زور پتھر پر

برنگ سایہ رہا پائے مال ساری عمر
میں جسکے پانوں پڑا پانوں رکھدیا سر پر

لکھا جو خط میں سگ یار کو سلام نیاز
ہما نے سایہ پروں سے کیا کبوتر پر

ہوائے بوسۂ لب ہے یہی تو مرگ کے بعد
حباب بن کے رہوں گا میں آب کوثر پر

ازل سے طبع ملاحت پسند رکھتا ہوں
چھڑک لیا تھا نمک میں نے شیر مادر پر

پھڑک رہا ہے مرا مرغِ روح اے قاتل — کہ جوہروں نے بچھایا ہے جال خنجر پر
وہ نزار ہوں کہ جو لیٹوں تو شک یہ ہوتا ہے — پڑا ہوا ہے فقط رختِ خواب بستر پر
نگہ کو دیتے ہیں گردش جو آئینے میں یہ ترک — چھری کو کرتے ہیں در پردہ تیز پتھر پر
جو آبرو کا ہے خواہاں تو خاکساری کر — یہ قول گردِ یتیمی ہے روئے گوہر پر
صفِ مژہ کو بھی ہو تاک چشمِ ساقی کی — گرے ہیں سیکڑوں مے خوار ایک ساغر پر
چلا ہے نامہ مرا لے کے نامہ بر یارب — ترے حبیب کا سایہ مرے پیمبر پر

سوال سے ہو یہ نفرت نہ ہاتھ اٹھاؤں امیر
پڑھوں جو فاتحہ میں تربتِ تونگر پر

وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر — گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر
پھریں گے حشر میں کھولے ہوئے وہ زلف دراز — بڑی بلا تو پڑے گی یہ اہلِ محشر پر
کچھ اس میں شان نکلتی ہے تیرے مژگاں کی — نثار سو رگِ جاں ایک نوکِ نشتر پر
کیا عدو نے جو گیسوئے یار میں شانہ — ہوا یہ رشک کہ آرے چلے یہاں سر پر
بپا تھا جوشِ جنوں میں کبھی لہو میرا — وہی مزا ہے ابھی تک زبانِ خنجر پر
ہوا تلونِ اہلِ دول سے یہ ثابت — قدم ٹھہر نہیں سکتے ہیں آبِ گوہر پر
میں سخت جاں ہوں وہ کرتا ہے سنگسار مجھے — خطر ہے ضرب نہ آجائے اس کی پتھر پر
لئے ہیں دفترِ عصیاں کو کاتبِ اعمال — مرے گناہوں کی گٹھری ہے غیر کے سر پر
یہ مجھ کو حسرتِ دیدارِ یار تھی دمِ قتل — بسانِ حنا نہ چڑھا خون بھی مرا سر پر
جو ایک دم کو بھی غرفے میں آپ آ بیٹھے — ہجومِ خلق سے دیوار اٹھ گئی در پر
وہ ناتواں ہوں نکالے جو گھر سے یار مجھے — چلوں وہ چال کہ پہنچوں نہ حشر تک در پر
ہجومِ اشک سے دانتوں کے عشق میں یہ کھلا — بندھا ہے موتیوں کا پل یہ آبِ گوہر پر
وہ ناتواں ہوں کہ آئے جو نیند کا جھونکا — تو اڑ کے مثلِ پرِ کاہ جاؤں بستر پر

امیر ظلمت عصیاں سے رہ گیا پردہ
عجب نقاب پڑی روئے اہل محشر پر

سنا کسی سے جو نام دوائے دردِ جگر — تڑپ کے دل نے صدا دی کہ ہائے دردِ جگر
رضا جو عشق کی ہو ہر طرح ہوں میں راضی — گھٹائے دردِ جگر یا بڑھائے دردِ جگر
نہ کوئی دوڑنے والا نہ مہرباں ہو طبیب — کہاں سے آئے الٰہی دوائے دردِ جگر
زباں رک نہیں سکتی ہو رنگ چہرہ ہو زرد — کہاں تلک کوئی یارب چھپائے دردِ جگر
تڑپ سے دل کے یہ ہوتا ہو اب مجھے ثابت — کہ جان جائے یہ ہو انتہائے دردِ جگر
دیا ہے قسمت بد نے عجب مرض میں مرض — کہ درد سینے میں بھی ہو سوائے دردِ جگر
ہوئی دوا بھی لکھے عاملوں نے بھی تعویذ — ٹلی نہ سر سے ہمارے بلائے دردِ جگر
اٹھا کے آنکھ بھی دیکھا نہیں کسی کی طرف — ہوا کہاں سے یہ بیٹھے بٹھائے دردِ جگر

ہمارے دل کا وہی درد امیر کچھ سمجھے
ہوا ہو عشق میں جو مبتلائے دردِ جگر

جلتا ہو دل فراق میں کیونکر خوش آئے ابر — پرکالے آگ کے ہیں مجھے لکّہ ہائے ابر
بیکس وہ ہوں کہ میری لحد پر جو آئے ابر — رو رو کے چادر آبِ رواں کی چڑھائے ابر
ہیں کسکے غم میں نالۂ درد آشنائے رعد — ہے کسکے غم میں گریۂ بے انتہائے ابر
دریا بہاتی ہیں مری آنکھوں کی پتلیاں — آئی ہے ٹھیک ان کے بدن پر قبائے ابر
ساقی ہیں بادہ خوار ترے بادشاہ وقت — سر پر ہو ان کے سایۂ بالِ ہمائے ابر
سرسبز کیا ہو کشت وہ برگشتہ بخت ہوں — بجلی گرے تڑپ کے جو مانگوں دعائے ابر
میں ہجر یار میں نہ کروں نالے اے فلک — بلبل تو ہائے گل کہے طاؤس ہائے ابر
آئی خزاں بہار گئی رنگ وہ کہاں — چھائی ہو کیا چمن میں اداسی بجائے ابر
اک برق وش کی یاد میں رو رو کے مر گیا — کیونکر چڑھے نہ قبر پہ میری ردائے ابر

دل میں ہمارے آگ لگا کر فراق میں
پانی کو دوڑتے ہیں عبث لکہ ہائے ابر

ہر دامن مژہ میں سمندر بھرے ہوں جب
پھر کس طرح نظر میں ہماری سمائے ابر

خط اس طرح ہے روئے کتابی یار پر
کاغذ پہ کاغذی کوئی جیسے اٹھائے ابر

بے جا ہے میرے دیدۂ گریاں سے سامنا
کہہ دو کہ آبرو کو نہ اپنی مٹائے ابر

مجھ مست سے بھری ہوئی ہو یہ ہوائے باغ
شیشہ بھروں جو مے سے تو پھر گرائے ابر

برسات میں یہی ہے اگر میکشی کا لطف
دامن پہ زاہدوں کے نہ دھبا لگائے ابر

ہم بیکسوں کا کون عزادار ہے امیر
ہاں نیلگوں ہے دوش ہوا پر ردائے ابر

اے بت لازم ہے چشم لطف دولت خواہ پر
بوسہ یا دشنام کچھ تو دو خدا کی راہ پر

جانور بھی ہوتے ہیں اقبال مندوں کے مطیع
سایہ کرتا ہے ہما شہپر سے فرق شاہ پر

پھنس گیا ہوں دام میں صیاد کا ہے اختیار
اب گلا میرا دبائے خواہ اڑائے خواہ پر

بیٹھنے دو پاس لینگے بوسہ عارض نہ اب
شک اگر ہو مہر ہم کردیں کلام اللہ پر

چہرۂ روشن سے تیرے کس طرح تشبیہ دیں
جھائیاں ہم کو نظر آتی ہیں روئے ماہ پر

کاسۂ دریوزہ آنکھوں کو بناتا ہے عبث
چاہیئے ہر وقت انساں کی نظر اللہ پر

کی مشقت ہو گئے ہم خاک جسکی راہ میں
اے فلک وہ آجتک آتا نہیں ہے راہ پر

اڑ سکیگا کس طرح مجھ ناتواں سے کوہ ہجر
ڈالتے ہو کوہ کا تم بوجھ برگ کاہ پر

شکر ہے اتنا تو الفت نے کیا پیدا اثر
آہ کر اٹھتا ہے وہ بیدرد میری آہ پر

ہو وہ شاہ حسن ہیں افلاک بھی زیر نگیں
سکہ بٹھلاؤ زر خورشید و سیم ماہ پر

دیکھئے کیا ہو دل نالاں کو دیکھو رعد کو
کیا بڑی آواز ہے اس قامت کوتاہ پر

ہوں وہ بیمار محبت میں جو چاہونگا علاج
چرخ سے اترینگے عیسیٰ سقف بیت اللہ پر

ہے تفاوت بوریا و تخت میں تا زندگی
موت کا قابو برابر ہے گدا و شاہ پر

شکر ہے آئے بھی میرے گھر میں مہماں بھی ہوئے
یہ عنایت پر عنایت بندۂ درگاہ پر

دم میں مٹ جائیں گے یہ نخل حباب اب اے امیر
ہیں عبث مغرور منعم خیمہ خرگاہ پر

کون وحشت کا ہوا سلسلہ جنباں چل کر
آرہا جو مرے دامن میں گریباں چل کر

تھا وہ دیوانہ کہ زنداں کی محبت نہ گئی
رہ گیا چار قدم سوئے بیاباں چل کر

جمع عشاق ہیں نکلو کہ گرے لاش پہ لاش
تیغ کی چال دکھاؤ سر میداں چل کر

ابر آیا ہے بہت بیٹھ چکے مسجد میں
کیجئے بادہ کشی آج گلستاں چل کر

قصد اس بزم کا کیجے کہ ہے بوسۂ لب
لیجئے مول کوئی لعل بدخشاں چل کر

جانتا ہوں کہ مجھے یاد دلاتا ہے وہ چال
چال مجھ سے نہ کر اے کبک خراماں چل کر

باغ باغ اس کی گلی میں ہے مرا غنچۂ دل
کیا کروں میں طرف روضۂ رضواں چل کر

سخت جاں ایسے ہیں عاشق کہ نکلتا نہیں دم
پانی پانی ہے ترا خنجر براں چل کر

تو خراماں ہو جو گلشن میں تو تیرے آگے
کبک و طاؤس نہ کیونکر ہوں پشیماں چل کر

دل بھر آتا ہے احباب کی فرقت میں امیر
روئیے خوب سر گور غریباں چل کر

طرفہ دولت کا نشاں زلف رسا ہے سر پر
توشۂ حسن ہے یہ ظل ہما ہے سر پر

سارے عالم میں پھرے ہم نہ ملی امن کی جا
پہنچے جس شہر میں دیکھا کہ قضا ہے سر پر

واقعی کتنی ہے معشوقۂ دنیا بے شرم
رخ پہ اس کے ہے نہ برقع نہ ردا ہے سر پر

شمع ساں سوزش غم سے نہیں دنیا کو نجات
کیا تکلف ہے اگر تاج طلا ہے سر پر

دھوپ میں چل کے دکھایا ہے نیا تم نے فروغ
آفتابی ہے کہ داماں قبا ہے سر پر

روبرو اس کے جھپکتی ہے مہ و مہر کی آنکھ
چاند سورج کی وہ چوٹی میں ضیا ہے سر پر

کہکشاں چرخ پہ دیکھی تو یہ سمجھے شب ہجر
ترک کھینچے ہوئے شمشیر جفا ہے سر پر

سلطنت کو ترے درویش سمجھتے ہیں وبال — سایۂ بال ہما ابر بلا ہے سر پر
سرخ ٹوپی نہیں پہنی ہے مرے قاتل نے — خون ناحق کسی کشتے کا چڑھا ہے سر پر
حسب ارشاد نبی فقر حقیقت میں ہے فخر — ابر رحمت کہ گلیم فقرا ہے سر پر
دشت میں گرمی رفتار و بخار دل سے — بجلیاں پانوں کے نیچے ہیں گھٹا ہے سر پر
حامل کوہ غم ہجر ہوں کیا راہ چلوں — پانوں اٹھ سکتے نہیں بوجھ بڑا ہے سر پر
کوئے جاناں میں گرایا مجھے اے لغزش پا — بارک اللہ یہ احسان ترا ہے سر پر
میکشو پانوں اٹھائے ہوئے گلشن کو چلو — ساتھ چلتی ہے ہوا سرد گھٹا ہے سر پر
محتسب دل سے ہے شیشے کی پری کا دشمن — سخت دیوانہ ہے جن اسکے چڑھا ہے سر پر
واعظ شہر بھی رکھتا ہے کنھیا کا مکٹ — واہ عمامہ عجب جلوہ نما ہے سر پر

اہل دنیا ہیں غرض کے لیئے دیندار امیر
وقت سوگند کے قرآن کی جا ہے سر پر

اور بھی تیر لگا دل پہ مری جاں دو چار — ساتھ پیکاں کے نکلجاتے ہیں ارماں دو چار
ذکر اس مصحف عارض کا بھی ہوتا ہے ضرور — جمع ہوتے ہیں جہاں حافظ قرآں دو چار
ساکنان حرم و دیر کو ہم دیکھ آئے — رخ کے حیراں ہیں تو گیسو کے پریشاں دو چار
جب نکلتے ہیں مکاں سے وہ بدل کر کپڑے — چاک ہو جاتے ہیں رستے میں گریباں دو چار
مجلس گور غریباں نہیں رہتی خالی — روز آرہتے ہیں اسمیں نئے مہماں دو چار
جھانک کر روزن دیوار سے دیکھو تو ذرا — در پہ ہیں خاک نشیں بے سر و ساماں دو چار
عاشق عارض و لب قید سے چھوٹے جسدم — گئے دس بیس حلب کو تو بدخشاں دو چار
ہوں وہ وحشی کہ ٹھہرتا نہیں دل روز مرا — جب تلک طے نہیں کرتا ہوں بیاباں دو چار
رخ کے عشاق سے وابستہ گیسو ہیں سوا — لاکھوں ہندو نظر آتے ہیں مسلماں دو چار
ہوں وہ بسمل مرے زخموں کو مزہ درد کا ہے — نہ بھرے جی جو نہ خالی ہو نمکداں دو چار

امتحاں مردم دنیا کا کیا ہم نے امیر
دیو خصلت جو ہزاروں ہیں تو انساں دو چار

تمہیں کو جانا تمہیں کو سمجھے تمام عالم سے تنگ ہو کر — دوئی کا وحدت میں دخل کیسا ہے ہمیشہ یکرنگ ہو کر
ادا تو دیکھو کہ وقت زینت ہر ایک پیڑیاں پہ بکا اسکے — چبھا رگ جاں میں مثل نشتر جگر پہ بیٹھا خدنگ ہو کر
ٹھہر گیا ہے ہمارے دلمیں ہزار منت سے درد الفت — مگر یہ ڈر ہے کہ اٹھ نہ جائے مکان کی تنگی سے تنگ ہو کر
قدم جو اسکے مکاں میں رکھوں نہیں یہ ممکن کہ ہوں نہ زخمی — لگائے ذروں نے مجھکو ٹھوکر ہر ایک روزن تفنگ ہو کر
جو سخت دل گردشوں سے چھوٹے تو پہنچیا درد انکو اس سے ایذا — یہ انکو زخمی کرے مقرر جلا فلاخن سے سنگ ہو کر
عبور دریا میں ساتھ میرے ہے میری تقدیر کی رسائی — بچا ہے کشتی پہ دانت پیسے جو ارہ پشت نہنگ ہو کر
نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب ہوں ماہر — وہ دلمیں آئے امنگ ہو کر گئے تو چہرے کا رنگ ہو کر
بہت فرنگی بچوں کی صحبت کا شوق اے حاجیو ہے ہمکو — حرم کو تم سیدھی راہ جاؤ ہم آ رہیں گے فرنگ ہو کر
کہاں طریق جنوں میں ہمسا ہے کوئی آماجگاہ آفت — چبھا جو تلوے میں اپنے کانٹا وہ دل پہ بیٹھا خدنگ ہو کر
غضب ہے انساں دم معیت کرے جو انساں سے بیوفائی — کہ دیکھو چکی کے پاٹ کیسے ہیں ہمرہ گردش میں سنگ ہو کر
ہوئے تھے بندیوں کے عاشق شہید ہونگے کیا خبر تھی — نہ جانتے تھے کہ خوں ہمارا اڑیگا ہولی کا رنگ ہو کر
اخیر نہ جائے کسی طرح سے مرے مقدر کی کوتہی کا — فلک جو ٹھہرے وسیع بھی دے وہ قبر پہنچائے تنگ ہو کر
گیا وہ موسم کشادگی کا کہ غنچہ ہوتا تھا ہاتھ میں گل — وہ فصل ہے اب اگر میں کھولوں تو پھول غنچہ ہو تنگ ہو کر

جواب خط وہ ادھر سے آیا کہ دل کیا اے امیر زخمی
ہوا کی صورت گیا کبوتر پھر اد ہاں خدنگ ہو کر

نہ کیوں باطن ہو اے برہمن ذرا تو چشم تمیز وا کر — خدا کا بندہ بتوں کو سجدہ خدا کے بندے خدا خدا کر
جو اٹھ کے پہلو سے انجمن میں وہ دور بیٹھے ہیں مجھ سے جا کر — تڑپ نے درد جگر کے دلکو پٹک دیا ہے اٹھا اٹھا کر
شرر سے کہدو کہ پست فطرت بنیا ہے کیوں اس نے تیغ چمکا کر — یہ کیا سمجھ پر پڑے ہیں پتھر ارادہ منزل فنا کر
قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش — کدھر گئی ہائے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

جو آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھا سحر کو سنسان سب سرا تھی
ہوا نہ ہمراہیوں سے اتنا کہ ساتھ لیتے مجھے جگا کر

نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اسکا
کہ راہ لیگی یہ اپنی اکدن عدم کا رستہ تجھے بتا کر

بپا ہے طوفان بے ثباتی ردارزی میں ہیں گرم موجیں
ہوا میں ناحق بھرا ہوا ہے حباب دریا میں گھر بنا کر

چمن ہے کشتہ نگاہ تیرے یہ غنچہ یہ لالہ و گل نہیں شگفتہ
صبا نے گویا کہ تربتوں پر چراغ روشن کیے ہیں لا کر

نہیں ہے کوئی جہاں میں باقی چلیگی اب تیغ ناز کس پر
مگر ترے قتل گہ میں لائیں مسیح مردے جلا جلا کر

اسی کا ہے رنگ یاسمیں میں اسی کی بو باس نسترن میں
جو کھڑکے پتا بھی اس چمن میں خیال آواز آشنا کر

بلا ہے حرص و ہوائے دنیا کہ جس سے چکر میں ہیں سب انساں
کیا پریشان ان آندھیوں نے تمام ذروں کو خاک اڑا کر

جو آئینہ ہے تو ٹوٹ جائے جو آنکھ ہو وہ تو پھوٹ جائے
خدا نہ منھ غیر کا دکھائے فروغ عارض ترا دکھا کر

سخنوروں سے مقابلے میں سوائے ذلت حصول کیا ہے
چمن میں بکتے جو کوئی ہم سے تو ہنس پڑے پھول کھلکھلا کر

یہ کسکی تیغ جفا کا یارب ہر ایک دلیر ہے رعب غالب
ہلال کی ہے خمیدہ گردن سپہر چلتا ہے سر جھکا کر

شبیہ مد نظر ہے کس کی کہ کوئی پوری نہیں اترتی
مٹا دیے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر

زمانہ ہے دل جلوں کی محفل سپند سے کم نہیں تو اے دل
کوئی تو ہنگامہ تو بھی غافل اس انجمن میں کبھی بپا کر

ہے نبض جاناں میں یہ تحریر پا تڑپ کا دیکھے یہ تماشا
مگر بڑی مشکلوں سے روکا ادب نے زانو دبا دبا کر

جواب رکھتی نہیں ہیں اپنا فسوں گری میں تمہاری آنکھیں
فریب دیتی ہیں اک جہاں کو نئے نئے شعبدے دکھا کر

ذرا سے کھٹکے نے نیند اڑائی کہ چوٹ تھی یہ جب لگائی
صدا یہ گوش شرر میں آئی کہ خواب سنگیں سے چشم وا کر

امیر میری رگ گلو کو یہ تیغ قاتل کی آرزو تھی
ملے وہ آکر جو بعد مدت تو خوب روئے گلے لگا کر

ہوا سوا ہمکو جوش وحشت چمن میں روز بہار جا کر
گلوں نے ہنس ہنس کے مار ڈالا رلایا غنچوں نے مسکرا کر

وہ مست ہیں ہم کہ پانوں اپنے تلے ہیں عرش بریں جا کر
کبھی جو چوکھٹ پہ میکدے کی گرے ہیں نشہ میں لڑکھڑا کر

عبث ہے مغرور تجھکو نخوت نہیں ہے ہمکو تری پروا
خدا ہے ہر مور ناتواں کا جو تو سلیماں ہے تو ہوا کر

یہ ظلم سارے ہیں چند روزہ ہے اکدن انتقام کا بھی
امیر حکام گرم کر لیں فقیر کا جھونپڑا جلا کر

خیال گیسو میں دل ہمارا جو آجکی شب اُلجھ رہا ہے
کہاں سے لایا ہے یا الٰہی یہ گھر میں کالی بلا لگا کر

شبِ جدائی ہوئی یہ حالت رہی تپِ دردِ غم کی شدت
جو ہوش آیا تو ہمنے پٹکا زمیں پہ تکیے سے سر اٹھا کر

خدا ہی باندھے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہو اس گرم خو کا پانی
کیا ہے لوگوں نے آگ اسکو لگا لگا کر بجھا بجھا کر

عیاں جو سرخی شفق کی دیکھی ہمارے دل کو ہوا یہ دھوکا
ترے شہیدوں میں ترک گردوں ہوا ہے شامل لہو لگا کر

نکیر و منکر جو آئینگے اب تو راہ ہو لینگے بے تامل
ہماری تربت پہ اقربا نے کیا ہے اندھیر خاک اُڑا کر

نبی نے چھوڑا جہاں نہیں قرآں نہ سمجھے کوئی تو خود ہی جاہل
قصور رہبر کہ ہے جو اندھا گئے خضر راستہ بتا کر

طبیب سے کوئی جا کے کہدے دوا کی ہے فکر تجھکو بیجا
یہ دردِ دل ہے علاج کیسا خبر ہے کچھ ہوش کی دوا کر

بجا ہے چاہِ ذقن کو تیرے کہے اگر خلق چاہِ زمزم
مریض اچھے ہوئے ہیں اکثر اسی کنوئیں میں نہا نہا کر

جدا ہے پہلو سے کسکا پہلو کہ سارے اعضا ہوے ہیں دشمن
فشار دیتے ہیں زندگی میں ہمارے پہلو ہمیں دبا کر

رقیب نے تیرے گھر سے ہمکو صنم نکالا اگر نکالا
زمیں پر آئے جناں سے آدم فریبِ شیطاں سے داغ اٹھا کر

بہار آئی چمن میں ساقی ہمیں بھی کر دورِ جام سے خوش
نسیم گلشن لٹا رہی ہے گلوں کو کیا کیا ہنسا ہنسا کر

امیر قسمت میں جو لکھا ہے اُسی کا ہر روز سامنا ہے
خدا ہے مالک خدا ہے رزاق کسی سے ہرگز نہ التجا کر

## ردیف رائے ثقیلہ

منھ پھیر نہ کر وطن کیطرف یوں وطن کو چھوڑ
چھوٹے جو بوئے گل کیطرح سے وطن کو چھوڑ

اے روح کیا بدن میں پڑی ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اس پیرہن کو چھوڑ

کیا لطف اگر کجی پہ فلک ہم بھی آ گئے
سیدھی طرح سے راہ پہ آ اُس چلن کو چھوڑ

ہے روح کو ہوس کہ نہ چھوڑے بدن کا ساتھ
غربت پکارتی ہے کہ غافل وطن کو چھوڑ

کہتی ہے بوئے گل سے صبا آکے صبحدم
اب کچھ اِدھر اُدھر کی ہوا کھا چمن کو چھوڑ

تلوار چل رہی ہے کہ یہ تیری چال ہے
اے بت خدا کیواسطے اس بانکپن کو چھوڑ

نقاش فکر یار کا رخ کھینچ زلف پیچ کھینچ / کھینچا نہ جائیگا کبھی اُسکے دہن کو چھوڑ
بندہ ترا ہوا ہے خدا کو وہ چھوڑ کر / اے بت امید خیر نہ رکھ برہمن کو چھوڑ
عریاں محض مجھکو نہ کر کچھ خدا سے ڈر / چادر تو اے فلک کوئی میرے کفن کو چھوڑ
ناداں سوائے حق ہے کسیکا کہاں وجود / باتیں خودی کی خوب نہیں ما و من کو چھوڑ
بیباک میرے سامنے پھرتا ہے چوکڑی / اے وحشت اب تھکا کے غزالِ ختن کو چھوڑ
بسمل کو تیری تیغ سے کرتی ہے کیا جدا / دولھا سے کہہ رہی ہے قضا اس دلہن کو چھوڑ
راحت سے بیٹھ کوچۂ محنت سے ہاتھ اٹھا / اے دل ہوائے زلف شکن در شکن کو چھوڑ

شاعر کو فکرِ شعر میں راحت کہاں امیر
آرام چاہتا ہے تو مشقِ سخن کو چھوڑ

## ردیف زائے معجمہ

کیا ہوش ربا ہیں تری تلوار کے انداز / سیکھے ہے یہ شاید تری رفتار کے انداز
اک جلوہ میں غش کر گئے اے حضرت موسیٰ / ہوتے ہیں یہی طالب دیدار کے انداز
ہنگام غضب منھ میں زباں کرتی ہے لغزش / ہیں محتسب شہر میں مے خوار کے انداز
طوبیٰ کے تلے برسوں ہی فردوس میں بیٹھے / پائے نہ ترے سایۂ دیوار کے انداز
کیا ناز ہیں صاحب تمہیں یکتائے جہاں ہو / دیکھو تو ذرا اور بھی دو چار کے انداز
بوسہ کوئی مانگے تو نہیں کہتے ہو ہنس کر / انکار میں بھی صاف ہیں اقرار کے انداز
کس شوق سے ملتا ہے گلے خنجر قاتل / ظالم کی کھنچاوٹ میں بھی ہیں پیار کے انداز
جب چوکڑیاں بھرتے ہوئے جاتے ہو آہو / یاد آتے ہیں مجھکو تری رفتار کے انداز
انصاف تو فرمایئے کیونکر میں اٹھا دوں / ہر بار کے یہ ناز یہ ہر بار کے انداز
آنکھیں تہ خنجر بھی ہیں دیدار کی طالب / دیکھو تو ذرا طالب دیدار کے انداز

ہر موج سے اک لغزشِ مستانہ ہویدا — ہیں آبِ رواں میں تری رفتار کے انداز
کن آنکھوں سے دیکھوں میں نزاکت رگِ گل کی — پھرتے ہیں نظر میں کمر یار کے انداز
عیسیٰ میں تری چال ترے ناز کہاں ہیں — ہاں باتوں میں البتہ ہیں گفتار کے انداز
گھبرا کے مسیحا جو چلا ہے سوئے گلشن — اچھے نہیں کچھ نرگسِ بیمار کے انداز

کہتی ہے امیر اس سے اجل میرے سرہانے
اچھے نہیں عیسیٰ ترے بیمار کے انداز

ہے یہ تیری کاکلِ پیچاں دراز — عمرِ خضر ایسی کہاں جاناں دراز
ہر مصیبت میں رہی میرے شریک — یا خدا عمرِ شبِ ہجراں دراز
سینہ خالی رہ گیا دل لے گئے — کر کے دستِ ظلم وہ مژگاں دراز
کیوں نہ دعویٰ تیرے قامت سے کرے — قد صنوبر کا ہے اے جاناں دراز

اہلِ دنیا کی ہوس ہے اے امیر
مثلِ موئے قیدیِ زنداں دراز

## ردیف سین مہملہ

جاتا ہوں اس لئے صنمِ بیوفا کے پاس — پہنچا جو اسکے پاس وہ پہنچا خدا کے پاس
یوں دل مرا ہے اس صنمِ بیوفا کے پاس — جسطرح آشنا کسی ناآشنا کے پاس
پہلو میں دل کے چاہیے تصویر یار کی — بتخانہ بھی بنے حرمِ کبریا کے پاس
بولا وہ بت سرہانے مرے آکے وقتِ نزع — فریاد کو ہمارے چلے ہو خدا کے پاس
ثابت ہوا یہ گرم نگاہی سے یار کی — نکلی نہیں ہے ہو کے وہ چتون حیا کے پاس
تلوار کے تو دور سے کتنے لگائے وار — جلاد کوئی ہاتھ چھری کا بھی آکے پاس
سنبل کو چھیڑ کر جو پریشان کر دیا — گیا بوئے زلفِ یار بھی تھی کچھ صبا کے پاس

توفیق اتنی دے مجھے افلاس میں خدا — حاجت نہ لیکے جاؤں کبھی اغنیا کے پاس
انصاف کر کہ ہجر میں کیونکر میں جان دوں — قاتل کہاں ہیں تیری ادائیں قضا کے پاس
مجروح لاکھوں جنبش مژگاں سے ہو گئے — کیا کیا کٹاریاں ہیں تمہاری ادا کے پاس
مرنیکی آس بھی نہ رہی عاشقوں کو اب — جب پوچھیے قضا کو ہے انکی ادا کے پاس
رہتے ہیں ہاتھ باندھے ہوئے گلرخان دہر — یارب ہے کس غضب کا فسوں اس حنا کے پاس
نظارہ چاہتے ہیں ہم حسن و عشق کا — آئینہ دیکھتے ہیں وہ مجھ کو بٹھا کے پاس
آئی قضا جو حسرت پابوس میں تو خیر — بنتا مزار کاش ترے نقش پا کے پاس
لٹکا کے مار رکھتی ہے عشاق کو ترے — لٹکا عجب یہ ہے تری زلف رسا کے پاس

پیچھے پڑا ہے انکی گیسو کے دل اسیر
جاتا ہے دوڑ دوڑ کے یہ خود قضا کے پاس

آئیں پہن پہن کے نئے گلبدن لباس — یارب ہزار رنگ کے بدلے چمن لباس
کرتے ہو کیا لباس سے آرائش بدن — اک روز فرش خاک ہے مسند کفن لباس
کیا کیا بتوں کو دہر میں آراستہ کرے — اترا ہوا جو پائے ترا پیرہن لباس
پھاڑوں میں اپنا جامۂ ہستی تو دے کفن — پہنائے یوں حیا مجھے چرخ کہن لباس
کہدو قریب آئی سواری بہار کی — پہنے نیا اتارے پرانا چمن لباس
دزد کفن کا گور کی منزل میں خوف ہے — اس راہ میں بھی لوٹتے ہیں راہزن لباس
نافے لبائیں قیمت مشک ختن بڑھے — پائیں ترا جو تاجر ملک ختن لباس
یاد آئے مجھ غریب کی عریاں تنی اگر — پہنیں کبھی نہ بھول کے اہل وطن لباس
زیبا ہو خاک عشق کا جامہ رقیب کو — کیونکر خوش آئے مرد کا پہنے جو زن لباس
ہے عیدگاہ میں بھی تماشائے بوستاں — کیا لعل لعل پہنے ہیں گل پیرہن لباس
عریاں تنوں پہ نیر ہے اللہ کا کرم — گزریں ہیں مدتیں نہیں ہوتا کہن لباس

ہے ٹکڑے ٹکڑے یاد وطن میں دل امیر
کیونکر کرے نہ چاک غریب الوطن لباس

بیتاب ہجر یار میں اپنا جگر ہو دل کے پاس
بسمل تڑپتا ہو کوئی جیسے کسی بسمل کے پاس

تعبیر ظاہر ہے کہ وہ جائینگے بزم غیر میں
دیکھا زحل کو خواب میں ہمنے مہ کامل کے پاس

لیلیٰ حسین تم ناز میں وقت سفر اے مہ جبیں
ناقہ ہو ناقے کے قریں محمل رہے محمل کے پاس

ہوں وہ گدائے مجتمع گھر میں مرے خلق خدا
گویا کہ نقش بوریا ہے نقش جب جاہل کے پاس

کیونکر نہ ہو اس رخ پہ خط چاہ ذقن سے خوشنما
سر سبز رہتا ہے بہت جو کھیت ہو ساحل کے پاس

پیری میں باقی ہے کہاں ہوش و خرد تاب و تواں
لوٹا گیا یہ کارواں پہنچے جو ہم منزل کے پاس

زاہد جو تنہائی میں تھا کچھ تجھکو باتوں کا مزہ
لازم تھا کنج انزوا منجوا ارد کی منزل کے پاس

نزدیک وصل دلربا دل کو تسلی ہے بجا
لنگر سفینے کو ہوا پہنچا اگر ساحل کے پاس

یہ فوج غم آکر گری اکدم میں ساری لٹ گئی
جتنی متاع صبر تھی مجھ خستہ جاں کی دل کے پاس

جمیں سما جائیں اگر اس چشم تر کے سر بسر
دامن دریا نما ہے چشم تر الیا کہاں ساحل کے پاس

بیمار ہجر یار ہوں عیسیٰ سے میں بیزار ہوں
دیوانہ ہشیار ہوں جاتا ہوں کب عاقل کے پاس

ناوک فگن شکر خدا سینہ ہدف تو نے کیا
پیکان تیر بے خطا مثل جگر ہے دل کے پاس

جبتک کہ ہے سر دوش پر جائیگا کیونکر درد سر
صحت کہاں عیسیٰ کے گھر چلیے کسی قاتل کے پاس

آنکھیں تری سفاک ہیں خونریز ہیں چالاک ہیں
دو ساحر بیباک ہیں بیٹھے ہیں دونوں تل کے پاس

کیا ذکر اہل سیم و زر سلطاں گدا ہوں بیشتر
وہ بھیک دینے کو اگر آئیں کبھی سائل کے پاس

دنیا سے راحت دور ہے سرکش تبشت سزد ہے
تاج سر فغفور ہے کاسہ نہیں سائل کے پاس

محفل میں وہ زہرہ جبیں گرد اسکے سارے نازنیں
گویا کہ ہیں محفل نشیں انجم مہ کامل کے پاس

کیا حسن فرخ فال ہے جادو کی وہ تمثال ہے
چاہ ذقن پر خال ہے زہرہ چہ بابل کے پاس

مرتا ہوں خاک عیش پر بھولوں نہ میں تو قتل گر
پہنچے مقرر لوٹ کر سر زانوئے قاتل کے پاس

سُن جو امیر ایدل کہے تا پھر نہ تو صدمے سہے
ناقص نہ پھر ناقص رہے بیٹھے اگر کامل کے پاس

# ردیف شین معجمہ

رہی جو یوہیں مرے یک آہ کی گردش — دہائی دے گی رسالت پناہ کی گردش
ازل میں کس نے دکھائی نگاہ کی گردش — کہ ساری خلق کو ہے ایک راہ کی گردش
کسی کا ساتھ زمانے میں کون دیتا ہے — پھرا جو سر تو نہ دیکھی کلاہ کی گردش
جو گرد باد کو دیکھا یقیں ہوا دل کو — اسی طریق سے ہے چتر شاہ کی گردش
بجا ہے تیغ نگہ ہے جو آب دارائے ترک — کہ سان ہے تری چشم سیاہ کی گردش
ہزار بار ادھر کی اُدھر کرے دنیا — فلک نہ پائے گا تیری نگاہ کی گردش
گلی گلی اسے چکر ہے اس کو شہر بہ شہر — کہیں فقیر سے افزوں ہو شاہ کی گردش
پھنسیں گے حشر میں فریاد رس جو غافل ہیں — بنے گی طوق گلو دادخواہ کی گردش
صف مژہ کو وہ دیتا ہے جنبشیں ہر دم — پسند شاہ کو ہے خود سپاہ کی گردش
تمہاری گرمی رفتار سے یہ بھڑکی آگ — بنی ہے شعلہ جوالا راہ کی گردش
اٹھاؤ پردۂ رخ کب سے دوڑتے ہیں غریب — کہیں ٹھکانے لگے مہر و ماہ کی گردش
دھوئیں اڑائے زحل سے مقابلہ کر کے — بڑھی رہی مرے بخت سیاہ کی گردش
فلک نے جب کوئی چکر بڑا دیا مجھ کو — نظر میں پھر گئی تیری نگاہ کی گردش
بنیں گے نہ ورق چرخ پر دو اثر داغ — رہی جو یوہیں مرے کلک آہ کی گردش

وہ لالہ رو در گلشن سے جا کے پھر آیا
امیر طالع مردم گیاہ کی گردش

پھنسائے گی طلب عز و جاہ کی گردش — بنے گی حلقۂ زنجیر راہ کی گردش

نہیں ہو چرخ پہ بے وجہ ماہ کی گردش　　پھرا رہی ہے کسی کی نگاہ کی گردش
جو آئی حشر میں یاد اُس نگاہ کی گردش　　زبان بھول گئی دادخواہ کی گردش
مکان یار میں تب دخل مہر نے پایا　　جب اُسکے کوچے میں دو چار ماہ کی گردش
کسی کے ساتھ نہ سیدھا چلا یہ کج رفتار　　زمانہ ہے کہ تمہاری نگاہ کی گردش
لگا کے سرمہ نظر اُس نے پھیرلی ہم سے　　اثر دکھا گئی بخت سیاہ کی گردش
کسی کے کوچۂ گیسو میں دل ہو سرگرداں　　گدا کے پانوں میں اور کوئے شاہ کی گردش
جو کچھ نصیب میں ہو اُسے ہوس وہ ملتا ہے　　پھرا ہو سر جو اُٹھاؤں میں راہ کی گردش
خدا کی شان کی نیرنگیاں دکھاتی ہے　　بتوں کی چشم سفید و سیاہ کی گردش
یونہیں زمانہ ہے اندھیر میری آنکھوں میں　　فلک بناتی ہے کیوں دود آہ کی گردش
تمہاری سیدھی نظر نے تو یہ دیے چکر　　خدا دکھائے نہ ترچھی نگاہ کی گردش
برنگ جادۂ صحرا ازل سے اے وحشت　　مرے نصیب میں لکھی ہے راہ کی گردش

جنوں میں ضعف سے یہ شکل ننگنی ہو امبر
لپٹ کے پانوں سے روتی ہو راہ کی گردش

حیوان کو بھی ہو دمل کی اوقات کی تلاش　　طاؤس کو ہمیشہ ہو برسات کی تلاش
یہ ایک حسن لاکھ شرافت سے بڑھ کے ہو　　ناداں ہو دیکھے دل جو کرے ذات کی تلاش
بوسے کی آرزو ہو ہمیں مفلسی میں یوں　　جیسے گدا کو ہوتی ہے خیرات کی تلاش
پیری میں چاہیئے نہ جوانی کی آرزو　　بے عقل ہو جو دن کو کرے رات کی تلاش
جز ذات بے نیاز کوئی یاں غنی نہیں　　عالم کو ہو کسی نہ کسی بات کی تلاش
کب بھولتی ہو یاد خط و زلف یار انھیں　　دن رات عاشقوں کو ہو آفات کی تلاش
حضرت کو گر نہیں مری پروا تو غم نہیں　　بندے کو کب ہے قبلۂ حاجات کی تلاش
ہو میکشی کا دھیان عبادت کے وقت میں　　مسجد میں بیٹھ کر ہے خرابات کی تلاش

شہرے سے حسن کے ہوئے مشتاق یار ہم — سن کر صفات ہم کو ہوئی ذات کی تلاش
ہم اور بوسۂ لب محبوب سبزہ رنگ — کرتا ہے کون پردۂ ظلمات کی تلاش

اے شیخ ہے امیر تو دیدار کا فقیر
اس کو نہ کشف کی نہ کرامات کی تلاش

## ردیف صاد مہملہ

دل کو ہے زلف سیہ فام کی حرص — ورنہ کس مرغ کو ہے دام کی حرص
میری آنکھوں کو مرے کانوں کو — ہے ترے نام و پیغام کی حرص
ذوق دل مست مجھے رکھتا ہے — جم نہیں ہوں جو کروں جام کی حرص
باغ عالم میں ہے عنقا کی طرح — بے نشانی میں مجھے نام کی حرص
ہے عجب دردِ محبت میں مزا — اس مرض میں نہیں آرام کی حرص
نام محبوب رہے وردِ زباں — کام کی ہے تو یہ ہے کام کی حرص
نظر آجائے جو وہ مصحفِ رخ — ہندؤں کو بھی ہو اسلام کی حرص
عاشق خانہ خرابی ہیں ہم — کسکو ہے زیب درو بام کی حرص
خط کے لایا ہے وہاں سے پرزے — اس پہ قاصد کو ہے پیغام کی حرص
ابھی پختہ نہیں وہ سیب ذقن — دیکھئے کیا طمع خام کی حرص
لب شیریں پہ ترے خط نکلا — اب نہ بوسے کی نہ دشنام کی حرص
عشق نے سب سے کیا بے پروا — ننگ کی ہے نہ مجھے نام کی حرص
ہجر جاناں میں نہانا کیسا — خاک مردے کو ہو حمام کی حرص
خوش ہیں ہم جامۂ عریانی میں — کس کو ہے جامۂ احرام کی حرص
پھول دیکھے ہیں جو چوٹی میں ترے — عندلیبوں کو ہے گلدام کی حرص

رہچ میکش ہے لب واعظ پر — دل میں پوشیدہ ہے مے و جام کی حرص

لے گئی ہند سے تا شام امیر
ہم کو اس زلف سیاہ فام کی حرص

سیدھی نگاہ میں ہیں ترے تیر کے خواص — ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص
مشہور ہیں جہاں میں جو اکسیر کے خواص — وہ سب ہیں خاک روضۂ شبیر کے خواص
حیرت مجھے ملی ہے جو تم کو ملا ہے حسن — دونوں طرف ہیں ایک سی تصویر کے خواص
دنیا سے بے نیاز ترے خاکسار ہیں — ہیں تیری خاک پا میں بھی اکسیر کے خواص
کرتی ہے یہ بھی اس کی طرح سے مخالفت — تدبیر میں بھی ہیں مری تقدیر کے خواص
ابرو دکھا کے دل کو وہ کر لیتے ہیں شکار — یہ طرفہ ہیں کمان میں بھی تیر کے خواص
ترکش میں تیر میان میں شمشیر مضطرب — دیکھو تو بے قراری نخچیر کے خواص
اترے نہ مر کے بھی ترے عاشق کے پانو سے — زنجیر میں ہیں زلف گرہ گیر کے خواص
آتی ہے خاک گور غریباں سے یہ صدا — غافل ہیں تجھ میں سرمۂ تسخیر کے خواص
بھیجا جو نامہ تو نے مسیحا میں جی اٹھا — تحریر میں بھی ہیں تری تقریر کے خواص
مشکل پڑی حضور کو گھر رات کاٹنی — دیکھے ہمارے نالۂ شبگیر کے خواص
کہتا ہے شعر سن کے کوئی واہ کوئی آہ — کچھ میرزا کے مجھ میں ہیں کچھ میر کے خواص

برزخ سے بڑھ کے شغل نہیں ہے کوئی امیر
آجاتے ہیں مرید میں بھی پیر کے خواص

## ردیف ضاد معجمہ

مکاں سے ہے نہ کچھ ہمکو لامکاں سے غرض — جہاں حضور ملیں ہمکو ہے وہاں سے غرض
تمہارے جلوے کے مشتاق ہیں جہاں ہو نصیب — زمیں سے کام نہ کچھ ہمکو آسماں سے غرض

تمہاری ذات سے مطلب ہے دین و دنیا میں
نہ کچھ یہاں سے غرض ہے نہ کچھ وہاں سے غرض

ہر ایک فصل میں مانند سرو ایک ہی رنگ
بہار سے ہے نہ مطلب نہ کچھ خزاں سے غرض

خیال ہے کہ جو برق آئے منفعل ہو پھرے
نہیں کچھ اور خس و خار آشیاں سے غرض

پتا مکاں کا جو پوچھا تو اُس نے ہنس کے کہا
کہ آپ کون ہیں کیا ہے مرے مکاں سے غرض

جو تو ہو پاس تو ناصح کی کون سنتا ہے
شب وصال میں ہے کس کو قصہ خواں سے غرض

تمیز عشق و ہوس ہیں کہاں وہ کمسن ہیں
نہ جھوٹ سچ پہ نظر ہے نہ امتحاں سے غرض

نہ پھولنے کی توقع یہاں نہ پھلنے کی
نہال خشک ہوں کیا مجھکو باغباں سے غرض

زمین کوچۂ جاناں میں دفن ہو جاؤں
اگر غرض ہے تو اتنی ہے آسماں سے غرض

ہجوم اشک سے جانِ عزیز کہتی ہے
وہ یوسف اور تھے جنکو تھی کارواں سے غرض

حرم سے کام نہ مطلب ہے دیر سے ہمکو
سر نیاز کو ہے تیرے آستاں سے غرض

کسے ہے فکر مضامین تازہ کی فرصت
امیرؔ ہے مجھے شیرینیٔ زباں سے غرض

جلائے دل عاشقوں نے کیونکر نہ وقت نظارہ تاب عارض
وہ روئے روشن ہے مہر محشر تو صبح محشر نقاب عارض

عیاں ہے اعجاز حسن سب پر نہ ہو زمانہ مطیع کیونکر
جمال اُسکا ہے وہ پیمبر کہ جسپہ نازل کتاب عارض

بیان توصیف خال و خط میں جو کوئی لکھے تو بس یہ لکھے
یہ خط گلزار صفحۂ رخ وہ نقطۂ انتخاب عارض

خدا نے نور و ضیا سے کیسے کئے ہیں پُر نور دونوں عالم
فلک پہ ہے آفتاب خاور زمیں پہ ہے آفتاب عارض

حسین کوئی کہاں ہے ایسا کہ ہوں مناسب تمام اعضا
اسیکا گیسو جواب گیسو اسیکا عارض جواب عارض

ہر اک خواہش کو کوئی جتائے وہ چہرہ بے پردہ کیا دکھائے
جو خواب عاشق کو بھی نہ آئے کبھی الٹکر نقاب عارض

کہوں بہشت بریں میں گلبن تو نامناسب نہیں یہ کہنا
ہزار و ہفتاد و یک عدد میں کیا ہے میں نے حساب عارض

شراب پی کر وہ مہر طلعت گزک کا مستی میں ہے جو طالب
کباب بانہ کی مچھلیوں کو کرے وہیں التہاب عارض

عرق جو رخ سے ٹپک رہا ہے یہ رشحہ رشحہ ہے آب باراں کا
غلط نہیں اب خطا یہ پر جو ہو گمانِ سحاب عارض

پڑے ہیں ہم محو حسن ایسے کہ علم ہی اور طاق نسیاں — بیاض اپنی بیاض گردن کتاب اپنی کتاب عارض
نہیں ہے ممکن میان فانوس رہ جو پوشیدہ شمع روشن — اگر پڑینگے ہزار پردے نہیں رکے گی وہ جیب تاب عارض
ہر ایک ذرہ لبان شبنم ہر اک دیدار کے ہیں طالب — دکھائیے آفتاب عارض دکھائیے آفتاب عارض
نمود خط یہ اگر ہے تو بوسہ عاشق کو ہو عنایت — ضرور ہے تم کو صدقہ دینا گہن میں ہے آفتاب عارض
کہیں نہ چار دہ اگر ہم تو ہے یہ تشبیہ محض بیجا — کہ مہر نصف النہار سب ہے سنا ہے ہم نے خطاب عارض

امیر کی احتیاط ہم نے وگرنہ ممکن تھا ہم بھی کہتے
شراب عارض کباب عارض ثواب عارض عذاب عارض

## ردیف ط

آیا ہے بندھ کے تیر میں مجھ کو اُدھر سے خط — لکھنا پڑا جواب میں خون جگر سے خط
کرتا ہوں میں تو روز روانہ ادھر سے خط — لکھا نصیب کا نہیں آتا اُدھر سے خط
مضمون اس میں ہیں کمر یار کے رقم — اتنا نہ باندھ کھینچ کے قاصد کمر سے خط
غربت میں کسطرح نہ پریشاں ہوں میں غریب — اک عمر ہو گئی نہیں آیا ہے گھر سے خط
مضمون شوق کچھ ہیں قلم سے نکل گئے — ڈر ہے نکل نہ جائے کبوتر کے پر سے خط
چڑھیے نہ ماہتابی پہ الٹے ہوئے نقاب — لکھوائیے غلامی کا پہلے قمر سے خط
غربت نے نام اہل وطن کے بھلا دیئے — بھیجوں کسے میں لکھ کے الٰہی سفر سے خط
میں تھام لوں جگر کو بہت ہے یہ بے قرار — قاصد ٹھہر نہ کھول ابھی تو کمر سے خط
بہتے ہیں اشک آنکھ سے قطرے سطر میں — اے دل نہ شاد ہو کہ لگا چشم تر سے خط
ان کو غرور حسن ہے مجھ کو غرور عشق — آئے کبھی اُدھر سے نہ جائے اِدھر سے خط
آیا جو تیری روح نے قالب سے یہ کہا — میری طلب میں دیکھ یہ آیا اُدھر سے خط
آنسو رواں نہیں دم تحریر خط شوق — تحریر کر رہا ہوں میں آب گہر سے خط

پڑھنے دیا نہ دل کی تڑپ نے مجھے امیر
ایسے ہجوم شوق میں آیا اُدھر سے خط

لکھتا ہوں فرط شوق میں میں بار بار خط
لکھتا نہیں ہے ایک مجھے وہ نگار خط

جھنجھلا کے ایک بھی نہ پڑھیگا یقین ہے وہ
لکھے ہیں ایک روز میں میں نے ہزار خط

کیا شوق ہے بنا کے کبوتر کو نامہ بر
ایک ایک پر میں باندھ دیئے چار چار خط

لکھوں ذرا کدورت دل کا اگر میں حال
خط غبار کیا ہو سراپا غبار خط

ممکن نہیں کسی کو کرے نامہ وہ رقم
جبتک نکالتا نہیں اُس کا غدار خط

بھیجا جو یار تک نہیں پہنچا یہ کیا ہوا
ڈوبا کہ جل گیا مرے پروردگار خط

لکھا ہے اپنے ہاتھ سے اس نے یہ نامہ بر
آنکھوں سے کیوں لگاؤں نہیں بار بار خط

تلقین کے بدلے اُسکو پڑھو میرے سامنے
آجائے یار کا جو دم احتضار خط

وہ سخت جان ہوں پڑتی ہیں تیغیں ہزار ہا
پڑتا نہیں ہے تن پہ مرے زینہار خط

نقلیں مری رقیبوں نے کیں سیکڑوں امیر
لکھا جو اُس نے مجھ کو ہوا اشتہار خط

## ردیف ظائے معجمہ

جان بزم مے و معشوق غنیمت واعظ
خلد میں ہاتھ نہ آئیگی یہ صحبت واعظ

توبہ سو بار میں کرلوں گا کچھ انکار نہیں
مے کشی سے تو ذرا ہو مجھے فرصت واعظ

کانپتا خوف سے مستوں کا ہے ہدیاں ہدیاں
کچھ زباں سے نہیں توبہ کی ضرورت واعظ

دل جلوں سے نہ جہنم کا کیا کر مذکور
کہیں ان کو بھی نہ آجائے حرارت واعظ

حق بجانب ہے جو زہاد کی تعریف کرے
تو نے رندوں کی اٹھائی نہیں صحبت واعظ

درد دل کون سنے ذکر جو میں کرتا ہوں
اور اُلٹی مجھے کرتا ہے نصیحت واعظ

فیض ساقی سے یہاں پیر جواں ہوتے ہیں
در میخانہ نہیں ہے در جنت واعظ

ہم سے دیوانوں کے آگے یہ قیامت کا بیان
کہیں آ جائے تجھی پہ نہ قیامت واعظ

تو جو رندوں کی حقیقت نہیں سمجھا نہ سمجھ
رند سمجھے ہیں تری خوب حقیقت واعظ

جام مے دیکھ کے جامے سے ہوا تو باہر
پی لے دو گھونٹ تو کیا ہو تری صورت واعظ

بات کیا سیدھی نظر سے نہیں الٹا ہی سلام
عمر میں اللہ کے رہ کر یہ مشیخت واعظ

دیکھ میخانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے
سر پہ مستوں کے ہے اللہ کی رحمت واعظ

ایسے پڑھنے سے تو اچھا تھا کہ جاہل رہتا
نہ حیا تجھ میں ہے باقی نہ مروت واعظ

مست ہم دختر رز کے ہیں وہ عورل کا امیر
کبھی سمجھیگا نہ رندوں کی حقیقت واعظ

صبح کے وقت صبوحی کی مذمت واعظ
کیا ہوا ہے تجھے کیوں آئی ہے شامت واعظ

فصل گل میں بھی ہے محروم مے گلگوں سے
دن تو اچھے ہیں بری ہے تری قسمت واعظ

ابھی کچھ کہہ مری کچھ سن تو مزہ بھی آ مٹے
تا کجا تذکرۂ دوزخ و جنت واعظ

دو گھڑی بادۂ گلرنگ کا بھی چرچا ہو
ختم کر ختم کر اب وعظ کی صحبت واعظ

بے سبب آٹھ پہر ذکر مے و جام نہیں
کچھ تو ملتی ہے زباں کو ترے لذت واعظ

نشۂ بادۂ وحدت کے اٹھائے جو مزے
تو کرے پیر خرابات کی خدمت واعظ

ذوق پر اپنے ہے موقوف عذاب اور ثواب
ہے یہی میکدہ دوزخ یہی جنت واعظ

ذکر تو دختر رز کا ہو کسی رنگ سے ہو
وعظ میں تیرے بھی کچھ ملتی ہے لذت واعظ

قبر پہ سنگ کی جا چاہیئے خشت سر خم
کر اٹھا آج یہاں کر یہ نصیحت واعظ

ایکدم ذکر سے اسکی نہیں تھمتی ہے زباں
دختر رز سے ہے تجھ کو بھی محبت واعظ

مسجد و خانہ کعبہ تو بہت دیکھ چکا
میکدے کی بھی مناسب ہے زیارت واعظ

دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے کہ مے ہے کیا چیز
نہ بصیرت ہے تجھے اور نہ بصارت واعظ

میکدہ چھوڑ کے جنت کی طرف جائے امیرؔ
چڑھ کے منبر پہ یہ کی خوب عدالت واعظ

چپ بھی ہو بک رہا ہے کیا واعظ
مغز رندوں کا کھا گیا واعظ

تیرے کہنے سے رند جائیں گے
یہ تو ہے خانۂ خدا واعظ

اللہ اللہ یہ کبر اور یہ غرور
کیا خدا کا ہے دوسرا واعظ

بے خطا میکشوں پہ چشم غضب
حشر ہونے دے دیکھنا واعظ

ہم ہیں قحط شراب سے بیمار
کس مرض کی ہے تو دوا واعظ

رہ چکا بتکدے میں ساری عمر
کبھی میخانے میں بھی آ واعظ

ہجو مے کر رہا تھا منبر پر
ہم جو پہنچے تو پی گیا واعظ

دخت رز کو برا امر سے آگئے
پھر نہ کہنا کبھی سنا واعظ

آج کرتا ہوں وصف مے میں امیرؔ
دیکھوں کہتا ہے اس میں کیا واعظ

## ردیف عین مہملہ

پیش رخ پر نور ہے ہر دم سفری شمع
کیوں شام ہی سے ہو نہ چراغ سحری شمع

دن رات یہ روشن ہے وہ روشن ہے تو شب بھر
پائے ترے کانوں کی کہاں جلوہ گری شمع

کس ہر درخشاں کی طرف دیکھ رہی ہے
بے وجہ نہیں ہے تری آنکھوں کی تری شمع

پروانوں سے ہوتا ہے جو رخصت تجھے ہو لے
آتی ہے کوئی دم میں نسیم سحری شمع

ظاہر میں ہے معشوق تو باطن میں ہے عاشق
سیرت میں ہے دیوانہ تو صورت میں پری شمع

وہ جل کے ہوا خاک خبر تک نہیں تجھکو
پروانے سے اچھی نہیں یہ بےخبری شمع

بیچارے پتنگوں کے پر و بال جو پھونکے
یہ بھی ہے کوئی شیوۂ بیدادگری شمع

سبزہ ترے کانوں کا اگر عکس فگن ہو — شمشاد کی صورت ابھی ہو جائے ہری شمع
کیا میری طرح تو بھی کسی مہ کی ہے عاشق — زردی ترے چہرے پہ ہے آنکھوں میں تری شمع
بلبل سے کہو آئے وہ پروانے کے بدلے — گل کر گئی محفل میں نسیم سحری شمع
پروانے کریں کس سے بیاں حال دل اپنا — سنتی ہی نہیں شکوۂ بے بال و پری شمع
معشوق کرے کیا جو مرے آپ ہی عاشق — پروانہ جلے خود تو خطا سے ہے بری شمع
محفل میں کھلے بالوں حسیں کیا کوئی آیا — بے وجہ نہیں تیری پریشاں نظری شمع

بہتے ہیں امیر اشک جو اسکے تو اثر کیا
ہے سوز و گداز غم الفت سے بری شمع

میرے دل میں نہیں ہیں ارمان جمع — گھر میں اللہ کے ہیں مہمان جمع
سیکڑوں عشق کے ہیں سامان جمع — پر نہیں خاطر پریشان جمع
جوشش سودا خیال خط غم زلف — ہیں پریشانیوں کے سامان جمع
آرزو داغ بے کسی حسرت — کیسے کیسے ہیں دل میں مہمان جمع
ہم کوئی روکنے سے رکتے ہیں — در جاناں پہ کیوں ہیں مہمان جمع
ایک دل کے ہزار دل ہو جائیں — اس لئے کر رہا ہوں پیکان جمع
ہنس پڑو تم ہمارے رونے پر — لطف دیں ہوں جو برق و باراں جمع
آرزوئیں تری ہیں دل میں بھری — یاں پری خانے میں ہیں پریاں جمع
اے جنوں کب سے دونوں ہیں مشتاق — آج ہو جائیں جیب و دامان جمع
آج اٹھیں گے زخمیوں کو مزے — ہو رہے ہیں وہاں نمک داں جمع
گر یہی طبع کی روانی ہے — چار دن میں ہے اپنا دیوان جمع

اب ملے گی سخن کی داد امیر
آج محفل میں ہیں سخن دان جمع

# ردیف غین معجمہ

دیکھنا ہمدم یہ بجلی ہے جو چمکاتی ہے تیغ
یا پری کہسار سے کھینچے ہوئے آتی ہے تیغ

جب گنہگاروں پہ تیرے رحم فرماتی ہے تیغ
ابر رحمت بنکے مقتل میں برس جاتی ہے تیغ

واہ رے شوق شہادت ایک پر گرتا ہے ایک
عمر گندی ہے کہ دم لینے نہیں پاتی ہے تیغ

چین پیشانی پہ ابرو پہ شکن اچھی نہیں
دیکھیے بیکار ہو جائیگی بل کھاتی ہے تیغ

روحیں قالب سے نکل آتی ہیں مارے شوق کے
میان سے اُسکے نکلنے بھی نہیں پاتی ہے تیغ

یہ لگاوٹ یہ کھنچاوٹ یہ چلن یہ بانکپن
قہر کی چالیں تجھے اے ترک سکھلاتی ہے تیغ

سخت جانی نے خجل کس کسکو مقتل میں کیا
اُس سے شرماتا ہوں میں اور مجھسے شرماتی ہے تیغ

بسملوں کا جذبۂ شوق شہادت دیکھنا
میان سے بیتاب ہو کر خود نکل آتی ہے تیغ

آبروئے الفت دنداں قاتل میں ملی
اپنا مالا اب گلے میں میرے پہناتی ہے تیغ

چاہتی ہے بے مشقت سرخرو ہو جائے
قتل ہو جانیکا بیڑا مجھ سے اٹھواتی ہے تیغ

ہے یہ بازار جزا اے تیغ زن اپنی خبر
دیکھ وہ تیری قضا کھینچے ہوئے آتی ہے تیغ

سخت عاجز ہے ہماری سخت جانی دیکھکر
پیستی ہے دانت سر تیھر سے ٹکراتی ہے تیغ

حال سارا آبداری کا ابھی کھل جائیگا
منھ مرے زخموں کا کیوں بک بک کے کھلواتی ہے تیغ

کیا عروس مرگ کا دولھا بنائیگی اسے
سرخ جوڑا تیرے کشتے کو جو پہناتی ہے تیغ

ہے پری آنے میں بجلی سے سوا جانے میں ہے
ناز سے آتی ہے اور انداز سے جاتی ہے تیغ

خضر وہ بھی ہے فقط رہزن نہ اسکو جانیے
جان لیتی ہے تو منزل پر بھی پہنچاتی ہے تیغ

اور میری تشنہ کامی پر کسے آتا ہے رحم
حلق میں دو بوند پانی آ کے ٹپکاتی ہے تیغ

تشنۂ دیدار ہوں پیاسا نہ مجھکو ذبح کر
دیکھ قاتل شرم سے پانی ہوئی جاتی ہے تیغ

مجرمانِ عشق کو کوئی دم میں بیڑا پار ہے
آج کل دریائے رحمت بن کے لہراتی ہے تیغ

بسملوں کے خون سے قاتل اسے سیراب کر دیکھ تو کب سے زبانِ خشک دکھلاتی ہے تیغ

رعب ایسا چھا گیا ہے سخت جانی کا امیر
موت میری دور ہی سے مجھ کو دکھلاتی ہے تیغ

تیرے آگے کیا حسینوں کا جلے مہرو چراغ انجم و مہتاب پروانے ہیں تیرے تو چراغ
ہاتھ سے اپنے جلائے تو جو اے گلرو چراغ گل بھی ہو جائے تو پھر پھولوں کی دے خوشبو چراغ
وقت گریہ یاد گیسو تحت دل ہمراہ اشک رات کو برسات میں ہوں جس طرح جگنو چراغ
نورِ عرفاں کیلئے آنکھوں میں آنسو ہیں ضرور نور تب دیتا ہے جب روغن سے ہو مملو چراغ
قصرِ سلطاں خانۂ درویش پر ہے طعنہ زن اے مہِ تاباں ہو گردوں پر نکلکر تو چراغ
فرقتِ محبوب میں کیسی بہارِ بزمِ عیش تیرہ آتا ہے نظر مثلِ گلِ شبو چراغ
جوشِ وحشت میں بیاباں مرگ قسمت نے کیا قبر پر راتوں کو ہوگا دیدۂ آہو چراغ
گل کے مہندی پانو میں جب وہ ہوئے گرمِ خرام نقشِ پا سے شب کو روشن ہو گئے ہر سو چراغ
نور کا پتلا بنایا کیا تجھے اللہ نے ساق ہیں شمعِ روشن کاسۂ زانو چراغ
چھڑکی افشاں زلف میں شبکو چراغاں ہو گیا ہو گئے روشن میانِ کوچۂ گیسو چراغ
صبح تک شب کو تصور کسکے عارض کا رہا گاہ اس پہلو تھا روشن گاہ اُس پہلو چراغ
ایک سے ہے ایک کو اس محفلِ عالم میں فیض شب کو ہے آنکھوں کے حق میں قوتِ بازو چراغ
کسکی زلفِ مشک سا کی لائی ہے خوشبو صبا مشکبو شمعیں سرِ محفل ہیں عنبر بو چراغ
صاف محرابِ حرم ہے ابروئے خمدارِ یار کیوں نہ کہیے خالِ روشن کو تہِ ابرو چراغ
روشنی اُسکی ہے شب بھر یہ بغل رات دن کیا چراغِ داغِ دل کا ہوگا ہم پہلو چراغ
شمعِ کافوری مبارک منعموں کی بزم کو ہیں ہمارے خانۂ تاریک میں جگنو چراغ

سینہ ہے پر داغ اشکوں میں ہیں لختِ دل امیر
باغ میں گویا کہ روشن ہیں کنارِ جو چراغ

نہ آئے شب کو میسر اگر نہ آئے چراغ  
کہ داغ سینے کے روشن ہیں یاں بجائے چراغ

گلا نہیں ہے اگر اقربا نہ لائے چراغ  
کہ جگنوؤں نے مری قبر پہ جلائے چراغ

نقاب ڈال کے آئے ہیں وہ تو کیا پردا  
چھپے نہ پردۂ فانوس میں ضیائے چراغ

لنڈھے شراب کے ساغر جو محتسب آیا  
ہوا غضب کی چلی یک قلم بجھائے چراغ

موئے جو ہم تو مرادیں بر آئیں عالم کی  
بتوں نے خانۂ اللہ میں جلائے چراغ

یہ اپنی عمر کا عالم ہے عہد پیری میں  
نسیم صبح سے جیسی طرح جھلملائے چراغ

تمیز ہو کہ نہ ہو شرط دل کا آنا ہے  
خدا کی شان کہ پروانہ آشنائے چراغ

جہاں کو فیض ہو مجھ سے میں قید کلفت میں  
مکاں میں نور اندھیرا ہی زیر پائے چراغ

وہ صاف دل تھا جلے بے فتیلہ و روغن  
جو کاسہ گر نے مری خاک سے بنائے چراغ

عبث ہے سامنے جاہل کے شعر کا پڑھنا  
وہ بے تمیز ہے اندھے کو جو دکھائے چراغ

جنوں رہا ہے تا صبح یاد عارض میں  
کبھی جلائے کبھی رات کو بجھائے چراغ

خدا ہے دل جو بچے حادثوں کے جھونکوں سے  
کہاں تلک نہ دامن کوئی چھپائے چراغ

رہے نہ داغ جوانی اسیر پیری میں  
جلائے شب کو سحر ہو گئی بجھائے چراغ

## ردیف فا

زلفیں آئی ہیں لٹک کر رخ جاناں کی طرف  
پانوں پھیلائے ہیں اس کافر نے قرآں کی طرف

گھر سے اٹھے تھے کہ جائیں گے گلستاں کی طرف  
وحشت دل لے چلی ہم کو بیاباں کی طرف

پھول مرجھا جائیں شاخوں پہ شجر ہو جائیں خشک  
میں جگر تفتہ جو جا نکلوں گلستاں کی طرف

مل کے اک اک گور سے ہم دیر تک رو آئے  
لے گئی عبرت جو کل گور غریباں کی طرف

رہ گیا ہے آسرا تیری عنایت کا مجھے  
تو ہی اب اے یاس ہو جا میرے ارماں کی طرف

ہوں وہ زخمی دل کو میرے درد کا ہے یہ مزہ　　دیکھتے ہیں زخم حسرت سے نمکداں کیطرف
ہو چکیں وہ دست وحشت کی جو تھیں چالاکیاں　　ہاتھ اب برسوں نہیں اٹھتا گریباں کیطرف
حشر ہے شہر خموشاں میں جو برپا دیکھنا　　کسکی میت آئی ہے گور غریباں کی طرف
کچھ تو تمکو چاہیئے اپنے اسیروں کا خیال　　سو ذرا نکلا کرو دم بھر کو زنداں کیطرف
زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال　　یا برہمن کیطرف ہو یا مسلماں کیطرف
آپ سے جاتا نہیں ہر بار میں مجبور ہوں　　دل کھنچا جاتا ہے میرا کوئے جاناں کیطرف
چاہتا ہوں وصل اس سے جو دو عالم میں نہیں　　مجھکو دیکھو اور میرے دل کے ارماں کی طرف
اب کہیں یاران رفتہ کا نشاں ملتا نہیں　　شوق دل لے چل مجھے گور غریباں کیطرف

جا کے اب یاروں کی تنہائی میں دیکھوں گا امیر
لے چلی ہے بیکسی گور غریباں کی طرف

شوخیاں کہتی ہیں ہم ہیں اسکی چتون کیطرف　　چتونیں کہتی ہیں ہم ہیں چشم پرفن کیطرف
سیر دیکھو دل بھی ہے اس شوخ پرفن کیطرف　　دوست ہوکر بولتا ہے میرے دشمن کیطرف
دیکھ قاتل جذب شوق قتل کا منکر نہ ہو　　وہ چلی تلوار تیری میری گردن کی طرف
اس رخ رنگیں پہ زلفیں دیکھکر کہتی ہے خلق　　جھوم کر کالی گھٹا آئی ہے گلشن کی طرف
ہاتھ جب اسپر اٹھاتا ہے مرا دست جنوں　　بڑھکے کہتا ہے گریباں میں ہوں دامن کیطرف
عارض گلگوں سے الٹی ہے جو اس گل نے نقاب　　بلبلیں اب رخ نہیں کرتی ہیں گلشن کیطرف
گر پڑا کیا کوئی لخت دل کا اے چشم تر　　ڈھونڈھنے کو اشک آتے ہیں جو دامن کیطرف
کھینچ لیتا ہے جو قاتل ہاتھ میرے قتل سے　　دیکھتی ہے تیغ کس حسرت سے گردن کیطرف
کوئی گل توڑا کہ گلچیں نے کیا بلبل کو ذبح　　اے صبا ہنگامہ کیسا ہے یہ گلشن کیطرف
دونوں آنکھوں سے ہے میری آبجو برسات کی　　ایک بھادوں کی طرف ہے ایک ساون کیطرف
نا قبول خلق مجھسا کوئی عالم میں نہیں　　برق بھی آتی نہیں ہے میرے خرمن کیطرف

میان سے کھینچا جو خنجر یار نے اللہ رے شوق
روح سارے جسم کی کھنچ آئی گردن کیطرف

میرے گھر آتے نہیں اچھا نہ آؤ خوش رہو
خاک اڑاتے آؤ گے اک روز مدفن کیطرف

پھول مرجھا جائیں تو مجھ سے نکرنا کچھ گلہ
اے صبا چلنے کو میں چلتا ہوں گلشن کیطرف

آجتک خورشید کا منھ اس طرف ہوتا نہیں
دیکھنا آساں نہیں اُس روئے روشن کیطرف

جب میں کہتا ہوں دم آخر کوئی اپنا نہیں
تیغ کہتی ہے کہ میں ہوں تیری گردن کیطرف

جب بہت تعریف سنتا ہوں میں چشم حور کی
دیکھ لیتا ہوں ترے کمرے کے روزن کیطرف

تیغ ابرو تیر مژگاں دونوں حامی ہیں مرے
ایک سینے کیطرف ہے ایک گردن کیطرف

لاابالی جب نکل چلتے ہیں پھر رکتے نہیں
بوئے گل کب دیکھتی ہے پھر کے گلشن کیطرف

لاکھ ابھارے وحشت دل کوئے جاناں سے امیر
میں نہ صحرا کی طرف جاؤں نہ گلشن کیطرف

کیونکر نہ مرغ دل ہو ہمارا شکار زلف
رشتہ جو دام کا ہے وہ ایک ایک تار زلف

افسوں پڑھو ہزار اثر تا نہیں یہ زہر
ہے اُسکی موت ہی جسے ڈس جائے مار زلف

چوٹی میں اپنے پھول جو رکھے ہیں یار نے
دکھلا رہی ہے طرفہ تماشا بہار زلف

کرتا ہے پھنس کے گیسوؤں میں دل خدا کی یاد
مصروف ذکر میں ہے یہ شب زندہ دار زلف

حاضر ہے میری آنکھوں سے لو دامن مژہ
منظور جھاڑنا ہو جو تم کو غبار زلف

جاؤ گے تم جو کھولے ہوئے بال سوئے دشت
آہو کریں گے مشک کے نافے نثار زلف

سوداگر اپنا دل ہے ٹھکانے ہیں اسکے دو
یا سبزہ زار خط ہے وطن یا تتار زلف

گلزار روئے یار کی کیا بڑھ گئی ہے زیب
آیا ہے گھر کے اُس پہ جو ابر بہار زلف

چھٹ جائیں دل غریبوں کے اے شانہ کر کمک
گھبرا رہے ہیں قیدی زندان تار زلف

جاتا نہیں ہے راہرو دل اب کسی طرف
آیا ہے جب سے سواد دیار زلف

بڑھ جاتی اللہ چشم بصیرت کی روشنی
دیتا ذرا جو کحل جواہر غبار زلف

اے دل سمجھ کے کوچہ الفت میں رکھو قدم — ڈر ہو نہ کاٹ کھائے کہیں اُڑ کے مارِ زلف

بہتر کہیں یہ قید رہائی سے ہے امیر
ہوں پائے بند سلسلۂ تابدارِ زلف

# ردیف قاف

ہیں تری زلفِ رسا کے عاشق — ہم بھی ہیں یار بلا کے عاشق
تیرے معشوق خدا کے معشوق — تیرے عاشق ہیں خدا کے عاشق
غمزے غمزوں کے اٹھاتے ہیں کوئی — آپ سے ناز و ادا کے عاشق
منھ دکھاؤ نہ سناؤ آواز — کان اپنے ہیں صدا کے عاشق
پاؤں رکھتے نہیں بالائے زمیں — تیرے نقشِ کفِ پا کے عاشق
ان جفاؤں پہ وہی ذوق وفا — ہم تو ہیں اپنی وفا کے عاشق
کچھ سے رو ٹھتے نہیں اے تیغ قضا — ناز کرتے ہیں ادا کے عاشق
شوخ چشمی نہ کر اتنی ظالم — گڑے جاتے ہیں حیا کے عاشق
مہندی ملواؤ نہ تم غیروں سے — رنگ لائیں گے حنا کے عاشق
دیکھئے حشر میں کیا ہوتا ہے — ہم ہیں محبوب خدا کے عاشق
رغبت اب دل کو ہے یوں جانب غم — جیسے معشوق کو تا کے عاشق

رات دن ہوتے ہیں اس بت پہ امیر
سیکڑوں بندے خدا کے عاشق

ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں کمر کے عاشق — نہ ادھر کے ہوئے الٰہی نہ اُدھر کے عاشق
ہو وہی آنکھ جو مشتاق ترے دید کی ہو — کان وہ ہیں جو رہیں تیری خبر کے عاشق
جتنے ناوک ہیں کماندار ترے ترکش میں — کچھ مرے دل کے ہیں کچھ میرے جگر کے عاشق

برہمن دیر سے کعبے سے پھر آئے حاجی
تیرے در سے نہ سرکنا تھا نہ سرکے عاشق

آنکھ دکھلاؤ انھیں مرتے ہوں جو آنکھوں پر
ہم تو ہیں یار محبت کی نظر کے عاشق

چھپ رہے ہونگے نظر سے کہیں عنقا کی طرح
توبہ کیجے کہیں مرتے ہیں کمر کے عاشق

بے جگر ہو کے عشق میں کیا ٹھہریں گے
کھاتے ہیں خنجر معشوق کے چرکے عاشق

تجھ کو کعبہ ہو مبارک دل ویراں ہم کو
ہم ہیں زاہد اسی اُجڑے ہوئے گھر کے عاشق

کیا ہوا لیتی ہیں پریاں جو بلائیں تیری
کہ پریزاد بھی ہوتے ہیں بشر کے عاشق

بیکسی درد و الم داغ تمنا حسرت
چھوڑ جاتے ہیں پس مرگ یہ ترکے عاشق

بے سبب سیر شب ماہ نہیں ہے یہ امیر
ہو گئے تم بھی کسی رشک قمر کے عاشق

جادۂ راہ عدم ہے رہ کاشانۂ عشق
ملک الموت ہیں دربان در خانۂ عشق

مرکز خاک ہے درد تہ پیمانۂ عشق
آسماں ظرف برآوردۂ میخانۂ عشق

کم بلندی میں نہیں عرش سے کاشانۂ عشق
دونوں عالم ہیں دو مصراع در خانۂ عشق

ہے جو واللیل سراپردۂ کاشانۂ عشق
سورۂ شمس ہے قندیل در خانۂ عشق

دل مرا شیشہ ہے آنکھیں مری پیمانۂ عشق
جسم یا جوش محبت سے ہے میخانۂ عشق

ہم تھے اور پیش نظر جلوۂ مستانۂ عشق
جب زمانے میں نہ محرم تھا نہ بیگانۂ عشق

غرق ابھی بحر فنا میں یہ دو عالم ہو جائیں
ایک اشارہ جو کرے نرگس مستانۂ عشق

ہم وہ فرہاد تھے کاٹا نئی صورت سے پہاڑ
حسن کا گنج لیا کھود کے ویرانۂ عشق

کچھ گرہ میں نہیں گرمی کے سوا مثل سپند
برگ ہر دود شرر ہوں جو اُگے دانۂ عشق

عین مستی میں ملے ہیں مجھے گوش شنوا
سن رہا ہوں میں صدائے لب پیمانۂ عشق

آئے باغ جناں سے جو زمیں پر آدم
فی الحقیقت تھی وہ اک لغزش مستانۂ عشق

معتقد کون نہیں کون نہیں اسکا مرید
پیر ہفتاد و دو ملت کا ہے دیوانۂ عشق

دل نے تسبیح بنا کر وہ کیے زیب گلو — ہاتھ آئے جو کوئی گوہر یک دانۂ عشق
زلف معشوق نہ گھٹ جائے ادب کا ہے مقام — بڑھ چلیں اتنے نہ موئے سر دیوانۂ عشق
سننے والوں کو یہ ڈر ہے نہ جلیں پردۂ گوش — کیا سناؤں کہ بہت گرم ہے افسانۂ عشق
خاک در کار ہے وہ لوث خطا سے جو ہو پاک — ورنہ ہر خاک سے اگتا ہے کوئی دانۂ عشق
کہتے ہیں مرگ جوانی جسے سب اہل جہاں — اپنے نزدیک ہے وہ بازی طفلانۂ عشق
آہ عاشق سے ہوئی غفلت معشوق نہ کم — خواب تھا حسن فسوں ساز کو افسانۂ عشق
بخت برگشتہ ہوں تب بھی نہیں جاتا مزہ — نہ گرے بادہ جو الٹا دوں بھی ہو پیمانۂ عشق
طور پر کہتی ہے یہ شمع تجلی کی زباں — سرمۂ حسن ہے خاکستر پروانۂ عشق
طالب درد ہے اس درجہ مرا طائر دل — ٹوٹ پڑتا ہے یہ جس دام میں ہو دانۂ عشق
ہوں وہ دیوانہ کہ قدموں سے لگا ہے مرے حسن — ہے مرے پاؤں میں زنجیر پری خانۂ عشق
مر کے دے روح کو میری یہ الٰہی قدرت — ہنس بن جائے کہ چگے گوہر یکدانۂ عشق
کیا فلاطوں کو ہے نسبت ترے دیوانے سے — آشنا ہے یہ محبت کا وہ بیگانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیرؔ
شعلۂ حسن تھا جس روز نہ پروانۂ عشق

جلد آ جاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق — دم میں آ جائیں نہ جوروں کے تمہارے مشتاق
دل صد چاک بھی چلمن ہے کسی کمرے کی — سر جھکاتے ہیں تو کرتے ہیں نظارے مشتاق
مست ہونے کا انھیں حکم ہے اے نرگس یار — خوب پہچانتے ہیں تیرے اشارے مشتاق
تہ و بالا ترے دیدار کا طالب نہیں کون — گل زمیں پر ہیں تو گردوں پہ ستارے مشتاق
استخوانوں کو ہمیں جلدی ہو بدن سے باہر — ہیں ہما و سگ محبوب تمہارے مشتاق

بیخودی تا بکجا آپ میں آؤ بھی امیرؔ
دیر سے بیٹھے ہیں احباب تمہارے مشتاق

# ردیف کاف تازی

آئی جو کھل کے زلف رسا سر سے پانوں تک
لپٹی لگی بلائیں ادا سر سے پانوں تک

لاغر ہوں اس قدر مجھے پہچانتی نہیں
رہ رہ کے دیکھتی ہے قضا سر سے پانوں تک

رخ نور جبہہ نور شکم نور ساق نور
تھا اے صنم ہے نور خدا سر سے پانوں تک

کھائے ہیں ہم نے گل ترے چھلوں کے اسقدر
خالی نہیں ہے جسم میں چھلا سر سے پانوں تک

گنڈا نظر گذر کا پہنائے گی آپ کو
قد ناپتی ہے زلف رسا سر سے پانوں تک

دلکش ہے مجھ ضعیف کا ہر عضو جسم یار
میں کاہ ہوں وہ کاہ ربا سر سے پانوں تک

دوران سر کے ساتھ ہے چکر بھی پانوں میں
ہوں مبتلائے رنج و بلا سر سے پانوں تک

موقوف شمع پر نہیں کچھ سوزش بدن
جس پر گرے یہ برق جلا سر سے پانوں تک

ادنیٰ یہ خار وادی وحشت کی ہے خلش
ایک آبلہ ہے جسم مرا سر سے پانوں تک

میرے نگاہ شوق کی اللہ رے گرمیاں
وہ گل عرق میں ڈوب گیا سر سے پانوں تک

کچھ تم کو میرے طوق و سلاسل کی ہے خبر
زیور میں غرق رہتے ہو کیا سر سے پانوں تک

اچھی کسی کی آنکھ کسی کی نگاہ ہے
یکتا ہیں آپ نام خدا سر سے پانوں تک

گرمی سے حسن کے وہ ہوا ہے عرق عرق
دیکھو ٹپک رہی ہے ادا سر سے پانوں تک

زلف دوتا سے آپ ہے الجھن میں انکا دل
گھیرے ہے دو طرف سے بلا سر سے پانوں تک

گریاں اگر میں نہر لبن سے گذر گیا
فوارہ آب آب ہوا سر سے پانوں تک

تڑپے شب وصال نہ کیونکر نگاہ شوق
گھیرے ہوئے ہے انکو ادا سر سے پانوں تک

جب میں نے فکر کی ترے دانتوں کے وصف میں
آب گہر میں ڈوب گیا سر سے پانوں تک

پہنچائے کربلا میں جو بخت رسا امیر
ملئے بدن میں خاک شفا سر سے پانوں تک

کروں ضبط نفس بدم کہاں تک — لگی ہے آگ اک دل سے زباں تک
دھواں دل سے مرے اٹھا ہے ایسا — اندھیرا ہے زمیں سے آسماں تک
کروں کس شوق سے ہر بار سجدہ — جو پہنچے سر تمہارے آستاں تک
تجھے ملتا نہیں گھر ان کا قاصد — گئے کیونکر پیمبر لامکاں تک
غش آیا ہے مجھے سجدہ میں بے مے — چلو لے کر مجھے پیر مغاں تک
جو موت آئے تو پہچانے نہ مجھ کو — ہوا ہوں ہجر میں لاغر یہاں تک

ایسا مہرباں ہے مجھ پہ صیاد
خبر پہنچے نہ اس کی باغباں تک

## ردیف کاف فارسی

مرے ہر عضو کو ہے اس بت خونخوار سے لاگ — دلکو ہے تیر سے گردن کو ہے تلوار سے لاگ
اُس دلآرام کو ہے میرے دل زار سے لاگ — مژدہ اے مرگ مسیحا کو ہے بیمار سے لاگ
رو بھی لیں کھو کے دل تو بھی کچھ آنسو بچ جائیں — ضبط غم تجھکو ہے کیوں دیدۂ خونبار سے لاگ
کن تلوار سے کرتا ہے جو عاشق کو حلال — دلمیں رکھتا ہے وہ جلاد گنہگار سے لاگ
جھانک کر دیکھ لیا کرتے ہیں چلمن سے کبھی — ہے جو در پردہ انھیں طالب دیدار سے لاگ
پھولنے پھلنے کی نوبت نہیں آنے پاتی — کیا خزاں کو ہے الٰہی مرے گلزار سے لاگ
شانے کیطرح سے صد چاک رہا کرتا ہے — جیسے ہے دلکو ترے گیسوئے خمدار سے لاگ
دو قدم یار چلا اور قیامت آئی — فتنۂ حشر کو ہے یار کی رفتار سے لاگ
ہم نہ ہیں دوست کسی کے نہ کسی کے دشمن — یار سے ہمکو لگاوٹ ہے نہ اغیار سے لاگ
مدد اے پیر مغاں المدد اے پیر مغاں — بڑھ گئی ہے بہت اب چرخ ستمگار سے لاگ
تارے گن گن کے شب ہجر بسر کرتا ہوں — کیا کروں خواب کو ہے دیدۂ بیدار سے لاگ

کیوں حیا اُن کو نکلنے نہیں دیتی باہر — حسنِ یوسف کو ہے کیوں گرمیِ بازار سے لاگ
بندۂ عشق ہوں نہیں ایک سے دونوں ہیں مجھے — کچھ نہ کافر سے محبت ہے نہ اغیار سے لاگ

بے طرح حال تمہارا جو میں پاتا ہوں امیرؔ
ہو گئی کیا کسی معشوقِ طرحدار سے لاگ

## ردیف لام

سنتا نہیں وہ دل سے کبھی داستانِ دل — کس سے بیاں کرے کوئی دردِ نہانِ دل
کرتا ہے آبِ آب جگر کو بیانِ دل — افسانے کی طرح نہ سنو داستانِ دل
اے شاہِ کشورِ دل و جانِ جہانِ دل — قربان ہر ادا پہ دل و جان و جانِ دل
کس بے نشان کی یاد نے ایسا مٹا دیا — سینے میں نام کو نہیں باقی نشانِ دل
ہمراہ دوڑتا ہوں میں اُس شہسوار کے — ہے دستِ اختیار سے باہر عنانِ دل
جب سے کہ تیرِ یار کی سینے میں ہے جگہ — خالی نہیں ہما سے مرا آشیانِ دل
حوا کا عشق قسمتِ آدم میں جو لکھا — پہلا تھا نقطۂ قلمِ امتحانِ دل
بے شبہ اس زمین سے جدا ہے زمینِ عشق — اس آسمان سے ہے الگ آسمانِ دل
پھنک جائے صورِ حشر جو ہونا ہو جلد ہو — کب تک کروں میں ہجر میں ضبطِ فغانِ دل
پھولے ہیں کیسے لالہ و گل فیضِ عشق کے — قابل ہے تیری سیر کے یہ بوستانِ دل
جیسے کہ دھیان ہے رخِ تابانِ یار کا — ہے آفتابِ حشر چراغِ مکانِ دل
جائے گا کیا تصورِ خالِ سیاہِ یار — آنکھ نہیں مردمک ہے سویدا میانِ دل
حسرت وہی فروغ وہی ہے جلا وہی — کچھ کچھ تو آئینے سے ہے آئینہ سانِ دل
تو ہے وہ ماہِ مصر کہ جاتا ہے جس طرف — رہتا ہے ساتھ ساتھ ترے کاروانِ دل
غصے میں آ کے ہاتھ سے پھینکا پٹک دیا — آئینے پر ہوا اُنھیں شاید گمانِ دل

ممنون ضعفِ عالمِ پیری ہوا ہے امیر
جھکتا چلا ہے سر طرفِ آستانِ دل

داغوں سے گلرخوں کے دوبالا ہے شانِ دل
بے ماہ و آفتاب نہیں آسمانِ دل

عنقا سے ہے بلند کہیں آشیانِ دل
سنتے ہیں ہما ظلم پر نہیں ملتا نشانِ دل

فیض قدم سے تیرے بڑھی ہے یہ شانِ دل
ہیں ساتوں آسمان تہِ آسمانِ دل

دوزخ شرارِ نالۂ آتش فشانِ دل
فردوس برگ ریزِ گلِ بوستانِ دل

کعبہ ادب سے آتا ہے میرے طواف کو
جیسے ہما ہیں گوشہ نشینِ مکانِ دل

غنچے کے توڑنے کو سمجھتا ہے معصیت
سونگھی ہے جس نے بوئے گلِ بےخزانِ دل

اتنے لیے پسند ہے مجھ کو چمن کی سیر
گل شکلِ داغِ دل ہے صنوبر نشانِ دل

رہتے ہیں ہر وقت فکر سکندر سے کم نہیں
کرتا ہوں سر جھکا کے میں سیرِ جہانِ دل

آئے نظر نہ عالمِ غم ہو اگر مکیں
خالق نے کیا وسیع بنایا مکانِ دل

سختی نہیں ہے اہلِ صفا کے خمیر میں
دیکھا کہاں کسی نے کبھی استخوانِ دل

کیا آنسوؤں نے پردۂ الفت کیا ہے فاش
آنکھوں سے آشکار ہے رازِ نہانِ دل

کریں گے یاد ہم دردِ دندانِ یار کو
اس طرح موتیوں سے بھرینگے دہانِ دل

ممکن نہیں کہ وہم کسی کا پہنچ سکے
کوسوں ہے لامکاں سے بلند آستانِ دل

مانندِ شمع نطق کی طاقت نہیں مگر
روشن مری زبان سے ہے میرا بیانِ دل

دو ٹکڑے ہو ابھی جگرِ بوالہوس امیر
کھینچوں جو معرکے میں میں تیغِ زبانِ دل

گل وہ رخِ نازک ہے پسینا عرقِ گل
شبنم سے ہے لبریز گہر یا طبقِ گل

بلبل کا قفس چھائے کبھی جو نہ صیاد
اس چرخ پہ بھی چاہیے ہووے شفقِ گل

تا زیست تھا مجھ زار کو عشقِ رخِ رنگیں
ہو غسل و کفن کو عرقِ گل ورقِ گل

اس روئے کتابی کا ہے ذکر اور دہن اپنا
بلبل کو فراموش نہ ہوگا سبق گل

ہے فصل خزاں میں بھی وہی رنگ بہاراں
گل سینۂ بلبل میں ہے داغ قلق گل

کس کے رخ رنگیں کا سنا ہم نے فسانہ
گل کان ہوئے کان کے پردے ورق گل

کب خار الجھ سکتے ہیں دامان صبا سے
گلشن کی قلمرو میں ہے نظم و نسق گل

آہوں نے کیے لخت جگر برہم و درہم
کیا تند ہوائیں ہیں پریشاں ورق گل

آمد ہے یہ گلزار میں کس کی کہ صبا نے
صدقے کے لیے زر سے بھرے ہیں طبق گل

وہ رنگ کہاں اب کہ خزاں باغ میں آئے
بیکار ہے اب تذکرۂ ماسبق گل

تحریر کرے وصف رخ اُسکا تو ہے لازم
پھولی ہے عجب موسم گل میں شفق گل

پائے گا امیر اس رخ گلرنگ کا بوسہ
بلبل کے سوا کوئی نہیں مستحق گل

بجا ہیں بلبل و گلچیں خراب خندۂ گل
دو آتشہ ہے چمن میں شراب خندۂ گل

گرائے برق اگر التہاب خندۂ گل
تو کیوں نہ ہو دل بلبل خراب خندۂ گل

ہنسی ہے اُس گل تر کی جواب خندۂ گل
تبسم نمکیں انتخاب خندۂ گل

کرے گی بلبل نالاں جو حشر میں فریاد
صبا سے ہوگا حساب و کتاب خندۂ گل

محال ہے کہ چڑھے عشق حسن کے منھ پر
کہاں ہے نالۂ بلبل جواب خندۂ گل

چمن میں نالہ کشی ہے قبول اے صیاد
پر اس چمن میں نہیں مجھکو تاب خندۂ گل

ابھی تو صورت شبنم ہوں اشک بلبل خشک
چمک دکھائے اگر آفتاب خندۂ گل

جو کاسۂ سر بلبل ملے وہ منصف ہوں
بھروں میں اُسمیں لبالب شراب خندۂ گل

شراب نغمۂ بلبل کو پی کے کیوں نہ ہو مست
ابھی تو نام خدا ہے شباب خندۂ گل

سمند ہوش ہو بلبل کا کیوں نہ برق خرام
جو تازیانہ ہو موج شراب خندۂ گل

دیا ہے وہ مجھے اللہ نے دل نازک
کہ آب آب کرے جسکو تاب خندۂ گل

نہ جانتی تھی صبا یہ کہ ہو گی غش بلبل
کھلا کے غنچہ اٹھائے نقاب خندۂ گل

ذرا نہیں کسی بلبل کو ہوش صورت مست
غضب کی غنچہ بھی ہے شراب خندۂ گل

غش آ گیا مجھے غنچوں کے مسکرانے سے
کسے ہے حوصلۂ انتخاب خندۂ گل

یہی ہے شام سے مضمون گریۂ بلبل
سحر کو دیکھئے گا اضطراب خندۂ گل

نظیر گریۂ بلبل ہے گریۂ مینا
ہنسی ہے جام کی ساقی شراب خندۂ گل

امیر خیر ہو گلشن میں جان بلبل کی
کھنچی ہے صبح سے تیغ خوشاب خندۂ گل

پرتو رخ سے ترے ہے جو منور محفل
ہے تجلی کدۂ طور سے بڑھ کر محفل

جذب دل کھینچ کے گل پیرہنوں کو لے آ
عطر مجموعہ سے ہو جائے معطر محفل

رشک پروانہ میں باہم تم ہو اگر غیرت شمع
امتحان کے لئے ہو جائے مقرر محفل

بت فراہم ہوئے اس درجہ ہجوم میں یا میرے
بن گئی غیرت بت خانۂ آذر محفل

ہجر میں چار ادھر چار ادھر روتے ہیں
جس طرح ماہ محرم میں ہو گھر گھر محفل

صاف فانوس خیالی کا گمان ہوتا ہے
کھا رہی ہے یہ ترے رقص سے چکر محفل

باغ کس کام کا جس میں گل و شمشاد نہ ہوں
لطف دیتی نہیں بے شیشہ و ساغر محفل

رقص کے وقت قیامت ہے تمہاری ٹھوکر
کیوں الٹ جائے نہ مثل صف محشر محفل

لیکے نالوں کے علم ہم بھی ضرور آئیں گے
ہو گی جس روز محرم میں ترے گھر محفل

جا چکا عہد جوانی کا چلیں سوئے عدم
شمع ساں دیکھ چکے دہر میں شب بھر محفل

شمع فانوس میں پھولی نہ سمائی اے گل
تیرے آتے ہی ہوئی جائے سے باہر محفل

بل گیا یار کا ابرو جو ذرا رقص کے وقت
ایک ہم کیا کہ ہوئی کشتۂ خنجر محفل

گذر اس ماہ دو ہفتہ کا بھی شاید ہو امیر
کیجئے چودھویں تاریخ مقرر محفل

فرقت یار میں ماتم کدہ ہے ہر محفل
بلکہ ہنگامۂ محشر کے برابر محفل

ہو عجب شمع کی صورت دل قاتل نہ جلے
بسملوں کے ہو تہ سایۂ خنجر محفل

چاہیئے آئینہ رویوں کا بھی قتل ہو جائے
کیجئے چل کے سیہ قبر سکندر محفل

ہم بغل مجھ سے ہو غیروں کو لگائے رکھو
گھر میں خلوت ہی رہے شمع ہو باہر محفل

کس پریرو کا تصور نہیں دل میں اپنے
جمع رہتی ہے اس آئینے کے اندر محفل

سب مکانوں سے جدا ہیں مغاں کا ہے مکاں
میکشوں کی ہے الگ شہر سے باہر محفل

اے پری حسن سے تیرے ہے جہاں کی رونق
جس طرح شمع سے ہوتی ہے منور محفل

تمکو پروا ہے نہ افشا کی نہ اخفا کا خیال
گھر کے باہر کبھی خلوت کبھی اندر محفل

پھر دل سوختگاں روز الم ہے شب عیش
چشم پروانہ میں آتشکدہ ہے ہر محفل

داغ کے جاتے ہی ہوئی انجمن ہم اداس
محفل آرا نہ ہو کوئی تو ہے ابتر محفل

شمع محفل میں ہے پروانے ہیں گرد سر شمع
کیا تکلف ہے کہ محفل کے ہے اندر محفل

ہم ہیں پروانہ دل سوختہ بزم خیال
شمع رویوں سے یہاں گرم ہے شب بھر محفل

سر فروش آئے ہیں مشتاق شہادت اے ترک
جمع کرتا ہے ہمیشہ ترا خنجر محفل

اس کے ہجر کا نے سے برہم ہوئی یہ غیر امیر
شمع کیا ہم پہ ہوئی دست بہ خنجر محفل

جب یار ہوا جفا کے قابل
تب ہم نہ رہے وفا کے قابل

ہے خوف سے سارے تن میں رعشہ
اب ہاتھ کہاں دعا کے قابل

آئے سب مجھے دیکھنے اطبا
جب میں نہ رہا دوا کے قابل

بولے مرے دل پہ میں کر دانت
یہ دانہ ہے آسیا کے قابل

کلفت سے امیر صاف کر دل
یہ آئینہ ہے جلا کے قابل

ایلی مجھے پیش جہلا بات سے حاصل
خالی ہو مکاں تعزیہ حکایات سے حاصل

تسکین مجھے دیتے نہیں اے حضرتِ واعظ
کیا اور مجھے قبلہ حاجات سے حاصل

پتھر ہے ترا دل میں کہوں حالتِ دل کیا
کعبے میں جو بت ہو تو مناجات سے حاصل

ہے زیست کا حاصل تو فقط وصل کی لذت
جس رات کا وعدہ ہو نہ اس رات سے حاصل

روتا ہوں بہو بھی تو مجھے مے نہیں ملتی
کیا بندگی پیر خرابات سے حاصل

ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل ہے مکدر
نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات سے حاصل

تقدیر مری تو نہ بدل دے گا دعا سے
اے شیخ پھر اس کشف و کرامات سے حاصل

قسمت میں جو ہے وہ بہرکیف ملے گی
پھر قاضی و مفتی کی ملاقات سے حاصل

پہچانتے ہیں اہل سخن خوب سخن کو
خاموش امیر اتنی مباہات سے حاصل

## ردیف میم

کیوں نالے کریں بلبل گلشن تو نہیں ہم
اے ضبط جنوں عقل کے دشمن تو نہیں ہم

دل کو جو بچاتا ہوں تو کہتی ہیں وہ آنکھیں
کیا لوٹ ہی لینگے کوئی رہزن تو نہیں ہم

خالق نے تمہیں مہر بنایا ہمیں شبنم
دکھلاؤ جو تم چہرۂ روشن تو نہیں ہم

خط دیکے تجھے کوچۂ جلاد میں بھیجیں
کچھ خیر ہے قاصد ترے دشمن تو نہیں ہم

ذلت سے کبھی لینگے نہ ہم بوسۂ گیسو
صدقہ کسے دیتے ہو برہمن تو نہیں ہم

کیا ضعف سے حاصل کہ ترے گھر میں نہ پہنچے
ذرے ہیں مگر ذرۂ روزن تو نہیں ہم

دل کھینچے لیے جاتا ہے قاتل کی گلی میں
کچھ آپ روانہ سوئے مدفن تو نہیں ہم

رہ جائینگے پیچھے نہ کبھی ساتھ سے تیرے
سایہ ہیں غبار سم توسن تو نہیں ہم

سو بار کہیں گے ارنی طور پہ جا کر
کیا سمجھے ہیں موسیٰ ہمیں الکن تو نہیں ہم

کرتا ہوں جو کنگھی تو یہ کہتے ہیں وہ گیسو — کانٹوں میں نہ کھینچو ہمیں دامن تو نہیں ہم
ظاہر ہیں تو نرگس کی طرح پائی ہیں آنکھیں — پر قابل نظارۂ گلشن تو نہیں ہم
بخیے کا دیا حکم تو بولے دہن زخم — سلواتے ہو کیوں قابل سیون تو نہیں ہم
موسیٰ سے یہ کہہ دو کہ بہت بڑھ کے نہ بولیں — کچھ نابلد وادی ایمن تو نہیں ہم
کہتا ہے حیا سے وہ دہاں آلود — کیا دیکھتے ہیں سب گل سوسن تو نہیں ہم
غیروں کے جو دشمن ہیں تو کیا تیری طرح سے — اے دوست کسی دوست کے دشمن تو نہیں ہم
کیا نالہ کشی کی ہمیں بت دیتے ہیں ترغیب — انسان ہیں ناقوس برہمن تو نہیں ہم
کرتی ہیں یہ طنز انکے خط سبز پر آنکھیں — کچھ پیرہن خضر میں رہزن تو نہیں ہم
کیا حوصلہ انکا ہے جو زنداں میں یہ کہیں — زندانی تاریکی مدفن تو نہیں ہم
بے منت احباب یہاں قبر ہو روشن — محتاج چراغ سر مدفن تو نہیں ہم

بوئے گل فردوس امیر اپنا ہے مردہ
سر کا جو ذرا تختۂ مدفن تو نہیں ہم

ہوئے جو تنگ وصل یار میں ہم — اچھے پھولے پھلے بہار میں ہم
ہو گئے مردہ ہجر یار میں ہم — گھر میں اپنے ہیں یا مزار میں ہم
اسکو لائینگے خاک قابو میں — کہ نہیں اپنے اختیار میں ہم
کون پوچھے گا ہم غریبوں کو — روز محشر ہیں کس شمار میں ہم
فرش سے عرش تک نشان نہیں — دور پہنچے ہوائے یار میں ہم
حضرت دل جو تم ہو پہلو میں — مر کے بھی رہ چلے مزار میں ہم
وصل میں بھی شکستہ خاطر ہیں — توبۂ مست ہیں بہار میں ہم
پیش رخسار یار خار ہیں گل — ایک دو کیا کہیں ہزار میں ہم
قاصد آیا ہے پر نہیں پاتا — گم ہوئے ایسے انتظار میں ہم

گھر میں ہیں لیکن اپنے نام کی طرح
ہیں ہر اک ملک ہر دیار میں ہم

زلف و رخسار کے تصور سے
ہیں حلب میں کبھی تتار میں ہم

جبر جو چاہیں ہم پہ وہ کر لیں
ہیں امیران کے اختیار میں ہم

ہوا کہ زندہ رہا نامہ بر نہیں معلوم
کچھ آجتک ہمیں اسکی خبر نہیں معلوم

مکان دلمیں ہے کسکا گذر نہیں معلوم
یہ بیخودی ہے کہ گھر کی خبر نہیں معلوم

کیا ہے بے خبری نے جہان سے فارغ
فلک کہاں ہے زمیں ہے کدھر نہیں معلوم

میں جسکو دیتا ہوں اس فتنہ گر کے نام کا خط
وہ ٹالتا ہے کہ مجھکو تو گھر نہیں معلوم

تری گلی ہے کہ میدان حشر ہے قاتل
یہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں معلوم

ہوا شہید تبسم جگر کہ دل یارب
گری تڑپ کے یہ بجلی کدھر نہیں معلوم

کیا ہے ذوق شہادت نے محو یہ دم قتل
لگے ہیں زخم کہاں جسم پر نہیں معلوم

شب وصال ہوں بوس و کنار سے محروم
دہن کہاں ہے کدھر ہے کمر نہیں معلوم

پڑا ہے تیغ کے نیچے کہ پائے قاتل پر
کدھر کو اڑ کے گیا تن سے سر نہیں معلوم

شب وصال سر شام سے وہ کہتے ہیں
کہ آج کیوں نہیں ہوتی سحر نہیں معلوم

ادھر کو منھ جو نہیں پھیرتا کبھی خورشید
یہ کسکا گرم ہے بازار ادھر نہیں معلوم

جو کل تھے ساتھ گئے آج کسطرف یارب
کسی کا حال کسی کی خبر نہیں معلوم

خضر ہو راہبری ہے ثواب اے زاہد
کہ ہم کو بادہ فروشوں کا گھر نہیں معلوم

ہمیشہ نالہ دل بے اثر ہے کیا باعث
یہ نخل کیوں نہیں لاتا ثمر نہیں معلوم

جہاں میں اب نظر آتا ہے رات دن اندھیر
فلک سے کیا ہوئے شمس و قمر نہیں معلوم

بھٹکتے پھرتے ہیں ہم مثل گرد راہ امیر
ہوا ہے قافلہ راہی کدھر نہیں معلوم

تیرے جور و ستم اٹھائیں ہم — یہ کلیجا کہاں سے لائیں ہم
جی میں ہے اب وہاں نہ جائیں ہم — دل کی طاقت بھی آزمائیں ہم
نالے کرتے نہیں یہ الفت میں — باندھتے ہیں تری ہوائیں ہم
اے لب یار کیا ترے ہوتے — لب ساغر کو منہ لگائیں ہم
دل میں تم دل ہے سینہ سے خود گم — کوئی پوچھے تو کیا بتائیں ہم
آب شمشیر یار اگر مل جائے — اپنے دل کی لگی بجھائیں ہم
اب جو منہ موڑیں بندگی سے تری — اے بت اپنے خدا سے پائیں ہم
زندگی میں ہے موت کا کھٹکا — قصر کیا مقبرہ بنائیں ہم
توبۂ مے سے کیا پشیماں ہیں — زاہدو دیکھ کر گھٹائیں ہم
دل میں ہے مثل ہیزم و آتش — جو گھٹائے اسے بڑھائیں ہم

زار سے زار ہیں جہاں میں امیر
دل ہی بیٹھے جو لطف اٹھائیں ہم

## ردیف نون

کیا دیر ہے امیر کے عفو گناہ میں — اللہ کیا کمی ہے تری بارگاہ میں
آئے ہو تیغ کھینچ کے تم قتل گاہ میں — لو لو تو پہلے مر گئے کس کی نگاہ میں
کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے لیکن نہال ہوں — کھٹکوں گا اور اپنے عدو کی نگاہ میں
بیہوش کوئی بزم خرابات میں نہیں — مشہور یہ خبر ہے غلط خانقاہ میں
خالی شرارتوں سے نہیں ظلمت جہاں — لپٹی ہوئی ہے برق گلیم سیاہ میں
پیری میں قد نگوں جو ہوا دانت بھی چلے — بھاگڑ پڑی شکست علم سے سپاہ میں
مدت ہوئی پھرے ہوئے آنکھوں کی پتلیاں — صورت تمہاری پھرتی ہے اب تک نگاہ میں

نکلا نہیں ہے خط ترے عارض پہ حسن نے — کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں
کشتی ضرور ساتھ رہے تیرے اے فقیر — ڈوبے نہ قلزمِ کرمِ بادشاہ میں
بے قصد بد سے بھی کبھی ہوتا ہے کارِ نیک — شب کو چراغ غول جلاتے ہیں راہ میں
دعویٰ بہت تھا سنگدلی کا حضور کو — کیوں دل بگڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں
اللہ رے جذب میری تڑپ کا کہ تیر تیغ سے — تاثیریں دوڑی آتی ہیں آغوشِ آہ میں
اعلیٰ کو کیوں نہ صحبتِ ادنیٰ سے ہو حذر — دیکھا کبھی نہ پرتوِ خورشید چاہ میں
یوسف سے بھی سوا ہے مرے دلکا مرتبہ — ڈوبا ہوا ہے چاہِ زنخداں کی چاہ میں
بے داغِ عشق ارض سے تا آسماں ہے کون — ماہی میں فلس ہے تو کلف جرمِ ماہ میں

ہے نقش دل پہ صورتِ توحید اے امیر
ہوں محوِ ذکرِ اشہد ان لا الہ میں

ہوں زار اس قدر کہ تری جلوہ گاہ میں — چھپ جاؤں گا میں پردۂ گردِ نگاہ میں
ہیں جلوہ گر شرار مرے دودِ آہ میں — یہ نجم چھپتے ہیں کوئی ابرِ سیاہ میں
وہ توڑ اے فلک ہے مرے تیرِ آہ میں — چاہوں تو رخنے ہوں سپرِ مہر و ماہ میں
سمجھے سریر و تاج کو کشکول و بوریا — ہو فقر کا مزہ جو دلِ بادشاہ میں
آہ اس دہن سے نکلے تو کیونکر حسیں ہو — بنجائے ماہ نیم جو مل جائے آہ میں
سایہ پڑا اگر مرے بختِ سیاہ کا — یہ تیرگی نہ تھی تری زلفِ سیاہ میں
افعالِ نیک کیلئے اچھی جگہ بھی ہو — مے پیجئے تو چل کے کسی خانقاہ میں
آنے نہ دے حیا کو یہ ہے رات وصل کی — کیا کام غیر کا ہے تری جلوہ گاہ میں
دیوانہ تیرا آتا ہے لرزاں ہیں اہلِ شہر — رستم کی دھاک سے ہے تزلزل سپاہ میں
کیوں شغلِ رخ نہ ہمکو خطِ سبز ہو پسند — پھولوں کی ہمکو آتی ہے خوشبو گیاہ میں
اہلِ زمانہ بنکے بگڑتے ہیں کیسے جلد — ہے ماہ کو زوال و کمال ایک راہ میں

ہم رہروانِ عشق کو محشر کا خوف کیا  پڑتے ہیں ایسے کتنے ہی میدان راہ میں

زلفوں کی آڑ میں نہیں کرتے وہ چشمکیں  بجلی تڑپ رہی ہے یہ ابرِ سیاہ میں

کیا سمجھے قدر ساغرِ جمشید کی وہ چشم  دنیا نہیں سماتی ہے جسکی نگاہ میں

تونے تو اے سیاہیِ شبہائے تارِ ہجر  دھبا لگا دیا مرے بختِ سیاہ میں

اترے جو نشہ توبہ کریں ہم شراب سے  لغزش نہ تازیاں کو ہو عذرِ گناہ میں

آئے وہ گور پہ جو ہوئے دفن ہم اسیر
جاگے نصیب سوئے اگر خوابگاہ میں

کس کام کی ہے آنکھ تمہیں جلوہ گاہ میں  کیا احتیاج شمع تماشائے ماہ میں

ہیں شوخیاں یہی جو تمہاری نگاہ میں  بجلی گرے گی چار طرف جلوہ گاہ میں

محراب اسکی تیغ کو سمجھا پڑھی نماز  پہنچا میں قتل گاہ میں یا عیدگاہ میں

فریاد کس سے تیرے سوا اے اجل کریں  ساتھی ہمارے چھوڑ گئے ہمکو راہ میں

چہرہ دکھا جو حسن کا شاہد ہے آئینہ  قرآن ضرور چاہیئے دستِ گواہ میں

اس ترک کج کلہ پہ اٹھیں کیوں نہ انگلیاں  انداز ماہِ نو کا ہے طرفِ کلاہ میں

دیکھو جھکا کے آنکھ تو دیکھو رقیب کو  چھریاں بھری ہوئی ہیں تمہاری نگاہ میں

برگشتہ بخت وہ ہوں جو منزل چلا کبھی  گھیرا ادھر ادھر سے بگولوں نے راہ میں

کوچے سے تیرے اٹھ گیا شاید ترا فقیر  کملی سی اک پڑی ہوئی دیکھی ہے راہ میں

اعضا تمام صوم میں رہتے ہیں روزہ دار  روزے ہزار رکھتے ہیں ہم ایک ماہ میں

پست و بلند دائرۂ عشق میں نہیں  پائیں و صدر ایک ہے اس بارگاہ میں

ہے راست رو وہی جو ہے دینِ رسول پر  ہوتی ہے کوئی راہ غلط شاہراہ میں

غواص آئیں بحر سے موتی نکالنے  پرتو اگر پڑے ترے دانتوں کا چاہ میں

یوں روئے یار دیکھ کے مجروح دل ہوا  ہو جائے جیسے چاک کتاں نورِ ماہ میں

متواضع دونوں پانوں ہیں وحشت کے جوش میں　　کچھ ماندگی سے کام نہیں قطع راہ میں

نشہ کے ڈورے یار کی آنکھوں میں ہیں امیر
یا چند سرخ پوش مکان سیاہ میں

وہ تو سنتا ہی نہیں میں دادخواہی کیا کروں　　کس کے آگے جا کے سر پھوڑوں الٰہی کیا کروں
مجھ گدا کو دے نہ تکلیف حکومت اے ہوس　　چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں
رشک دیکھو غیر میرا محضر خوں دیکھ کر　　سوچتا ہے اس پہ میں اپنی گواہی کیا کروں
دھوتے دھوتے آنسوؤں سے ہو گئیں آنکھیں سفید　　بخت بد جاتی نہیں تیری سیاہی کیا کروں
مجھ کو ساحل تک خدا پہنچائیگا اے ناخدا　　اپنی کشتی کی بیاں تجھ سے تباہی کیا کروں
نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا　　اب تری آنکھوں میں دم ہے کم نگاہی کیا کروں
ترک لذت سے جدائی میں زباں ہے آشنا　　بادۂ صاف و کباب مرغ و ماہی کیا کروں
شوق کہتا ہے پہنچ جاؤں گا میں کعبے میں جلد　　راہ میں بتخانہ پڑتا ہے الٰہی کیا کروں
کل گیا تھا پیش زاہد سوچتا ہوں دل میں آج　　خدمت پیر مغاں میں عذرخواہی کیا کروں
فرض کر دم آہ رک سکتی ہے تھم سکتے ہیں اشک،　　چھپ نہیں سکتا ہے لیکن رنگ کاہی کیا کروں

وہ مرے اعمال روز و شب سے واقف ہیں امیر
پیش خالق ادعائے بےگناہی کیا کروں

گلے میں ہاتھ تھے شب اس پری سے راہیں تھیں　　سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں
نکل کے چہرے پہ میدان صاف خط نے کیا　　کبھی وہ کوچہ تھا ایسا کہ بند راہیں تھیں
فراق میں ترے عاشق کو جا کے کل دیکھا　　کہ وہ تو ہیچ تھا کچھ اشک تھے کچھ آہیں تھیں
بگولے اب ہیں یہ غربت ہے گور شاہاں پر　　سروں پہ چتر جلو میں کبھی سپاہیں تھیں
ہزاروں لوٹ گئے کل اٹھی جو وہ چلمن　　خدنگ موئے مژہ برچھیاں نگاہیں تھیں
کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ　　وگرنہ رابطے کی اس سے ہزار راہیں تھیں

یہ ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے
کبھی فلک سے بھی اونچی ہماری آہیں تھیں

جگر میں تیر کی گو چبھ رہی تھیں کچھ پھانسیں
مگر جو غور سے دیکھا تری نگاہیں تھیں

پہنچ گئے سرِ منزل چلے جو چال نئی
اُنھیں میں پھر تھا دیکھی ہوئی جو راہیں تھیں

فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ
یہاں جو بنے ہیں یہ میخانے خانقاہیں تھیں

یہ ضعف اب ہے کہ ہلنا گراں ہے قدموں کو
بیاباں روی میں کبھی انکو دستگاہیں تھیں

مشاعرے سے اکیلے کیوں حسین لیجاتے
رہا خیال مری جو گوشہ کلاہیں تھیں

حسین زر کے ہیں طالب کہ اب ہیں گرد امیر
غریب ہم تھے تو یہ پیار تھا نہ چاہیں تھیں

جب کبھی اُسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

داغ سے بڑھکے نہیں دل میں کسی کا جلوہ
گھر کی رونق اسی مہمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے پری تو نہیں پریوں کی مگر خو تجھ میں
انس تجھ کو بہت انسان سے ہم دیکھتے ہیں

ضعف کا پاس کرے دستِ جنوں کے ہوتے
یہ بہت دور گریبان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالب مقصود تو مٹ جا اے دل
نفع تیرا ترے نقصان سے ہم دیکھتے ہیں

حشر میں ہاتھ سے رضوان کے اُسے بھی ہو نصیب
ذلتیں جو ترے دربان سے ہم دیکھتے ہیں

مظہرِ خاص تجھے حق نے بنایا ہے صنم
شان اُس کی تری ہر شان سے ہم دیکھتے ہیں

گرد ابرو پہ ہے منھ لال ہے چتون ہے بھری
آج اُنھیں اور ہی سامان سے ہم دیکھتے ہیں

جب نظر بندہ نوازی پہ تری جاتی ہے
مور کو بڑھ کے سلیمان سے ہم دیکھتے ہیں

دل یہ کہتا ہے بدخشاں میں شفق پھولی ہے
سرخ جب ہونٹھ ترے پان سے ہم دیکھتے ہیں

خاک پر پاتے ہیں غلطاں اُسے حسرت کے سبب
جو گہر دور ترے کان سے ہم دیکھتے ہیں

بار بار آتی ہے زلف اُس رخِ روشن کیطرف
ربط کافر کو مسلمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہو کہیں لالہ و گل اور کہیں شمس و قمر
ہر جگہ تم کو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں

کنہ باری کو پہنچ جائے دلا فکر سے تو
یہ تو باہر ترے امکان سے ہم دیکھتے ہیں

ہر طرف اپنی ہی صورت ہمیں آتی ہے نظر
آئینہ خانہ میں حیران سے ہم دیکھتے ہیں

کیا سواری کسی قاتل کی پھری مقتل سے
لاشے آتے ہوئے میدان سے ہم دیکھتے ہیں

کچھ تمہیں سے نہیں کاوش ہے حسینوں کو امیر
چھیڑ پریوں کی ہر انسان سے ہم دیکھتے ہیں

تیغ جلاد کو ارمان سے ہم دیکھتے ہیں
موت کو اپنی عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں

اب بھی قاتل تجھے ارمان سے ہم دیکھتے ہیں
زیر خنجر بھی اُسی آن سے ہم دیکھتے ہیں

دیکھتے تھے رخ امید کو جس حسرت سے
یاس کو بھی اُسی ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

سنکے حال دل عشاق کو اس کان سے وہ
صاف اُڑا دیتے ہیں اُس کان سے ہم دیکھتے ہیں

آنکھ آئینے سے کیوں اُنکی بھری رہتی ہے
کیا یہ سمجھے ہیں کہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں

مدح کرتا ہے جو تو غیر کی دانائی کی
پھر دل منھ کو ترے نادان سے ہم دیکھتے ہیں

شکل آئینہ بنایا ہے ہمیں حیرت نے
دیکھتے ہیں جسے حیران سے ہم دیکھتے ہیں

رشک یہ ہوتا ہے کہ حلقے میں نہ ناگنی کے پھنسا
زلف لپٹی جو ترے کان سے ہم دیکھتے ہیں

جان باقی نہیں گو دل میں ہماری لیکن
تجھ پہ قرباں اسے سو جان سے ہم دیکھتے ہیں

خط نمایاں کبھی کرتا ہے کبھی خال وہ رخ
رونق معجزہ قرآن سے ہم دیکھتے ہیں

بھر گیا جی غم دلدار سے شاید اے دل
کچھ کشیدہ تجھے مہمان سے ہم دیکھتے ہیں

رشک ہوتا ہے کہ شاید ہے تمہارا عاشق
تنگ اے جان جسے جان سے ہم دیکھتے ہیں

ساغر بادہ بھی ہے جام جہاں بیں ساقی
سیر عالم ترے احسان سے ہم دیکھتے ہیں

جی میں آتا ہے کریں ہاتھ کلائی سے قلم
جب الگ اسکو گریبان سے ہم دیکھتے ہیں

ہو گیا میل کچھ آپس میں کہ اب غیروں کو
جھانک کے ملتے ترے دربان سے ہم دیکھتے ہیں

لحن داؤد سے آہن جو ہوا موم تو کیا
دل کو پانی تری ہر تان سے ہم دیکھتے ہیں

عرش کا حال دل صاف سے آتا ہے نظر　　رفعت بام کو دالان سے ہم دیکھتے ہیں

دور بینی ہمیں کیا چشم بصیرت کی امیر
صاف سیر قدم امکان سے ہم دیکھتے ہیں

بخت رسا سے گو کہ گلیم گدا ہوں میں　　شاہوں کے سر پہ سایۂ بال ہما ہوں میں
صحرا میں مثل موج ہوا کم نما ہوں میں　　دریا میں نقش آب کی صورت فنا ہوں میں
واکردہ چشم دل صفت نقش پا ہوں میں　　ہر رہگذر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں
مطلب جو اپنے کہنے کا عاشق کو نہ سمجھ　　دولت کے بول اٹھا کیا خدا ہوں میں
اے انقلاب دہر ستاتا ہے کیوں مجھے　　نقشے ہزاروں مٹ گئے ہیں بن رہا ہوں میں
وحشت میں گو کہ قیس سے بڑھ کر نہیں مگر　　اتنا کہوں گا ایک وہ تھا دوسرا ہوں میں
افتادگی ہیں اس سے نہ سمجھو جدا مجھے　　سایہ صفت قدم بقدم زیر پا ہوں میں
محنت یہ کی کہ فکر کا ناخن بھی گھس گیا　　عقدہ یہ آجتک نہ کھلا مجھ پہ کیا ہوں میں
اس دل کا قتیلا ہوں جو رکھتا ہے داغ عشق　　پروانہ چراغ حرم ہو گیا ہوں میں
کشتہ کیا ہے مجھ کو محبت کے جوش نے　　مانند موج خنجر تجھ آشنا ہوں میں
اعضائے تن کو لیکہ ہے زخموں کا اشتیاق　　آہن ہے تیغ یار تو آہن ربا ہوں میں
کہتی ہے ہر ایک تری زلف دراز سے　　چھوٹے سے قد پہ میرے نہ جانا بلا ہوں میں
رسوا ہوئے ہو آپ تو میرا قصور کیا　　جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بے خطا ہوں میں
زندہ کیے ہیں میں نے دل مردہ سیکڑوں　　فیض سخن سے عیسی معجز نما ہوں میں
مقتل ہو میری جان کو وہ جلوہ گاہ ناز　　دل سے ادا یہ کہتی ہے تیری قضا ہوں میں
لذت ہے آب تیغ میں آب حیات کی　　زندہ بسان خضر ہوں گو مر چکا ہوں میں

مانند سبزہ اس چمن دہر میں امیر
بیگانہ وار ایک کنارے پڑا ہوں میں

دامن سے لوگ اسکے اکثر لگے ہوئے ہیں — کوچے میں سیکڑوں کے بستر لگے ہوئے ہیں
کیونکر نہ ہوں نگاہیں قاتل کی تیز ایسی — تیلے کی سان پر یہ خنجر لگے ہوئے ہیں
نکلیں گے حشر کے دن ہم ناتوان کیونکر — قبروں کے منھ پہ بھاری پتھر لگے ہوئے ہیں
کیا دیکھیے عاشقوں کے وہ داغدار سینے — پھولوں کی کشتیوں میں زیور لگے ہوئے ہیں
یارب ہے کس کی آمد جو شہر میں ہے شادی — صندل کے آج چھاپے گھر گھر لگے ہوئے ہیں
چاہی جو میں نے عجلت بولا بگڑ کے قاصد — اڑ جاؤں کس طرح میں کیا پر لگے ہوئے ہیں
کیا حال دل چھپاؤں جاسوس اس پری کے — اندر لگے ہوئے ہیں باہر لگے ہوئے ہیں
نامے وہ یاری باری عشاق کے پڑھینگے — عجلت سے کچھ نہ ہوگا نمبر لگے ہوئے ہیں
میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تری حقیقت — اک مشت استخواں میں لاکھ پر لگے ہوئے ہیں
کیا کیا اذیتیں ہیں مژگاں کی یاد میں بھی — اک اک رگ میں سو سو نشتر لگے ہوئے ہیں
بڑھتا ہے آبرو میں کیا آنسوؤں سے میرے — کون ایسے لعل تجھ میں گوہر لگے ہوئے ہیں
ہے حکم یار کوئی میری طرف نہ دیکھے — یہ اشتہار اب تو گھر گھر لگے ہوئے ہیں

مجھ بے نوا گدا کو پوچھے امیر وہ کیا
شاہوں کے اس گلی میں بستر لگے ہوئے ہیں

جب خوبرو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں — کہتا ہے حسن میں نہ رہوں گا حجاب میں
بے قصد لکھ دیا ہے گلہ اضطراب میں — دیکھوں کہ کیا وہ لکھتے ہیں خط کے جواب میں
بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں — اب دختِ رز کو چین کہاں ہے حجاب میں
اللہ رے میرے دل کی تڑپ اضطراب میں — گھبرا کے کروٹیں لگے لینے وہ خواب میں
مہمان کے ساتھ کھانے کا ہوتا نہیں حساب — ہم تم کباب کھائیں ڈبو کر شراب میں
اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی — یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں
ملنے کا وعدہ منھ سے تو انکے نکل گیا — پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں

دو کی جگہ دیئے مجھے بوسے بہک کے چار
تھے نیند میں پڑا انھیں دھوکا حساب میں

قاصد ہی قول و فعل کا کیا اُنکے اعتبار
پیغام کچھ کہا ہی لکھا کچھ جواب میں

ترغیب میرے قتل کی دو اُنکو بہر سو
ہی کار خیر تم بھی ہو داخل ثواب میں

سمجھے ہیں دلمیں کیا جو یہ گلرو ہوا میں ہیں
مہمان چار دن کا ہی جوبن حساب میں

سمجھا ہی تو جو غیبتِ پیرِ مغاں حلال
واعظ بتا یہ مسئلہ ہے کس کتاب میں

خونخوار ہی وہ مست ملے گا بڑا مزہ
قیمہ مرے جگر کا ملا دو کباب میں

کام آئی کیسی ظلمتِ عصیاں بروز حشر
سایہ ہمارے سر پہ رہا آفتاب میں

دیکھا کیا جو دفترِ آفاق بعد جمع
ہم پہلے ہو گئے نظری انتخاب میں

منظور قید و قتل جو ہو حکم دیجئے
ہے یہ گناہگار بھی حاضر جواب میں

دامن میں اُنکے خون کی چھینٹیں پڑیں امیر
بسمل سے پاس ہو نہ سکا اضطراب میں

قاضی بھی اب تو آئے ہیں بزم شراب میں
ساقی ہزار شکر خدا کی جناب میں

جا پائی خط نے اسکے رخ بے نقاب میں
سورج گہن پڑا شرفِ آفتاب میں

دامن بھرا ہوا تھا جو اپنا شراب میں
محشر کے دن بٹھائے گئے آفتاب میں

رکھا یہ تم نے پائے حنائی رکاب میں
یا پھول بھر دیئے طبقِ آفتاب میں

تیر دعا نشانے پہ کیونکر نہ بیٹھتا
کچھ زور تھا کمان سے سوا اضطراب میں

وہ ناتواں ہوں قلعہ آہن ہو وہ مجھے
کر دے جو کوئی بند مکانِ حباب میں

حاجت نہیں تو دولت دنیا سے کام کیا
پھنستا ہی تشنہ دام فریب سراب میں

مثلِ نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ
جبتک رہی حیات رہے اضطراب میں

سرکش کا ہی جہاں میں دوران سر مآل
کیونکر نہ گردباد رہے پیچ و تاب میں

چاہے جو حفظ جان تو نہ کر اقربا سے قطع
کب سوکھتے ہیں برگ شجر آفتاب میں

دل کو جلا تصورِ حسنِ ملیح سے | ہوتی ہے بے نمک کوئی لذت کباب میں
ڈالی ہیں نفسِ شوم نے کیا کیا خرابیاں | موذی کو پال کر ہیں پڑا کس عذاب میں
اللہ رے تیز دستیِ مژگانِ رخنہ گر | بیکار بند ہو گئے ان کی نقاب میں
چلتا نہیں ہے ظلم تو عادل کے سامنے | شیطاں ہے پردہ در کہ ہیں ہادی حجاب میں
کچھ ربطِ حسن و عشق سے جائے عجب نہیں | بلبل بنے جو بلبلہ اٹھے گلاب میں
چھپے جو اس کا مصحفِ رخ زلف میں یہ | مارِ عذاب بھی ہے طریقِ ثواب میں
ساقی کچھ آج کل سے نہیں بادہ کش ہیں بند | اس خاک کا خمیر ہوا ہے شراب میں
فرقت میں میرے دل کے ڈرانے کے واسطے | مشعل ہو برق کی کفِ دیو سحاب میں

جب نامہ بر گیا ہے کبوتر کو اے امیر
اس نے کباب بھیجے ہیں خط کے جواب میں

راحت کہاں ہے اسکو جو ہو پیچ و تاب میں | دیکھا نہ پائے موج کو کفشِ حباب میں
ساقی صبوح وقت ہے بزمِ شراب میں | دیتا ہے بھر کے مے قدحِ آفتاب میں
دریا سے حل یہ مسئلہ ہے فہم چاہیئے | دیکھو ملا صدف میں نکلا ہے حباب میں
دل صاف ہو تو کشمکشِ دہر کیا کرے | شعلہ ہے کب دھوئیں کی طرح پیچ و تاب میں
دنیا بھی دیں ہے جو ہو لذت بشر سے ترک | کیوں ہو حرام نشہ نہ ہو جس شراب میں
مردہ جو اہلِ دل ہوں تو زندہ انھیں سمجھ | عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں
دریا میں سو گیا ہے نہانے سے انکو عشق | شاہد ہے نقشِ حب کا اثر نقشِ آب میں
خط اس کے روئے صاف پہ نکلا غضب ہوا! | مانندِ ماہ داغ لگا آفتاب میں
رکھو دیکھ بعدِ مرگ بھی میرے گلے پہ تیغ | طاقت ہے جذب آب کی مردہ سحاب میں
دکھلاتے ہیں وہ وقتِ گزک معجزہ مسیح | ہونٹوں سے جان پڑتی ہے مرغِ کباب میں
پروا نہیں ہے ہم کو اگر ہیں قفس میں بند | صیاد سیرِ باغ کی کرتے ہیں خواب میں

پیری میں یہ جھکی ہوئی پلکوں کا حال ہے — دیواریں جیسے ہوں مکانِ خراب میں
لکھا ہے میں نے دیدۂ گریاں کا اپنے حال — حیف اب چاہیئے کوئی کاغذ کتاب میں
میخانے میں جو آئے تو ناصح رہے خموش — دم مارنے کی جا نہیں انساں کو آب میں
پیاسوں کو خاک سیر کریگا یہ آسمان — چشمہ تو ہے پر آب نہیں آفتاب میں

زاہد کو فیض صحبت رنداں سے کیا امیر
عالم کبھی نہ رہ کے ہو کیڑا کتاب میں

خنجر بکف جو اپنے قاتل کو دیکھتے ہیں — دل ہمکو دیکھتا ہے ہم دل کو دیکھتے ہیں
وامانده دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں — کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں
ہر چند ماندگی نے ہم کو بٹھا دیا ہے — صد شکر دور سے تو منزل کو دیکھتے ہیں
آنکھوں کو بند کرلیں خالق سے لو لگائیں — کیوں غرق ہونیوالے ساحل کو دیکھتے ہیں
شوق نظارہ دیکھو پٹی ہوئی ہے عینک — آنکھیں ہیں بند لیکن قاتل کو دیکھتے ہیں
پروا نہیں جو آنے پاتے نہیں ہیں شب بھر — ہم خواب میں تمہاری محفل کو دیکھتے ہیں
کیوں منہ بنا رہے ہو بوسے کے مانگنے پر — خوش ہوتے ہیں سخی جب سائل کو دیکھتے ہیں
لیلیٰ کو دیکھ کر جو بیخود نہیں ہوئے ہیں — ناقے کو دیکھتے ہیں محمل کو دیکھتے ہیں

دنیا امیر ساری ہے محفل مشائخ
دیتا ہے جان اس پر جس دل کو دیکھتے ہیں

شمشیر ہے سناں ہے کسے دوں کسے نہ دوں — اک جان ناتواں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
مہمان اِدھر ہما ہے اُدھر ہے سگ حبیب — اک مشتِ استخواں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
درباں ہزار اُسکے یہاں ایک نقد جاں — مال اسقدر کہاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
بلبل کو بھی ہے پھولوں کی گلچیں کو بھی طلب — حیراں باغباں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
سب چاہتے ہیں اس سے جو وعدہ وصال کا — کہتا ہے اک زباں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

شہزادے دخت رز کے ہزاروں ہیں خواستگار — چپ مرشد مغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
یاروں کو بھی ہے بوسے کی غیروں کو بھی طلب — ششدر وہ جان جاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

دل مجھسے مانگتے ہیں ہزاروں حسیں امیرؔ
کتنا یہ ارمغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

تصور ایک بحر حسن کا یوں ہے مرے دل میں — رواں رہتا ہے دریا جسطرح آغوش ساحل میں
ہوائے زلف جاناں نے نہ چھوڑا مرکے بھی پیچھا — قیامت میں بھی باہم جھگڑتے ہوئے سلاسل میں
شراب سرخ شیشے میں نہیں ہے یار اے ساقی — بھرا ہے خون بسمل یہ گلوئے مرغ بسمل میں
تمنائے شہادت میں نہ مرکر بھی ہوئی راحت — تڑپ کر خلد سے پھر آرہا ہیں کوئے قاتل میں
ترا خال ذقن دیکھا تو ہم کو یہ خیال آیا — فرشتوں کی جگہ ہے قید زہرہ چاہِ بابل میں
کیا جوہر نے مجھے جب دم بکھر کر رو برو آیا — بجائے تیغ آئینہ ہے لازم دست قاتل میں
رہ صحرائے ہستی کو یہ آسانی سے کاٹے گا — تری تلوار کا دم آگیا ہے تیرے بسمل میں
جگہ تربت ہی کی تھوڑی ملے بعد فنا مجھ کو — فلک میرا بھی حق ہے کچھ زمین کوئے قاتل میں
یہ کسکے نوک مژگاں کا تصور آنے والا ہے — کھٹکا جاتا ہے اک کانٹا سا جو ہر دم مرے دل میں
نکالے رنگ گو حائل نہیں پروائے صحبت — طلب ہوتا ہے کب طاؤس بھر رقص محفل میں
تڑپتے ہیں کہ شوق قتل میں یہ رقص کرتے ہیں — تماشا بسملوں کا ہو رہا ہے کوئے قاتل میں
یہ کیوں گھبرا رہے ہیں کچھ سبب اسکا نہیں کھلتا — کبھی جاتے ہیں آنکھوں میں کبھی آتے ہیں وہ دل میں
چھری کو تیرے اے صیاد اب تک بیقراری ہے — کوئی رگ رہ گئی ہے کیا گلوئے مرغ بسمل میں
تقاضائے جاں نثاری کا یہ ہے ایذا نہو اسکو — خوشی سے کاٹکر سر اپنا رکھدیں دست قاتل میں
ہزاروں قیس مثل سایہ پھرتے ہیں لیلیٰ پا نہیں — مرے دل میں خیال یار کیا لیلیٰ ہے محمل میں
کبھی غمزہ اگر تیغ نگہ کو روک لیتا ہے — تو پلکوں کے بچھ جاتے ہیں وہ نشتر مرے دل میں
جہاں ظلمت تھی میرے گھر شب فرقت سمٹ آئی — دھوئیں کا نام اب باقی نہیں ہے چاہِ بابل میں

بمشکل ضعف میں پہنچا ہوں میدان شہادت تک
جمانے دے قدم اے درد پہلو کوئے قاتل میں

عروس مرگ تیری تیغ کا منہ چوم لیتی ہے
نکلتی ہے لگا کر جب یہ غوطہ خون بسمل میں

نکل جائے ترا تیر آ کے پہلو سے یہ کیا ممکن
ابھی اے ترک اتنی جان باقی ہے مرے دل میں

امیر اب تک نہیں کھلتے جو اس کی تیغ کے جوہر
توقف کیوں ہے کیا مہندی لگی ہے دست قاتل میں

کسی زہرہ شمائل کا تصور ہے مرے دل میں
نجم یا قمر کا ہو گذر خورشید منزل میں

قدم رنجہ تو فرماؤ کوئی رہنے نہ پائے گا
نکل جائیں گی جتنی آرزوئیں ہیں مرے دل میں

رچے گی خوب اے قاتل غضب کا رنگ لائیگی
لگائی ہے جو مہندی پامیں اسکو خون بسمل میں

نہیں کرتا کبھی پروائے جنت اے گل خوبی
نہایت پائی ہمنے بے نیازی تیرے سائل میں

یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں
نکل بھی آئے محمل سے تو پھر لیلیٰ ہے محمل میں

دوئی اٹھجائے تو جھگڑا کہاں شیخ و برہمن کا
بت آئیں سجدے کرتے شوق سے اس کعبۂ دل میں

تڑپتا ہے دل صیاد بھی اس کے تڑپنے پر
قیامت کا اثر ہے اضطراب مرغ بسمل میں

یہ بیماری محبت کی کوئی نیرنگ ہے اے دل
جہاں آیا مسیحا درد دونا ہو گیا دل میں

دہان زخم نے کس کس مزے سے اسکو چوسا ہے
لب شیریں کی لذت ہے زبان تیغ قاتل میں

جدا ہوتی نہیں گردن سے قاتل زہر کرتا ہے
زبان تیغ نے لذت یہ پائی خون بسمل میں

ذرا محمل سے ہٹ کر خاک اڑا او بے ادب مجنوں
خیال اتنا تو کرنا چاہئے ہے کون محمل میں

کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشم میگوں ہے
چھلکایا ایک پیمانے سے تونے سب کو محفل میں

لگا کر وار اوچھا پھر نہ دیکھا اسطرف ہم نے
تمنا روتی رہی بیٹھی ہوئی پہلوئے بسمل میں

اجازت چاہتی ہے کس سے پروانوں کے آنے کی
کھڑی ہے عرض بیگی کیطرح جو شمع محفل میں

نہ آمادہ ہوا ہو کوئی غمزہ اسکا شوخی پر
الٰہی خیر بجلی سی چمکتی ہے مرے دل میں

امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمع محفل میں

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
شوق دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں

اشک آنکھوں نہیں مرے گرم شتاب آتے ہیں
شہسواران عدم پا بہ رکاب آتے ہیں

یاد وہ ولولۂ عہد شباب آتے ہیں
جوش کیا کیا ہمیں ہنگام خضاب آتے ہیں

پی کے مے جذب یہ مجھ رند کا بڑھ جاتا ہے
اڑ کے منہ تک صفت مرغ کباب آتے ہیں

اس طرح مجلس زہاد میں جاتا ہو نہیں رند
متقی جیسے سوئے بزم شراب آتے ہیں

بے خبر دیکھ کے مردوں کو یہ کہتی ہے زمیں
جو یہاں آتے ہیں مست مے خواب آتے ہیں

جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
غیب سے انکے سوالوں کے جواب آتے ہیں

سم رہوار سے روندینگے وہی خاک مزار
تا بہ گور جو ہمراہ رکاب آتے ہیں

صفت شمع سحر جو تری محفل سے ہیں دور
موت کے ان کو پسینے دم خواب آتے ہیں

موت آتی ہے کہ آتی ہے سواری انکی
کئی جلاد بھی ہمراہ رکاب آتے ہیں

مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم انکو یاد
جن حسینوں کے تصور دم خواب آتے ہیں

غیر منہ پر نہ چڑھے کھینچتے ہیں ہم نالے
کہو ابلیس سے تیر شہاب آتے ہیں

سوزش دل سے یہ جلتی ہیں ہماری آنکھیں
اشک منہ پر صفت اشک کباب آتے ہیں

ہجر ساقی میں کبھی دل کبھی جلتا ہے جگر
ہر طرح سے مرے حصے میں کباب آتے ہیں

راحتیں وصل کی یاد آتی ہیں اڑ جاتے ہیں ہوش
غش پہ غش ہجر کی شب میں دم خواب آتے ہیں

یہ تھنا ہے کہ ادا آپ کی سبحان اللہ
صف الٹتی ہے جو مسجد میں جناب آتے ہیں

نہیں جاتے کبھی پیری میں جوانی کے خیال
صبحکو یاد مجھے رات کے خواب آتے ہیں

کرتے ہیں ہجر کے پیغام مرا دل زخمی
تیر آتے ہیں کہ ناموں کے جواب آتے ہیں

عمل بد جو ہوئے ہم سے سیہ کاری میں
گور میں بنکے وہی مار عذاب آتے ہیں

کیوں نہ ہو دیدۂ تر یار کو رحم آہی گیا
خوب چھینٹے تجھے اے خانہ خراب آتے ہیں

دھیان بیجا ہے بط مے کی ہم آوارگی کا
ایسے نعمت تجھے کب مرغ کباب آتے ہیں

پاؤں ٹکتے ہیں کوئی بحر جہاں ہیں اُسکے — سر اٹھائے ہوئے جو مثل حباب آتے ہیں
جوش وحشت مجھے ہر سال بناتا ہی جوان — جب بہار آتی ہی ایام شباب آتے ہیں
ہم ترے کوچے میں آئے تو کیا کون گناہ — لوگ کعبے میں پئے کسب ثواب آتے ہیں
حال افلاک دل صاف میں آئینہ ہی — ایک قطرے میں نظر سات حباب آتے ہیں

دھیان بندھتا ہی جو اُس عارض و گیسو کا امیر
متصل لخلخہ مشک و گلاب آتے ہیں

عینک ہوں خواہ آئینہ اے شاہ ماہ ہوں — جیسا ہوں پیش چشم ہوں لیکن نگاہ ہوں
باوصف بخت تیرہ ہیں روشن نگاہ ہوں — سرمہ دہ ہوں کہ سرمۂ چشم سیاہ ہوں
منکر ہو میرے قتل سے قاتل جو روز حشر — بولے زبان تیغ کہے میں گواہ ہوں
کر دینگے اشک گرم مرے تجھکو روسپید — گو روسیاہ ہوں مگر ابر سیاہ ہوں
حرص و ہوا کو حد جہاں سے نکالدوں — دو دن کو میں جہاں میں اگر بادشاہ ہوں
ہفتے میں ایک دن تو مرے گھر میں آئیے — امیدوار مرحمت گاہ گاہ ہوں
رہتا ہی صبح و شام گناہوں کا سامنا — فارغ جو اُسسے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں
غیر از چراغ غول نہیں کوئی پیش و پس — تاریک شب میں رہرو گم کردہ راہ ہوں
تاب و تواں نہ مجھ میں نہ عقل و حواس ہوش — شکل آدمی کی صورت مردم گیاہ ہوں
کہتا ہی روئے یار یہ خط سیاہ سے — تو ہالہ ماہ کا ہی میں ہالے کا ماہ ہوں
لاغر یہ عشق موئے کمر نے کیا مجھے — پنہاں نگاہ خلق سے میں مثل ماہ ہوں
دست کشادہ ہے سبب تنگی معاش — دریا دلی سے اپنے میں محبوس چاہ ہوں
اس قلزم جہاں میں سفینہ ہی میری ذات — سارا جہاں ہو غرق اگر میں پناہ ہوں
رکھتا نہیں ہے فرق سر مو مرا سخن — گویا زبان خامۂ صنیع الہ ہوں
مد نظر ہے صاحب جوہر کا مجھ کو حفظ — مثل نیام تیغ کے حق میں پناہ ہوں

روضہ رسول کا ہے اگر بارگاہ حق
میں بھی امیر خاک در بارگاہ ہوا

خیال لب میں ابر دیدہ ہائے تر برستے ہیں ۔ یہ بادل جب برستے ہیں لب کوثر برستے ہیں
خدا کے ہاتھ ہم چشموں میں ہے اب آبرو اپنی ۔ بھرے بیٹھے ہیں دیکھیں آج وہ کس پر برستے ہیں
ڈبو دینگی یہ آنکھیں بادلوں کو ایک چھینٹے میں ۔ بھلا برسیں تو میرے سامنے کیونکر برستے ہیں
جہاں ان ابروؤں پر میل آیا کٹ گئے لاکھوں ۔ یہ وہ تیغیں ہیں جن کے ابر سے خنجر برستے ہیں
چھلکتے رہتے ہیں مے سے جوش ابر رحمت ساقی ۔ ہمارے میکدے میں غیب سے ساغر برستے ہیں
جو ہم برگشتہ قسمت آرزو کرتے ہیں پانی کی ۔ زہے باران رحمت چرخ سے پتھر برستے ہیں
غضب کا ابر خوں افشاں ہے ابر تیغ قاتل بھی ۔ رواں ہے خون کا سیلاب لاکھوں سر برستے ہیں
سمائے ابر نیساں خاک مجھ گریاں کی آنکھوں میں ۔ کہ بادل سے یہاں بھی متصل گوہر برستے ہیں

وہاں ہیں سخت باتیں یاں امیر آنسو پہ آنسو ہیں
تماشا ہے ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

عروس مرگ پہ جو دل نثار کرتے ہیں ۔ لپٹ کے خنجر قاتل کو پیار کرتے ہیں
وہ شانہ بالوں میں کیا بار بار کرتے ہیں ۔ لباس زیست مرا تار تار کرتے ہیں
جو سیدھی طرح سے آنکھیں وہ چار کرتے ہیں ۔ ہزار تیر کلیجے کے پار کرتے ہیں
جو راہ چلتے ہیں وہ مل کے پاؤں میں مہندی ۔ زمیں کو صفحۂ نقش و نگار کرتے ہیں
ہوئے یہ بھی لحد اپنی پہ شگفتہ نرگس ۔ ہزار آنکھ سے ہم انتظار کرتے ہیں
ہزار شکر گئیں بدگمانیاں ان کی ۔ وہ میری بات کا اب اعتبار کرتے ہیں
مزے تو یکے تو خود لوٹتے ہیں حضرت دل ۔ خدا سے مفت مجھے شرمسار کرتے ہیں
دل و جگر کو نکالو بھی میرے سینے سے ۔ تڑپ تڑپ کے مجھے بیقرار کرتے ہیں
میں مر کے خاک ہوا خاک ہو گئی برباد ۔ وہ موت کا بھی نہیں اعتبار کرتے ہیں

نہ شاخ گل ہو مرا دل نہ دامن میخوار
بہار میں اسے کیوں داغدار کرتے ہیں

میں بادہ کش ہوں وہ وحشی کہ منبچے ساقی
لگا کے شیشے مجھے سنگسار کرتے ہیں

وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں
جو تمکو پیار کرے اس کو پیار کرتے ہیں

طلسم گنج بھی آتا ہے جب نظر ہم کو
وہ مردہ دل ہیں گمان مزار کرتے ہیں

کبھی بتوں سے جو کرتا ہوں وصل کی خواہش
خدا کے فضل کا امید وار کرتے ہیں

گلہ نہیں جو اڑاتے ہیں تیغ سے ٹکڑے
یہ ترک ایک سے مجھ کو ہزار کرتے ہیں

فلک کے قصر سے ہو اور کیا ہمیں حاصل
فقط نظارۂ نقش نگار کرتے ہیں

چلو امیر چلو تا کجا اقامت دہر
مسافران عدم انتظار کرتے ہیں

کیوں نہ موسیٰ کو خطر ہو شوق برق طور میں
مشکلیں پڑتی ہیں سالک کو حجاب نور میں

روز حشر ایسی جلن ہوگی دل مہجور میں
بھاگ کر ڈوبے گا دوزخ چشمۂ کافور میں

خاکساروں کی ہے ذلت دیدۂ مغرور میں
مال کیا ظرف گلی ہے مجلس فغفور میں

ہم ہوں یا موسیٰ ہوں کوئی دیکھ سکتا ہو اسے
پردے حیرت کے پڑے ہیں جلوہ گاہ طور میں

کیا تماشا ہو اسے سمجھے ہیں غافل جلوہ گاہ
جام چینی بن رہے ہیں ماتم فغفور میں

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے
دار بھی ہے شاخ سدرہ دیدۂ منصور میں

گور میں چونکا کے یہ عبرت پکاری بار بار
ہوشیاری شرط ہے غافل شب دیجور میں

نزع کے وقت آدمی سے ملتکیں کیا ہاتھ پانوں
شام کو باقی نہیں رہتی سکت مزدور میں

بت تراشوں پر پڑیں پتھر کیا ہر جلوہ گر
چھپ رہے تھے بت خدا سے ڈر کے سنگ طور میں

گھر بنایا ہے یہ کسکا قصر تن ہے بے ثبات
جھونکتی ہے خاک عبرت دیدۂ مزدور میں

شیخ کو تھوڑا نہ جانو یہ بڑا مکار ہے
ساری دنیا چھوڑ بیٹھا ہے تلاش حور میں

ان سے کھلتی ہے حیا اتنا جو میرا پاس تھا
نور بن کر چھپ رہی ہوتی نگاہ حور میں

محتسب کے لاکھ لاکھ احساں کہ خوشے کی طرح    کاٹ کر مستوں کے سر لٹکا دیئے انگور میں

ہے اگر گردوں مخالف غم نہیں مجھ کو امیر
ہوں میں ظلِ دامنِ شاہ ابوالمنصور میں

بھنکتے ہیں اعضا یہ گرمی ہے تنِ مزدور میں    جائے ہیزم استخواں جلتے ہیں اس تنور میں

رنگ پریوں کا جدا لطف اور ہے اس حور میں    ہے زمین و آسماں کا فرق نار و نور میں

جان جاتی ہے خیالِ عارضِ پرنور میں    ڈوبتی ہے میری کشتی چشمۂ کافور میں

چاہتا ہے ایکدم میں طے کرے ہستی کی راہ    آج ایسی آگئی طاقت ترے رنجور میں

اپنی طاعت کی جزا چاہے تو خالق سے بشر    پہلے محنت سے اجورہ دے کفِ مزدور میں

جمع مالِ انساں تو کیا حیوان کو کرتا ہے تباہ    شہد دلواتا ہے آتش خانۂ زنبور میں

فرش استبرق کی کچھ حاجت نہیں اے باغباں    بادہ کش ہیں پڑ رہینگے سایۂ انگور میں

میں اگرچہ لوں خلش سے آسماں پیدا کرے    خار ہر غنچے میں جیسے نیش ہے زنبور میں

سچ ہے اہلِ درد سے ہوتا نہیں رونے کا ضبط    اشک رہتے ہیں لبالب دیدۂ ناسور میں

ساقیا کیوں دمبدم یہ خشک تاک شاداب ہے    خونِ تن مستوں کا شاید بھر دیا انگور میں

سچ ہے انساں کو مصیبت میں خدا آتا ہے یاد    موت کا دھیان اکثر آتا ہے دلِ رنجور میں

میری بزمِ عیش میں رویا ہے یہ جی کھول کر    ایک قطرہ خون نہیں باقی تنِ طنبور میں

داغ سے ہے سینہ پر سوزِ عاشق کا فروغ    گردۂ ناں آئینہ ہے خانۂ تنور میں

داغِ الفت کھائیے جاتی جوانی ہے تو کیا    چاہیے شب بھر چراغ اے دل شبِ دیجور میں

رات دن میں لاکھ بار اٹھ اٹھ کے رہ جاتا ہے پھر    درد شاید قید ہے میرے دلِ رنجور میں

عیبِ سلطاں کیا ضرورت ہے رعیت میں بھی ہو    لنگ ہی رہتے تھے کیا سب کشورِ تیمور میں

ترک کر لذت اگر چاہے جہاں میں عافیت    شہد آتش سے سوا ہے خانۂ زنبور میں

سب کو لنگر خانۂ خالق سے حصہ مل چکا    کیا مری قسمت کی روٹی جل گئی تنور میں

سینہ پر درد میں کیا روح کو آرام ہو　　کون سویا چین سے ہمسایہ رنجور ہیں

کیسے موسیٰ لن ترانی کی صدا کیسی امیر
حسن کے نیرنگ تھے خلوت سرائے طور میں

بتاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں　　تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں
تڑپ کے روح یہ کہتی ہے ہجر جاناں میں　　کہ تیرے ساتھ دل بے قرار ہم بھی ہیں
رہے دماغ اگر آسماں پہ دور نہیں　　کہ تیرے کوچے میں مست غبار ہم بھی ہیں
کہو کہ نخل چمن ہم سے سرکشی نہ کریں　　انہیں کی طرح سے باغ و بہار ہم بھی ہیں
ہمارے آگے ذرا ہو سمجھ کے زمزمہ سنج　　کہ ایک نغمہ سرائے ہزار ہم بھی ہیں
کہاں تلک آئینے میں دیکھ بھال ادھر دیکھو　　کہ اک نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں
شراب تجھ سے لگاتے نہیں ہیں اے زاہد　　فراق یار میں پرہیزگار ہم بھی ہیں
ہمارا نام بھی لکھ لو جو ہے قلم جاری　　قدیم آپ کے خدمت گذار ہم بھی ہیں
ہما ہیں گرد مری ہڈیوں کے آٹھ پہر　　سگ آ کے کہتے ہیں امیدوار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے
امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

چار ابرو ہیں ترے حسن میں بہتر چاروں　　کیا رباعی ہے کہ مصرع ہیں برابر چاروں
کس گل تر کا ہیں کشتہ تھا کہ مرقد پہ مرے　　بن گئے چار چمن گوشۂ چادر چاروں
ایکدم حکم خدا مجھ کو فراموش نہیں　　دل پہ لکھے ہیں سماوی ہیں جو دفتر چاروں
کیا ہوا چار عناصر جو پریشان ہوئے آج　　دم میں ہو جائیں گے اک جا دم محشر چاروں
ہاتھوں پانوں کا سہارا تھا سو وہ بھی تہ خاک　　ہو گئے مجھ سے جدا ہائے مقدر چاروں
ابر مژگاں کی شب ہجر جو بارش ہے یہی　　گھر کی دیواریں گرائے گا مقرر چاروں
زہرہ و مشتری و شمس و قمر وقت نثار　　گرد پھرتے ہیں ترے باندھ کے چکر چاروں

تندرستی کی کہاں فرقت جاناں میں امید | حد اصلاح سے اخلاط ہیں باہر چاروں
حق تو یہ ہے کہ ہیں تیرے در دولت کے گدا | خسرو و قیصر و دارا و سکندر چاروں
خاک ہیں لعل و زمرد ہوں کہ یاقوت و عقیق | ہوں غنی میری نظر میں ہیں یہ پتھر چاروں
بطن مادر تن گل گور مکاں باغ بہشت | اپنے بندوں کو خدا نے یہ دیئے گھر چاروں

اے امیر احمدؐ مرسل کے جو ہیں چار وزیر
چار یاری ہوں مجھے ہیں یہ برابر چاروں

سہواً کسی سے اپنی کہانی اگر کہوں | طاقت جواب دے کہ نہ بار دگر کہوں
طول شب فراق کا قصہ نہ پوچھئے | محشر تلک کہوں میں اگر مختصر کہوں
قاصد یہ کوئے یار سے کہتا ہوا پھرا | اپنی خبر نہیں مجھے کس کی خبر کہوں
اے اہل دیر و کعبہ میں غماز کچھ نہیں | جو اس طرف کی سن لے کسی سے اُدھر کہوں
سنتے ہیں آپ سارے زمانے کا درد دل | کہئے تو میں بھی قصۂ سوز جگر کہوں
شب کو کہو جو روز تم اپنی زبان سے | سورج قمر کو شام کو میں بھی سحر کہوں
حاصل صفائے قلب ہے آئینے کی طرح | کیوں منہ پہ صاف صاف نہ عیب و ہنر کہوں
وقفہ بہت قلیل ہے حسن شباب کا | بڑھ کر کہوں تو جلوۂ برق و شرر کہوں
تشبیہ سامنے کی ہو اے فکر چاہیئے | گیسو کو شام چہرے کو اس کے سحر کہوں
محروم ہوں میں لذت بوس و کنار سے | کیونکر نہ اُن کو بے دہن و بے کمر کہوں

ہرگز نہ فرق آئے مری بات میں امیر
اک بار جو کہا ہے وہی عمر بھر کہوں

سخت دل لیتا ہے ناحق آہ بے تاثیر میں | کچھ نہیں حاصل جو پیکاں ہو ہوائی تیر میں
ہو کے میری لاش نے پامال حسرت سے کہا | آگے آگے دیکھئے کیا ہے مری تقدیر میں
پھر تو ہو اے دل کنارا مرگ کا زیر قدم | پھیرتے دو ہاتھ اگر آپ دم شمشیر میں

بہتے بہتے ایک دن شیریں کو پہنچیگا ضرور / نامہ لکھ کر ڈالدے فرہاد جوئے شیر میں
عشق ابروے بتاں میں دل نے کی ایسی تلاش / زلزلہ آیا زمین کوچۂ شمشیر میں
جس پری کی آنکھ مجھ سے پھر گئی بولا جنوں / لو مبارک اور اک حلقہ بڑھا زنجیر میں
آئے جب نخچیر ہونے پر کمی ترکوں کی کیا / پر نہیں سرخاب کا اے ترک تیرے تیر میں
موئے ابروئے بتاں میں تل نہیں اے مرغ روح / دانہ چھٹکا ہے یہ دام جوہر شمشیر میں
عشق گیسو میں ملی دنیا کی گردش سے نجات / نیند بھر کر پاؤں سوئے خانۂ زنجیر میں
رو نہ رسوائی سے نادم ہو کے قاتل بعد قتل / وہ تری تقدیر میں تھا یہ مری تقدیر میں
کشت و خوں ایسا ہی رہتا در ترکاں میں اگر / روند عزرائیل پھرتے کوچۂ شمشیر میں
نیند تیرے وحشیوں کو صبح تک آتی نہیں / رتجگا رہتا ہے شب بھر خانۂ زنجیر میں
باندھتا ہے گر ہوائے ظلم کر مجھ کو شکار / جب کٹینگے پر مرے تب پر لگینگے تیر میں
عشق ابرو میں جو چلاتا ہوں کہتا ہے وہ ترک / کون دیتا ہے دہائی کوچۂ شمشیر میں
منحصر ہے مجرموں پر شان رحمت کا ظہور / ہے خطائے فاش اگر تقصیر ہے تقصیر میں
تیر پہ تیر اُس ستمگر نے لگائے اسقدر / رہ گئی حسرت تڑپنے کی دل نخچیر میں

کج نہادوں سے ضرر کیا راستبازوں کو امیر
خم نہیں آتا ہے صحبت سے کماں کے تیر میں

ہے یہ بے مہری کا چرچا دور چرخ پیر میں / خون مادر طفل پیتے ہیں ملا کر شیر میں
قصہ غیروں سے تمہارے عشق ابرو میں ہوا / چل گیا ہتھیار ہم سے کوچۂ شمشیر میں
ضبط غم سے آہ بنتی ہے مرے دل میں گرہ / تیر ہو جاتا ہے پیکاں سینۂ نخچیر میں
سرنوشت اتنی جو کج مجھ واژگوں طالع کی ہے / شاید الٹا قط لگا تھا خامۂ تقدیر میں
صبح پیری کا بھی اے مانی نشاں باقی رہے / چھوڑ دینا کچھ سفیدی بھی مری تصویر میں
کیجئے دنیا کی ساری لذتوں کا انتخاب / پیجئے شیراز سے مے بیٹھئے کشمیر میں

زیرِ ابرو شوخیاں کرتی نہیں چشمانِ یار
چوکڑی بھرتے ہیں آہو سایۂ شمشیر میں

دیر سے سودے حرم پیری میں جا کر کیا کروں
تھا جو طاعت کا زمانہ کھو چکا تقصیر میں

اے جنوں تو جذب کو کچھ کام فرمائے اگر
چشمِ لیلیٰ کے ہوں حلقے قیس کی زنجیر میں

ذوقِ رحمت کھینچتا ہے سوئے رحمت اے کریم
جانتا ہے تو کہ میں مجبور ہوں تقصیر میں

لگ کے آنکھیں ابروئے جاناں سے جب روئے ہیں ہم
بھر دیئے ہیں ہم نے موتی دامنِ شمشیر میں

انجمن میں مست ہو جائیں نہ کیونکر سامعین
قلقلِ مینا کا عالم ہے تری تقریر میں

نقل سے کوئی نکلتا ہے جہاں میں کارِ اصل
پائیں کب غواص موتی قلزمِ تصویر میں

بیقراری سے مجھے الفت میں حاصل ہے سکوں
پائے دل موجِ پریشانی سے ہے زنجیر میں

دورِ گردوں میں کہاں ہے جائے آسائش امیر
سیر کو آتی ہے ویرانی ہر اک تعمیر میں

عاشقوں سے ہے ترقی حسن کی تنویر میں
جھینپ کے رخ سے رنگ اڑ آیا تری تصویر میں

قتل مجھ کو یادِ ابرو میں ان آنکھوں نے کیا
ان ٹھگوں نے لا کے مارا کوچۂ شمشیر میں

غیر ممکن ہے دلِ حیراں میں ہو دخلِ غیر
عکس پڑتا ہے کہاں آئینۂ تصویر میں

قتلِ عاشق قاتلوں کے واسطے ہے قوتِ روح
جب لہو چاٹا مرا دم آ گیا شمشیر میں

بیخبر میرے مآلِ مرگ سے ہے وہ حسیں
ہو کے یوسف ہے پریشاں خواب کی تعبیر میں

عشقِ ابرو میں جوان و پیر سب ہوتے ہیں قتل
رات دن چلتا ہے رستہ کوچۂ شمشیر میں

اپنی وحشت سے ہے روشن خانۂ زندانِ غم
مردمک ہے پاؤں اپنا دیدۂ زنجیر میں

گرمیِ خورشیدِ محشر سے انھیں کیا کام ہے
ہیں ترے کشتوں کی روحیں سایۂ شمشیر میں

کام آتی ہے جوانوں کے بہت تدبیرِ پیر
طاقتِ پرواز ہے زورِ کماں سے تیر میں

دھیان اس ابرو کا آیا عارضِ روشن کے بعد
دھوپ سے ہم اٹھ کے بیٹھے سایۂ شمشیر میں

جمع زر ممسک جو کرتا ہے ہوا ثابت ہمیں
اسکی قسمت میں نہیں ہے غیر کی تقدیر میں

زخمیوں کا کام نکلے کچھ تو آ کے ناوک فگن ‏ ‏ ہو مناسب ہوں پر طاؤس تیرے تیر میں
کیا عجب ہے اُس رخ پر نور پر نکلا جو خط ‏ ‏ جمع ہوتے ہیں پتنگے شمع کی تنویر میں

کب خزانہ غیب کا ملتا ہے بے قسمت امیر
چھانتا ہے خاک ناحق خواہش اکسیر میں

وطن کی یاد ہے لیل و نہار غربت میں ‏ ‏ یہی ہے ایک بڑی غمگسار غربت میں
شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں ‏ ‏ پر ایک سی ہے خزان و بہار غربت میں
گل وطن کی جو بو لے چلی اُڑا کے مجھے ‏ ‏ لپٹ گئے مرے دامن سے خار غربت میں
عجب نہیں ہے جو ہو موجزن نسیم کرم ‏ ‏ دکھائیں خار گلوں کی بہار غربت میں
امید و بیم و غم و بیکسی و درد فراق ‏ ‏ یہی رفیق ہیں دو تین چار غربت میں
ہیں بوئے نافہ آہو کہ نکہت گل ہوں ‏ ‏ وطن میں صبر نہ مجھ کو قرار غربت میں
بچھا کے میں نے مصلا پڑھا دوگانۂ شکر ‏ ‏ اگر ملا شجر سایہ دار غربت میں
وہ زار ہوں کہ نہ زندہ ہوا نہ میں ہوں دفن ‏ ‏ پڑا اجاڑ کے بدن پر غبار غربت میں
چراغ شام غریبی نے گل کھلائے نئے ‏ ‏ دکھائی صبح وطن کی بہار غربت میں
قرار گھر میں بیاباں میں اضطراب ہے کیوں ‏ ‏ وہی وطن میں وہی کردگار غربت میں
کبھی کبھی تو لکھو نامہ کوئی اہل وطن ‏ ‏ کہ بڑھ گئے موت سے ہے انتظار غربت میں
تڑپ گیا صفت ابر یہ دل مضطر ‏ ‏ برس پڑا اگر ابر بہار غربت میں
کبھی نہ بھول کے اہل وطن نے یاد کیا ‏ ‏ نہ ہچکی آئی مجھے زینہار غربت میں

جو دوستان وطن نے دیئے ہیں داغ امیر
میں جانتا ہوں اُسے لالہ زار غربت میں

تڑپا میں جو آنکھوں کو پسند آگئیں آنکھیں ‏ ‏ دل لوٹ گیا چوٹ غضب کھا گئیں آنکھیں
کیا مست نگاہیں مجھے دکھلا گئیں آنکھیں ‏ ‏ دو جام مجھے لبریز کر چھلکا گئیں آنکھیں

مجروح ہوا ایک نظارے میں میرا دل
دو پھل کی کٹاری تھی کہ چمکا گئیں آنکھیں

آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی
نیرنگ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں

اوروں سے تو بیباک سرِ بزم لڑا کیں
عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں

موسیٰ کی طرح تاب تجلی کی نہ آئی
ہم طور پہ پہونچے تھے کہ پتھرا گئیں آنکھیں

ہوں لاکھ زبانیں رہے پر مشق خموشی
پلکوں سے اشارے ہیں یہ سمجھا گئیں آنکھیں

معشوق کا جلوہ مجھے دل میں نظر آیا
صد شکر جسے ڈھونڈھتی تھیں پا گئیں آنکھیں

تیغیں تھیں کہ یارب مرے قاتل کی نگاہیں
بسمل کی طرح سے مجھے تڑپا گئیں آنکھیں

اُس فتنۂ دوراں نے جو دی آنکھ کو گردش
چکر کبھی آیا کبھی تیورا گئیں آنکھیں

اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں

ہے سوزِ غمِ عشق سے یہ سوزِ حرارت
رونے پہ دل امڈا تو مری آگئیں آنکھیں

تا چند امیرؔ اس چمنستان کا نظارہ
دل سیر سے اکتا گیا پتھرا گئیں آنکھیں

گم گشتہ دل کی تا بکجا جستجو کریں
ہاں اور دل ملے تو تری آرزو کریں

فرقت میں سیر باغ کی کیا آرزو کریں
دل خون ہو اگر کسی غنچے کو بو کریں

یارب وہ ذوق دے کہ رہے مست معرفت
مستی بغیر بادۂ جام و سبو کریں

دنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں کوئے یار میں
جائز نہیں کہ طوف حرم بے وضو کریں

مغرب سے اٹھ کے تم سوئے مشرق جو آرہو
مردوں کو دفن پھر نہ کبھی قبلہ رو کریں

بوسہ جو چار ابروئے محبوب کا ملے
کعبے میں سجدہ آٹھ پہر چار سو کریں

قدرت خدا کی اشک مسلسل بہائیں ہم
مالے کے موتیوں کو وہ زیب گلو کریں

ملتے ہیں ہاتھ دیکھ کے صبح شب وصال
یہ چاک وہ نہیں ہے کہ جس کو رفو کریں

گلزار کو جو آپ سے اذنِ ثنا ملے
پتے بنیں زبان شجر گفتگو کریں

دامن ہے چاک چاک گریباں ہے تار تار
کس کس جگہ لباس ہم اپنا رفو کریں

میں کبھی تو خاک راہ کسی گلبدن کا ہوں
سونگھیں نہ گل حسین مری مٹی کی بو کریں

ہم سے جو بت خفا ہیں تو نامہرباں خدا
کعبے کا قصد دیر کی کیا آرزو کریں

ہیں دست روزگار میں تیغ اصیل ہوں
جوہر شناس ہوں تو مری آبرو کریں

نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگجو
جو اک نظر میں خون ہزار آرزو کریں

پلکوں سے وہ امیر لیا کرتے ہیں سلام
جس طرح گنگ انگلیوں سے گفتگو کریں

مجروحوں پہ جو چشم کرم جنگجو کریں
سو زخم ایک تار نظر سے رفو کریں

منہ پر جو گرد آہ پڑے شست و شو کریں
اتنی تو میرے اشک مری آبرو کریں

جو لوٹتے ہیں ایک نظر میں وہ اور ہیں
بہکیں نہ ہم جو نوش سبو کے سبو کریں

دیوانگی کا سلسلہ طاعت میں بھی نہ جائے
پہلے پڑھیں نماز تو پیچھے وضو کریں

تار نگاہ دیدۂ یعقوب اگر ملے
ہم چل کے چاک دامن یوسف رفو کریں

ہوں مست معرفت مجھے کب ہے دماغ مے
غمزے نہ میرے سامنے جام و سبو کریں

انسان ہو کے ہم رہیں محروم اے فلک
سبزے کی سیر سرو لب آبجو کریں

ہم میکشوں کو کام شراب و گزک سے ہے
قرآں پڑھیں تو ورد کلوا واشربو کریں

ملنے نہ ملنے سے ہمیں کیا کام ہے یہ کام
جبتک کہ دم میں دم ہے تری جستجو کریں

زاہد ترے فرشتوں کو یہ دن نہیں نصیب
جنت سے حور آئے جو ہم آرزو کریں

ثانی نہ میرے یار کا پائیں یہ مہر و ماہ
برسوں چراغ لیکے اگر جستجو کریں

مرنے کے بعد بحث کو آتے ملک کو کیا
کچھ حوصلہ اگر ہو تو اب گفتگو کریں

جبتک کہ دل ہے چاہئے ہمکو تری تلاش
جبتک چلے زبان تری گفتگو کریں

کب زاہدوں کو مسئلہ عشق کا ہے فہم
نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

یا وہ مست باغ ہیں لئے سحاب کے | کہدو کہ جام لالہ و گل شست و شو کریں
چوری ہے کب ثبوت مرے نقد ہوش کی | مفتیٔ شہر قطع نہ دست سبو کریں
شوق سجود ہے نہ محراب تیغ اگر | آب بقا سے خضر و سکندر وضو کریں

ہے غنچہ ساں بہار خموشی میں اے امیر
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہاو ہو کریں

جیتے جی جان سے گذرتے ہیں | مرنے والوں پہ ہم تو مرتے ہیں
کچھ نہ پوچھو کہ ہاتھ خالی ہے | ہم تو دن زندگی کے بھرتے ہیں
دل ٹھہر جائے یہ امید نہیں | ایسے بگڑے کہیں سنورتے ہیں
کس سے چوری اگر خدا سے نہیں | سچ ہے زاہد بتوں پہ مرتے ہیں
لکھتے ہیں روز خط رقیبوں کو | روز پرچے ہمیں گذرتے ہیں
مل گیا گھاٹ تیغ قاتل کا | اب کوئی دم میں پار اترتے ہیں

چاہتے ہیں تو اک نظر میں امیر
مہر ذرے کو بھی وہ کرتے ہیں

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں | خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں
جو خورشید ہو تم تو شبنم ہیں ہم | ہوئے جلوہ گر تم تو پھر ہم کہاں
حسیں قاف میں گو کہ پریاں بھی ہیں | مگر ان سلونوں کا عالم کہاں
الٰہی ہے دل جائے آرام غم | نہ ہوگا جو یہ جائے گا غم کہاں
کہوں اس کے گیسو کو سنبل میں کیا | کہ سنبل میں یہ پیچ یہ خم کہاں
وہ زخمی ہوں میں زخم ہیں بے نشاں | الٰہی لگاؤں میں مرہم کہاں

زمانہ ہوا غرق طوفاں امیر
ابھی روئی یہ چشم پر نم کہاں

شہر سے جو دور دور ہماری فغاں کے ہیں / دہشت سے ہوش اُڑ گئے تو نہ آسماں کے ہیں
ظاہر میں ہم فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں / پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں
یارانِ رفتہ سے کبھی جا ہی ملینگے ہم / آخر تو پیچھے پیچھے اسی کارواں کے ہیں
گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل / آئی صدا یہی تو مقام امتحاں کے ہیں
سات آسماں کو توڑ کے تا عرش جا چکا / اے تیر آہ بس اب ارادے کہاں کے ہیں
ٹھکرا کے میرے سر کو وہ کہتے ہیں ناز سے / لو ایسے مفت سجدے مرے آستاں کے ہیں
مرکر بھی کام سے ہم کو تعلق وہی رہا / تختے لحد میں پیر مغاں کی دکاں کے ہیں
ڈوبے ہوئے لہو میں نظر آئیں کیوں نہ گل / سینچے ہوئے مرے مژہ خوں فشاں کے ہیں
شکوہ شبِ وصال میں تا چند چپ بھی ہو / اے دل لگا لے تو یہ جھگڑے کہاں کے ہیں
ناوک فگن جھلک یہ ترے عارضوں کی ہے / دو آئینے لگے ہوئے گھر میں کماں کے ہیں
طاقت ہماری گھٹ گئی ہمت نہیں گھٹی / پیچھا کریں تو آگے ہی عمرِ رواں کے ہیں
دنیا میں بھی سفر ہمیں عقبےٰ میں بھی سفر / ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں
روشن چراغ برق سے رہتا ہے رات بھر / پھنکے ہوئے نصیب سے آشیاں کے ہیں
خنجر کو چوس چوس کے کہتے ہیں یہ مرے زخم / ظالم مزے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کے ہیں
اے ہمت بلند ابھی تو کمی نہ کر / جلوے جو خاص ہیں وہ اُدھر لامکاں کے ہیں
یاں جان پر بنی ہے تجھے ہیں رکاوٹیں / اے تیغ یار چل بھی یہ غمزے کہاں کے ہیں
وہ اور وعدہ وصل کا قاصد نہیں نہیں / سچ سچ بتا یہ لفظ انھیں کی زباں کے ہیں
اُس مہروش کو کیا میں لکھوں شرح اشتیاق / اے کلک کر، یہ سات ورق آسماں کے ہیں
بلبل کو شوق گل تھا نہ قمری کو عشق سرو / سارے یہ گل کھلائے ہوئے باغباں کے ہیں
ان ابروؤں سے حضرت دل روز سامنا / کہیے تو ایسے آپ بہادر کہاں کے ہیں
سمجھے یہ ہم جو خلد میں حور آ گئی نظر / شاید ابھی مقام میں ہم امتحاں کے ہیں

اس طفل تند خو سے جو ملتا ہوں اے امیرؔ
کہتے ہیں لوگ ڈھنگ بُرے اس جواں کے ہیں

دل و جگر دونوں جل گئے ہیں ذرا نگاہوں جہاں ملی ہیں
تمہارے سرمہ میں آ کے تو کیا یہ سبھی ہوئی بجلیاں ملی ہیں

مجال میری نہیں یہ ایدل کہ مانگوں بوسہ لب و دہن کا
ہزاروں دیں ہیں دعائیں میں نے تب ایسے کچھ گالیاں ملی ہیں

ہمیں تو نغمہ پسند آیا ہے نغمہ سنجان بوستاں کا
سنے نہ دیکھے یہ خلق تا تو صدائیں آ کے باغباں ملی ہیں

زمیں میں گڑ کر جو لطف اٹھایا ادا ہو کسطرح شکر اسکا
کبھی نہ پائیں تھیں زندگی میں وہ راحتیں جو یہاں ملی ہیں

خدا نے وہ سلطنت عطا کی کہ شش جہت میں ہے جسکا شہرہ
وسیع ملک سخن ہے اپنا حدیں کہاں سے کہاں ملی ہیں

اسیر گیسو کے ہو گئے ہیں جب سے ہوئے ہیں آزاد قید غم سے
نہ کیوں ہوا پنے جنوں کے صدقے کہ ہمکو یہ بیڑیاں ملی ہیں

امیرؔ رہتا تھا جس جگہ پر وہاں کل اک ڈھیر راکھ کا تھا
وہ خاک چھانی تو ریزہ ریزہ جلی سی کچھ ہڈیاں ملی ہیں

نہاں رہتا ہے آئینے سے وہ بیگانہ خو برسوں
حیا دیکھو نہیں آتا ہے اپنے رو برو برسوں

رہی اے گل سگ کوچوں کو تیری جستجو برسوں
پھرا کی کو بکو پیراہنِ یوسف کی بو برسوں

فلک دیتا ہے مثل زخم کسکو فرصتِ راحت
جو کچھ ہنسنا ہے ہنس لے پھر تو رونیگا لہو برسوں

دل شفاف میں دیکھا ہے جلوہ روئے حیراں کا
یہ ہیں اے سکندریوں ہم اپنے روبرو برسوں

کہاں ہمسا ہے کوئی مرد میداں دشت وحدت میں
کیا ہے خوشی کی زاں سے ذکر ہو برسوں

سراپا جرم ہوں لیکن وہ رند پاک طینت ہوں
کیا زاہد نے میرے آب خجلت سے وضو برسوں

خدا کے گھر سے او ناشاد کوئی جا کے پھرتا ہے
عجب کیا گر نہ نکلے تیرے دل سے آرزو برسوں

فراق یار میں سب دوستوں نے مجھ سے منہ موڑا
شریک رنج ہمائی رہا اے درد تو برسوں

مری حالت پہ ہجر یار میں مر مر گئی حسرت
دل مایوس سے روئی لپٹ کر آرزو برسوں

جھکاتے ہم کہاں تک سر نہ پائے خم پہ اے ساقی
حمائل اپنی گردن میں رہا دست سبو برسوں

جنوں میں یہ نئی بخیہ گری کی دست وحشت نے
کیا ہے پھاڑ کر دامن گریباں کو رفو برسوں

تمہاری اک نگاہ ناز نے توڑا اشارے میں
بنایا چشم و دل نے جو طلسم آرزو برسوں

ہلائے جس نے لب اک ہاتھ مارا اڑ گئی گردن
زبان تیغ سے اس ترک نے کی گفتگو برسوں

ہوا ہوں آتش رنگ حنا سے خاک میں جل کر
مری مٹی سے آئیگی گل عشرت کی بو برسوں

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کریگا یاد اے غم ہمکو بعد مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

تڑپ کر دل نے میرے مدتوں رسوا کیا مجھکو
بہا کر اشک آنکھوں نے ڈبوئی آبرو برسوں

گداز عشق مثل شمع ہر مو سے ہوا ظاہر
پسینا بنکے ٹپکا جسم سے میرے لہو برسوں

مزہ یہ ذبح میں پایا کہ کرتا ہے دعا بسمل
رہے یونہی الٰہی ربط شمشیر و گلو برسوں

کوئی میرے برابر کیا کریگا ضبط الفت کو
نہیں آتا زباں تک لیے حرف آرزو برسوں

فنا کے بعد ایسے بیکسوں کو کون پوچھے گا
مگر اے بیکسی رویا کریگی مجھکو تو برسوں

چھپائے منھ اگر وہ یوسف گل پیرہن ہو کر
چمن کا منھ نہ دیکھے کاروان رنگ و بو برسوں

نہیں اے بیکسی بعد فنا کچھ خوف تنہائی
رہیگا میری تربت پر ہجوم آرزو برسوں

رہائی حلقۂ گیسو سے جیتے جی تو کیا ممکن
موئے پر بھی نہ اتریگا مرا طوق گلو برسوں

نہ چھوڑا پاس ایماں حق پرستی اسکو کہتے ہیں
رہ شوق بتاں میں بھی چلے ہم قبلہ رو برسوں

مزا اے لیکے رگڑا ہے گلا شمشیر قاتل سے
برنگ زخم ہم ہنس ہنس کے روئے ہیں لہو برسوں

نہ آیا ساقی پیماں شکن ہم سرو کی صورت
قدم کو گاڑ کر بیٹھے کنار آب جو برسوں

وہ بلبل ہوں کہ یوں صیاد نے جی میرا بہلایا
لگایا ڈھیر پھولوں کا قفس کے روبرو برسوں

نہ کماے یاس یوں برباد میرے خانۂ دلکو
اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

کبھی ہمکو بھی تھا اے درد دعوی ضبط الفت کا
پلٹ جاتے تھے نالے دل سے آکر تا گلو برسوں

امیر اس بے نشاں تک سعی سے کوئی جو جا سکتا
تو کیسے پانوں ہم آنکھوں سے کرتے جستجو برسوں

رہے تصویر حیرانی ہم ان کے روبرو برسوں
لب خاموش سے کی درد دل کی گفتگو برسوں

نہیں نکلی ہے دل سے مرے انکی آرزو برسوں
یہ وہ گل ہے کہ مرجھانے پہ بھی دیتا ہے بو برسوں

کوئی گاہک نہ ٹھہرا دل کا بازار محبت میں
پھرے ہم بیچتے یوسف کو اپنے چار سو برسوں

نہ ہوگا باوفائے خوار اے پیر مغاں ہم سا
گھٹا کر خوں بڑھائی دخت رز کی آبرو برسوں

نہ ہے مر کر بھی یارب میکدے میں دور مستوں کا
بنائے جائیں انکی خاک سے جام و سبو برسوں

یہ کس تیغ نگاہ ناز نے زخمی کیا مجھ کو
کہ آئی میرے زخموں سے بھی بوئے نازبو برسوں

چلے تھے ایکدن ٹھکرا کے ساغر کو سو مستوں نے
کیئے سر زاہدوں کے کاٹ کر نذر سبو برسوں

رہیں کیونکر نہ توصیف دہن میں دم بخود شاعر
جگہ کچھ بھی اگر پاتے تو کرتے گفتگو برسوں

بسیجا دل نہ اسکا بھی کبھی تیری طرح قاتل
کیا خنجر سے ہم نے شکوۂ درد گلو برسوں

صدف سے جب یہ نکلے شرم آئی تیرے دانتوں سے
گرہ میں باندھ رکھی موتیوں نے آبرو برسوں

ہماری آنکھ نے کیا جانے کس حسرت سے دیکھا تھا
کہ تیغ یار روئی چشم جوہر سے لہو برسوں

زباں اظہار حق سے کافر نہیں کوئی رکتی ہے
خدا کی حمد کی ہم نے بتوں کے روبرو برسوں

لگایا دخت رز کو منہ نہیں ہے بحر ساقی ہیں
بہت طاقوں پہ سر ٹیکا کیئے جام و سبو برسوں

ہوا یہ قحط آب آتشیں ساقی کی فرقت میں
رہا ورد دعائے توبہ ہم کو بے وضو برسوں

تصور کب گیا دل سے مری مژگان جاناں کا
کھٹکتا ہی رہا آنکھوں میں روز ایک پایہ برسوں

امیر اک مصرع تربت کہیں صورت دکھاتا ہے
بدن میں خشک جب ہوتا ہے شاعر کا لہو برسوں

بے حجابانہ مرے گھر جو وہ آجاتے ہیں
ایک تصویر در دل پہ لگا جاتے ہیں

طرفہ شوخی ہے اگر طور پہ آجاتے ہیں
ہوش وہ برق تجلی کے اڑا جاتے ہیں

دم کے دم کو مرے پہلو میں جو آجاتے ہیں
دل لگانے کی جگہ تیر لگا جاتے ہیں

پتلیاں تک بھی تو پھر جاتی ہیں دیکھو دم نزع
وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

یہ بھی ایسا ہے کہ غصہ نہیں اُترا اب تک — جائے گل قبر پہ تیوری جو چڑھا جاتے ہیں
کرتی ہے تیغ قضا ڈھونڈ کے انکو جو زنگ — چوٹ شمشیر ادا کی جو بچا جاتے ہیں
یاد آتا ہے جو ہنس ہنس کے رُلانا میرا — چار آنسو مری تربت پہ بہا جاتے ہیں
ساغر زہر ہلاہل بھی جو دیتا ہے فلک — یاد ساقی میں بلانوش چڑھا جاتے ہیں
کیا سخی ہیں عدم آباد کے جانے والے — نقد جاں پہلی ہی منزل میں لٹا جاتے ہیں
جب پلٹ جاتے ہیں وہ ہاتھ کمر پر رکھ کر — جادۂ ملک عدم مجھ کو بتا جاتے ہیں
اور بچتا کے کریں کیا ادھر آنے والے — مارے غیرت کے زمیں میں تو سما جاتے ہیں
کسلئے کوچے سے یہ آتے ہیں ہوا کے جھونکے — کہ مری شمع لحد روز بجھا جاتے ہیں
جو ترے دل میں ہے وہ دیکھنے والے تیرے — نگہ ناز کے انداز سے پا جاتے ہیں
کیسے چالاک ہیں یہ ترک کہ کرتے ہی نگاہ — سر پہ تلوار سے آنکھوں میں لگا جاتے ہیں
گل سے مطلب نہیں گلشن میں نہ بلبل سے غرض — سیر کرنے کو کبھی باغ میں آجاتے ہیں
گو نکل جاتے ہیں آآ کے گھٹا کے لکّے — ساقیا دل تو یہ مستوں کے بڑھا جاتے ہیں
سادہ آئینہ رخوں کو نہ سمجھنا اے دل — کہئے مطلب کی تو یہ صاف اڑا جاتے ہیں
ہیزم خشک سمجھتے ہیں مجھے کیا ہر دو — راہ چلتے ہوئے جو آگ لگا جاتے ہیں
برق ہیں آندھی ہیں ستانے کو حسیں دل کیلئے — جو گھروندا یہ بناتا ہوں مٹا جاتے ہیں
میں خریدار اگر ہوں تو نگہ کا ان کی — تیغ کیوں میرے گلے سے وہ لگا جاتے ہیں
حسن کی شان کو ہے بوقلمونی لازم — کیا کہوں کیسے وہ نیرنگ دکھا جاتے ہیں
ملک الموت کبھی بن کے سلا دیتے ہیں — فتنۂ حشر کبھی بن کے جگا جاتے ہیں

کیا بلا ہو کے وہ گیسو مجھے لپٹے ہیں امیر
آنکھ ہو بند تو دل پر مرے چھا جاتے ہیں

میں الفت کے وہ حسن کے جوش میں — نہ میں ہوش میں ہوں نہ وہ ہوش میں

لٹک کر وہ زلف آئی ہے تا کمر — کہ لیلیٰ ہے مجنوں کے آغوش میں
نہ اٹھو ابھی بزم سے مے کشو — ہمیں بھی تو آلینے دو ہوش میں
نکل آنکھ سے اشک ٹھہرا ہے کیا — گہر ہو کبھی اس بناگوش میں
کہیں لعل ہم کیا لب یار کو — کہ ہے فرق گویا و خاموش میں
قدم پر جو گرنے لگا غش میں میں — کہا ہٹ کے آؤ ذرا ہوش میں
بہت دختر رز سے گرمی نہ کر — کہیں آئے واعظ نہ وہ جوش میں
نہ کر ساقیا اب تو قحط شراب — نہیں جان رند قدح نوش میں
پلا وصل میں مے نہ ان کو امیر
مزہ کیا رہے جب نہ وہ ہوش میں

میکش کے دل کے راز کسی پر عیاں نہیں — شیشے کو دیکھ لو کہ دہن ہے زباں نہیں
عالم میں اس کے حسن کا جلوہ کہاں نہیں — فانوس کا بھی شمع سے خالی مکاں نہیں
موجود خشت خم ہے اگر نردباں نہیں — اتنی تو میفروش کی اونچی دکاں نہیں
کرتے ہو انکسار کی باتیں ہے آج کیا — میرا بیان ہے یہ تمہارا بیاں نہیں
مردہ جو مجھ غریب کا بے گور رہ گیا — دو گز بھی کیا زمین تہ آسماں نہیں
اک حوروش کی خانۂ زنداں میں ہے جو یاد — موجیں نسیم خار کی ہیں بیڑیاں نہیں
کیا کیا کرینگے قتل نکھرنے تو دو انھیں — پنہاں ہے تیغ زنگ میں جوہر عیاں نہیں
کیا باغباں کا ڈر کہ میں ہوں طائر اثر — ہر شاخ نالہ اور کہیں آشیاں نہیں
چشم سیاہ یار کے اتنے کئے ہیں وصف — ہے میل سرمہ منہ میں ہمارے زباں نہیں
طوطی ہے آجکل سگ جاناں کا بولنا — لذت میں نیشکر ہیں مرے استخواں نہیں
مرقد میں بھی نصیب کی گردش وہی رہی — سمجھے تھے ہم زمیں کے تلے آسماں نہیں
بالیدہ اسکے آنے سے ایسا ہوا چمن — ساقی وہ کون شیشہ ہے جو آسماں نہیں

زنداں چمن ہو وحشی نازک مزاج ہوں
پھولوں کی بدھیاں ہیں مری بیڑیاں نہیں

آنکھوں سے ہم تو ساعد جاناں کے گرد ہیں
حلقے ہماری آنکھوں کے ہیں چوڑیاں نہیں

ہوں اس چمن میں طائر کم پر تو کیا ہوا
صیاد ابھی ہے دور بلند آشیاں نہیں

لذت جو آبلے نے اُٹھائی ہے خار کی
کیونکر بیاں کرے کہ دہن میں زباں نہیں

پیری میں اور بھی مجھے زینت ہوئی نصیب
اُتو قبائے تن پہ ہے یہ جھریاں نہیں

ادنیٰ یہ فیض ہے سخن آبدار کا
موتی صدف میں ہے مرے منھ میں زباں نہیں

ایذا کا خوف صاحب تمکیں کو کیا امیر
نشتر سے آشنا رگِ سنگِ گراں نہیں

مرتبہ تیغ ادا کا وہی بسمل سمجھیں
زیست کو مرگ مسیحا کو جو قاتل سمجھیں

قاتلوں سے کہو سر کاٹ کے معذور نہ ہوں
اپنے سر کو بھی یہ خنجر قاتل سمجھیں

اے پری ان کے لیے ذکر سلاسل ہے عبث
جو تری زلف مسلسل کو سلاسل سمجھیں

اک تجلی میں جو موسیٰ سے ہو طالب کا یہ رنگ
اور پھر کسکو وہ دیدار کے قابل سمجھیں

بانِ جاں جسکو کہے جان اُسے ہم جانیں جاں
دلربا جسکو کہے دل اُسے ہم دل سمجھیں

لاکھ دو لاکھ میں شاید کہ اُٹھے ایک کا پانوں
عاشق اتنی جو کڑی عشق کی منزل سمجھیں

زندگی یلدہ کے اور موت ہے اللہ کے ہاتھ
کسکو آسان کہیں ہم کسے مشکل سمجھیں

آشنا درد سے کچھ ہوں جو بتانِ بیدرد
میری ہر آہ کو اک مصرع بے دل سمجھیں

کیا کسی دل کے تڑپنے پہ انھیں رحم آئے
رقص بسمل کو جو آرائش محفل سمجھیں

بت میں بھی دیکھتے ہیں نور خدا کا جلوہ
واعظ حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

اپنے ہاتھ اپنا گلا کاٹ کے خود بسمل ہوں
کچھ بھی لذت جو تڑپنے کی یہ قاتل سمجھیں

زخم کا ذکر تو کیا ضد ہے یہاں تک مجھ سے
زہر دیں بوسۂ خط کا جو وہ سائل سمجھیں

آپ پیری و جوانی پہ نہ جائیں صاحب
دل عاشق کو بدستور وہی دل سمجھیں

گھورکریں دل میں وہ شرماتے ہیں کیوں آنکھوں سے
اس کو محمل تو انھیں پردۂ محمل سمجھیں

یوں تو ہر غنچۂ گل شکلِ صنوبر ہے امیر
جسمیں کچھ درد کی بو آئے اسے دل سمجھیں

کس طرح موت کو آساں نہ وہ بسمل سمجھیں
تیغ کو تیغ جو قاتل کو نہ قاتل سمجھیں

آپ ہی دیکھیں کریں میرے تحیر پہ نظر
ہمہ تن چشم وہ مجھ کو ہمہ تن دل سمجھیں

پیچ قسمت نے دیئے ہیں یہ اسیر غم کو
موجِ گل بھی اگر آجائے سلاسل سمجھیں

کھینچ کر تیغ ہی آئیں وہ کہیں آئیں تو
نہ جلائیں نہ ہمیں قتل کے قابل سمجھیں

جلد لے لیں کہیں اسکو بھی فراغت ہوجائے
وہ مری جان کو بھی کاش مرا دل سمجھیں

حوریں بن بن کے ہیں روحیں شہدا کی نکلیں
خلد سمجھیں کہ اسے کوچۂ قاتل سمجھیں

ہے مزہ عفو گنہ کا انھیں کچھ دور نہیں
بیگناہوں کو جو تعزیر کے قابل سمجھیں

دورِ ساقی میں ہے یہ ربط شکست دل میں
ٹوٹ کر چور ہو شیشے کو اگر دل سمجھیں

دل جو انگاروں پہ لوٹے تو وہ کیوں شعلہ نہ ہو
شمع و پروانہ سے جو گرمیٔ محفل سمجھیں

پانی ٹپکائیں دمِ نزع نہ منھ میں احباب
تشنۂ آب دمِ خنجر قاتل سمجھیں

بسمل ناز و ادا ہم سے کہاں ہوتے ہیں
رک کے گر تیغ چلے غمزۂ قاتل سمجھیں

اتنے خودبیں نہوں یارب کہیں تو دیں اسکو
آئینے کو یہ حسیں کاش مرا دل سمجھیں

ہمہ تن داغ ہوں میں لالے کا تختہ ہے بدن
لالہ رو کاش مجھے سیر کے قابل سمجھیں

ذبح کے دم جو پڑے تیغ کے بالے پہ نظر
ہم وہ بسمل ہیں کہ گردن میں حمائل سمجھیں

مُردے کچھ کم نہیں زندوں سے زمیں کے نیچے
غافلوں سے کہو محفل تہِ محفل سمجھیں

لے اڑے گر طرفِ باغِ فنا ہم کو امیر
نالۂ دل کو پرِ طائرِ بسمل سمجھیں

دامنِ رحمت اگر آیا ہمارے ہاتھ میں
پھول ہو جائینگے دوزخ کے شرارے ہاتھ میں

گل ترے چھلوں کے ہیں اگر گل جو ہمارے ہاتھ میں
باغ الفت کا ہے گلدستہ ہمارے ہاتھ میں

پوچھتے ہو کس سے جو چاہو کرو مختار ہو
دل تمہارے ہاتھ میں ہے یا ہمارے ہاتھ میں

اے پری افشاں چھڑکنے کا جو تجھ کو شوق ہو
زہرہ دوڑے آسماں سے لیکے تارے ہاتھ میں

لطف اٹھے سیر ساحل کا شب مہتاب میں
ہاتھ اسکا ہو جو دریا کے کنارے ہاتھ میں

ہم وہ مجرم ہیں کہ دوزخ ہمکو تحسن خانہ ہوا
حوریں دوڑیں لیکے جنت سے ہزارے ہاتھ میں

ہم بہت لاغر ہیں پہناؤ نہ ہم کو ہتھکڑی
ڈال دو چھلا کوئی اپنا ہمارے ہاتھ میں

انگلیاں شوخی سے چمکاتا نہیں وہ رقص میں
یہ سمند ناز بھڑکا ہے طرارے ہاتھ میں

جام کیسا جام چلو کو بنا سکتے نہیں
ہے تہیدستی سے رعشہ بھی ہمارے ہاتھ میں

ناز سے کہتے ہیں رکھ کر اپنی آنکھوں پر وہ ہاتھ
دیکھو یوں نرگس پہ ہوتے ہیں چکارے ہاتھ میں

آتشیں رنگ حنا سے ہے عجب معجز نما
ہے ضیا مثل کف موسیٰ تمہارے ہاتھ میں

کیا اثر الٹا ہے جو توڑا شاخ گل سے کوئی پھول
آتش گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ میں

حلقۂ گیسوے جاناں وہ بلا ہے اے امیر
چھپ رہی ہیں مچھلیاں دہشت کے مارے ہاتھ میں

کھائی شکست گل نے اس گل سے یہ چمن میں
ایذا ہے ٹکڑے ٹکڑے جو عضو ہے بدن میں

ہیں چشم و دل ٹھکانے جبتک ہے روح تن میں
کیا مصحف آرسی ہے دولہا میں اور دلہن میں

ہے چرخ پر یہ ایما ابروئے ماہ نو کا
کچھ کچھ خمیدگی بھی لازم ہے بانکپن میں

غصے سے یاد اس نے مجھ کو کیا ہے شاید
جو سانس ہچکیوں کے رعشہ بھی ہے بدن میں

بڑھتی ہے عمر جتنی ہوتی ہے عقل افزوں
ہر دم نیا مزہ ہے اس بادۂ کہن میں

یمن قدم سے تیرے بالیدگی ہو ایسی
جو شمع ہے لگن میں شمشاد ہے چمن میں

ہے چشم مال آفت دیکھا نہ نخل غافل
کیسے کا باندھتے ہیں کس کر گلا رسن میں

کیا جانیے کہ چھوڑا پھولوں نے کیا شگوفہ
بلبل پکارتی ہے صیاد کو چمن میں

شیخ حرم اگر تو جلوہ بتوں کا دیکھے
کعبے سے اٹھ کے بیٹھے پہلوئے برہمن میں

دیوانگی بھی غافل گدڑی فقیر کی ہے
ہشیار بھی ہیں اکثر مستوں کے پیرہن میں

دیبا حریر قاقم تھا رخت خواب جن کا
زیر لحد پڑے ہیں لپٹے ہوئے کفن میں

داغ جگر کا پھاہا جل کر وہیں جھڑا میں
یہ بھی کنول ہو روشن اس گل کی انجمن میں

سن لے جو بتکدے میں اس گل کی آمد آمد
چھپتا پھرے ہر اک بت دامان برہمن میں

کیا تکمۂ گریباں انگور کا ہے دانہ
رنگ شراب گلگوں ہے اسکے پیرہن میں

میں نفس کے ہوں در پے ہے نفس میرے در پے
رہزن کو فکر میری ہے فکر راہزن میں

کنعاں کے چاہ میں تھا یوسف کو سہل گرنا
جب جانتے کہ گرتے تیرے چہ ذقن میں

یاران رفتہ کا ہے غم اے امیر ناحق
چھوٹے ہوئے سفر کے ملجائیں گے وطن میں

سمجھا یہ میں جو نکلے شاخوں سے گل چمن میں
صوفی نکل کے بیٹھے خلوت سے انجمن میں

ہو باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
پھرتے تھے یونہی ہم بھی خوش خوش کبھی وطن میں

اس بت نے منہ چھپایا گیسوئے پرشکن میں
اے دل خدا خدا کر خورشید ہے گہن میں

آزادہ کے ہم نے ایام عمر کاٹے
دو چار دن سفر میں دو چار دن وطن میں

ظاہر پہ جا نہ اس کے ہے پیر زال دنیا
غافل ہے یہ زلیخا یوسف کے پیرہن میں

آواز کن جو آئی کانوں میں ہم یہ سمجھے
غربت پکارتی ہے بس رہ چکے وطن میں

حال بدن کہوں کیا دل ہی بجھا ہوا ہے
اک شمع ہے سو وہ بھی خاموش انجمن میں

کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر
کہنے کو سو زبانیں ہیں غنچے کے دہن میں

یاروں سے انس کیسا غربت میں عمر گزری
ٹھہرے مسافرانہ دو چار دن وطن میں

راتوں کو مثل شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

غربت میں ہے جو صورت خط میں لکھوں کہاں تک
تصویر اپنی بھیجوں احباب کو وطن میں

فرقت میں عیش کیسا شیشے کی طرح ساقی
رو رو کے دل میں خالی کرتا ہوں انجمن میں

گھل گھل کے بہ گئے ہیں فرقت میں سارے اعضا
مثلِ حباب باقی ہے سانس پیرہن میں

موئے سفید سر پر تیاری عدم ہے
غربت سے خاک اڑاتے جاتے ہیں ہم وطن میں

سنبل نے روز فرقت پھانسی گلے میں ڈالی
سولی پہ مجھ کو کھینچا شمشاد نے چمن میں

عشق دہن میں تیرے منہ سے یہ خون ڈالا
اب تک لہو بھرا ہے ہر غنچے کے دہن میں

چھیڑے صبا نہ اتنا کہدو میں بوئے گل ہوں
جا کر چمن سے مجھ کو آنا نہیں چمن میں

کس وقت ہوں پشیماں کر کے ہونٹ چاٹتا ہوں
جب دانت تک نہیں ہیں باقی مرے دہن میں

وحشت امیرؔ اپنی کچھ آج سے نہیں ہے
مانند گل ازل سے ہو چاک پیرہن میں

ہم جو مست شراب ہوتے ہیں
ذرے سے آفتاب ہوتے ہیں

ہو خرابات صحبت واعظ
لوگ ناحق خراب ہوتے ہیں

کیا کہیں کیسے روز و شب ہم سے
عمل ناصواب ہوتے ہیں

بادشہ ہیں گدا گدا سلطان
کچھ نئے انقلاب ہوتے ہیں

ہم جو کرتے ہیں میکدے میں دعا
اہل مسجد کو خواب ہوتے ہیں

وہی رہ جاتے ہیں زبانوں پر
شعر جو انتخاب ہوتے ہیں

کہتے ہیں مست رند سودائی
خوب ہم کو خطاب ہوتے ہیں

آنسوؤں سے امیرؔ ہیں رسوا
ایسے لڑکے عذاب ہوتے ہیں

کچھ خار ہی نہیں مرے دامن کے یار ہیں
گردن میں طوق بھی تو لڑکپن کے یار ہیں

سینہ ہو کشتگان محبت کا یا گلا
دونوں یہ تیرے خنجر آہن کے یار ہیں

خاطر ہماری کرتا ہے دیر و حرم میں کون
ہم تو نہ شیخ کے نہ برہمن کے یار ہیں

کیا پوچھتا ہے مجھ سے نشاں سیل برق کا
دونوں قدیم سے مرے خرمن کے یار ہیں

کیا اگر ہم ہیں کہ کہتے ہیں خوبان لکھنؤ
لندن کو جائیں وہ جو فرنگن کے یار ہیں

وہ دشمنی کریں تو کریں اختیار ہے
ہم تو عدو کے دوست ہیں جو دشمن کے یار ہیں

کچھ اس چمن میں سبزۂ بیگانہ ہم نہیں
نرگس کے دوست لالہ و سوسن کے یار ہیں

کانٹے ہیں جتنے وادیٔ غربت کے اے جنوں
سب آستیں کے جیب کے دامن کے یار ہیں

گمگشتگی میں راہ بتاتا ہے ہم کو کون
ہے خضر جنکا نام وہ رہزن کے یار ہیں

جلتے ہیں شوق برق تجلی میں کیا ہو خوف
جتنے تمام وادیٔ ایمن کے یار ہیں

پیری مجھے چھڑاتی ہے احباب سے امیر
دندان نہیں یہ میرے لڑکپن کے یار ہیں

بے نشانی کو گذر خلد کے گلشن میں نہیں
داغ ہے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

زار اے مرگ ہوں میں یا کہ کبھی مرکن میں نہیں
کس سے الجھینگے فرشتے کوئی مدفن میں نہیں

سرو بے سایہ جو تجھ سا کوئی گلشن میں نہیں
طوق قمری کی طرح میری بھی گردن میں نہیں

کہہ دو آئیں نہ فرشتے مجھے خجلت ہوگی
ہر جگہ تنگ سمائی مرے مدفن میں نہیں

کیوں نہ خوش ہوں کہ بھرا ہے یہ مرے کینے سے
کہ مرے دوست کی جا اب دل دشمن میں نہیں

مرگ کے بعد بھی ہے تیرگی بخت ایسی
کہ کفن کی بھی سفیدی مرے مدفن میں نہیں

کیا مری طرح سے ہوگا ترا عاشق اے بت
تلی پتھرائی ہوئی چشم برہمن میں نہیں

آب فوارہ صفت خاک لہو اچھلے گا
رگ جہندہ کوئی قاتل مری گردن میں نہیں

ہم دوری کی نکالے دل عشاق سے پھانس
نوک ایسی مژۂ یار کی سوزن میں نہیں

میں وہ رہرو ہوں کہ ہے دست تہی نان سفر
کچھ ندامت کے سوا قسمت رہزن میں نہیں

ہیں زمانے میں جو لذت سے بری عالی قدر
گذر برق کبھی ماہ کے خرمن میں نہیں

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے
کم یہ تصویر کسی رنگ میں روغن میں نہیں

دوڑتے ہیں دل عاشق کو سمجھ کر گنجشک
ابھی کمسن ہیں انھیں ہوش لڑکپن میں نہیں

بخت سے ہم کو وہ معشوق ملا سادہ مزاج
چین چولی میں شکن تک کہیں دامن میں نہیں

دونوں خواہاں تھے بڑے پہلے بھی پردہ تیغ
لاگ اور اسکے سوا کچھ سر و گردن میں نہیں

دولت حسن کو کیا دولت دنیا ہو تجھے
جو چمک رنگ طلائی میں ہے کندن میں نہیں

ہوں وہ لاغر جو ملک آئے پس مرگ امیر
پھر گئے دل میں یہ سمجھے کوئی مدفن میں نہیں

چھٹ کے بھی قید ہوں قوت جو مرے تن میں نہیں
کہ نشاں طوق کا ہے طوق جو گردن میں نہیں

خوف آفات جہاں کا دل روشن میں نہیں
دخل سیلاب کبھی ماہ کے خرمن میں نہیں

چشم نمناک نے اشکوں کا یہ مینھ برسایا
کہ کہیں گرد کدورت دل دشمن میں نہیں

پردہ بیجا ہے غم عشق کوئی چھپتا ہے
چشم خونبار نہاں گوشۂ دامن میں نہیں

دل جو صد چاک ہے اسمیں ہے خیال رخ دوست
شاہد پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں

اپنے چہرے کی سیاہی سب اسی کو دیتا
کیا کرے بخت مرا قابو دشمن میں نہیں

باغباں باغ تو کیا آکے خزاں نے لوٹا
کوئی گل غنچہ بھی دروازۂ گلشن میں نہیں

فاتحہ پڑھنے مری قبر پہ آئے کوئی کیا
طائروں کا بھی گذر گنبد مدفن میں نہیں

گرم آنسو ترے میخوار کے ہیں اے ساقی
راتکو کرمک شب تاب یہ پیادن میں نہیں

بزم میخانہ ہے کیا انجمن ناز و نیاز
ہاتھ کس مست کے یاں شیشے کی گردن میں نہیں

دل کھنچے جاتے ہیں سب کے ترے بازو کی طرف
نقش حب کا کوئی تعویذ تو جوشن میں نہیں

کوچۂ عشق میں جا دیکھ فروغ رخ حسن
طور کس جا ہے اگر وادی ایمن میں نہیں

خندہ زن کیا ہے کہ طوق ایک ہے آہن ہے کہ زر
تیری گردن میں نہیں یا مری گردن میں نہیں

غور سے دیکھ لیا عاشق و معشوق ہیں ایک
خال عارض ہے سویدا دل روشن میں نہیں

کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی
دوست کے دل میں ہے وہ جو دل دشمن میں نہیں

اب یہ سنجیدگی طبع سے خالی ہے جہاں　　مصرع سرو بھی موزوں کسی گلشن میں نہیں
میکشو شیشۂ مے کی ہے حفاظت لازم　　دیکھو پتھر تو کوئی ابر کے دامن میں نہیں

واہ کیا تازہ مضامین ترے رنگیں ہیں اسیر
رنگ ایسا کبھی فردوس کے گلشن میں نہیں

غم دنیا کا گذارہ مرے مسکن میں نہیں　　اشک ماتم کی جگہ دیدۂ روزن میں نہیں
کونسا بل ہے جو زلف بت پرفن میں نہیں　　زور ایسا کسی اڑتی ہوئی ناگن میں نہیں
اے جنوں خوب ہوا دور ہوئی قید لباس　　شکر ہے طوق گریباں مری گردن میں نہیں
کسکی آمد ہوئی گھبرا کے جو کہتا ہے یہ زاغ　　رخصت اے گل کہ گذارہ مرا گلشن میں نہیں
اے جنوں دست درازی کا ترے قایل ہوں　　چاک ہے کون گریباں کا کہ دامن میں نہیں
چاہیئے کیا مجھے محشر میں کوئی اور گواہ　　کیا مرے خون کا دھبا ترے دامن میں نہیں
کہتے ہیں وہ خط رخ جلد بنا اے حجام　　کام اس سبز قدم کا مرے گلشن میں نہیں
ڈھونڈھ لو گرمی دل جا کے گراں جانوں میں　　یہ شرر سنگ میں ہوگا اگر آہن میں نہیں
ہمہ تن ہو کے زباں کہتی ہے مقتل میں وہ تیغ　　کون سا سر ہے جو مرے سایۂ دامن میں نہیں
آتش مے سے جو اُٹھتا ہے دھواں کافی ہے　　کسکو پروا ہے نہ ہو ابر جو گلشن میں نہیں
جانتا ہے مری خاطر کی کدورت وہ مہر　　ذرہ خورشید سے پنہاں کسی روزن میں نہیں
کبھی زنداں کی طرف بھی وہ پری آ نکلے　　اثر اتنا کسی زنجیر کے شیون میں نہیں
تیغ قاتل کا لب خشک ہے تر ذبح کے وقت　　خون اتنا بھی ہماری رگ گردن میں نہیں
دور کر پیچ طبیعت سے کہ ہو سب کو عزیز　　عقدۂ تار کی جا دیدۂ سوزن میں نہیں
تیرے بیتاب کو کیا سیر ہو گلشن کی پسند　　آشیاں طائر سیماب کا گلشن میں نہیں
کشتۂ تیغ تحیر ہوں میں اس شکل میں　　جان تصویر کے مانند مرے تن میں نہیں
کیوں لگاتے ہیں سر گور غریباں ہوچیں　　دفن لاشے ہیں دفینہ کسی مدفن میں نہیں

بزم میں جنکے رہا کرتی تھیں شمعیں روشن — سوجھتا کچھ انھیں تاریکی مدفن میں نہیں
تھی کبھی سایۂ دیوار مکاں ظل ہما — آشیاں چند کا اب کونسے روزن میں نہیں

قتل کرتی ہے دوبارہ ہمیں شرم اُن کی امیر
خم شمشیر ہے خم یار کی گردن میں نہیں

عالم پیری میں وہ یوسف لقا ملتا نہیں — صبح ہے خورشید روشن کا پتہ ملتا نہیں
وصل بت ہوتا نہیں ہے یا خدا ملتا نہیں — ڈھونڈھنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں
حسن بے پردہ ہے عاشق کا پتا ملتا نہیں — فیض بخشی پر کریم آیا گدا ملتا نہیں
اے امیر اول تو وہ نا آشنا ملتا نہیں — مل گیا جسکو کہیں اسکا پتا ملتا نہیں
دل لگاتے ہیں تو دنیا کے مزے ہیں واسطے — اے بتو تم سے کوئی بہر خدا ملتا نہیں
ذبح کرتا ہے تو میرے دست و بازو کھولدے — رحم کر قاتل کہ بے تڑپے مزا ملتا نہیں
حسرتیں گھیرے ہیں اس کثرت سے بسمل کو ترے — روح نکلے تن سے اتنا راستہ ملتا نہیں
اک تجھی سے رہ گیا سارے زمانے کا حجاب — کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں
ٹھوکریں کھانا مقدم ہے جو منزل کا ہے قصد — راہرو بہکے نہ جبتک راستہ ملتا نہیں
ہوشیاری شرط ہے غافل جہاں جھپکی پلک — خواب میں بھی ساتھ والوں کا پتا ملتا نہیں
دیر میں بھی ہے اسیکا فیض اے اہل حرم — برہمن کو بت بھی بے اذن خدا ملتا نہیں
منکر یکرنگی معشوق و عاشق ہیں جو لوگ — دیکھ لیں یکبار ناگ کاہ کہربا ملتا نہیں
اتنی تیزی کر نہ قاتل ذبح کرنے میں مرے — دم تو لینے دے تڑپنے کا مزا ملتا نہیں
تازہ وارد ہوں عدم میں حال دل کس سے کہوں — ملک بیگانہ ہے کوئی آشنا ملتا نہیں
ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا — لب سے لب وقت تلفظ اک ذرا ملتا نہیں
رزق کی وسعت جو ہے منظور ایدل کر دعا — بھیک کا ٹکڑا گدا کو بے صدا ملتا نہیں
راہرو کا ذکر کیا ہے سرزمین عشق میں — سیکڑوں منزل نشان نقش پا ملتا نہیں

جس لحد میں دیکھئے بستر ہیں مردے اے امیر
خاک کے نیچے بھی کنج انزوا ملتا نہیں

| | |
|---|---|
| نوکِ مژگاں سے ترے سیکڑوں دل چھدتے ہیں | یہی نشتر تو رگِ جاں میں اتر جاتے ہیں |
| حرم و دیر ہیں عشاق کے مشتاق مگر | تیرے کوچے سے ادھر یہ نہ ادھر جاتے ہیں |
| کوچۂ یار میں اول تو گزر مشکل ہے | جو گزرتے ہیں زمانے سے گزر جاتے ہیں |
| شمع ساں جلتے ہیں جو بزم محبت میں ترے | نام روشن وہی آفاق میں کر جاتے ہیں |
| اثر آبِ بقا خاک رہِ عشق میں ہے | وہی زندہ ہیں یہاں آ کے جو مر جاتے ہیں |
| تم جو پڑھتے ہو لفظ پر تو تمہارے ہوتے | سب حسینانِ جہاں دل سے اتر جاتے ہیں |
| زاہدو تم کو جناں ہم کو درِ یار پسند | خیر جاؤ تم ادھر کو ہم ادھر جاتے ہیں |
| زمزمے کیا اہلِ عدم کو بھی عیسیٰ لاتے ہیں | زلف کے بال اگر تا بہ کمر جاتے ہیں |

کیا اثر نام علی میں ہے کہ لیتے ہی امیر
کام بگڑے ہوئے جتنے ہیں سنور جاتے ہیں

| | |
|---|---|
| مے پئیں کیا کہ کچھ فضا ہی نہیں | ساقیا باغ میں گھٹا ہی نہیں |
| خضر کیا جانیں مرگ کی لذت | اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں |
| شعر وصفِ دہن میں سنکے کہا | ایسا مضموں کبھی سنا ہی نہیں |
| کس طرح جائیں انکی محفل میں | جنکے دل میں ہماری جا ہی نہیں |
| کیا سنیں گے وہ خلق کی فریاد | کہتے ہیں جو کوئی خدا ہی نہیں |
| لذت عیش وصل کیا جانیں | اسمیں حصہ ہمیں ملا ہی نہیں |
| کل تلک تھا وہ ربط وہ اخلاص | آج وہ شوخ آشنا ہی نہیں |
| ہو ہمیں اب تو تیری الفت میں | صدمہ وہ حسن کی انتہا ہی نہیں |
| مرنے والوں سے کہتے ہیں وہ امیر | کیا تمہاری کبھی قضا ہی نہیں |

مرے مرقد کو ٹھکرانے قیامت بنکے آتے ہیں
پڑا ہو میں یہاں آکر تو یوں مجھکو ستاتے ہیں

دیا ہے غسل یاروں نے کفن رنگیں پنھائے ہیں
تماشا ہے کہ کشتے کو ترے دولھا بناتے ہیں

ہماری بیخودی تمہید ہے تیری نمائش کی
مٹا کر نقش اپنا ہم ترا نقشہ جماتے ہیں

محبت کا بڑا ہو دلکو روکوں یا جگر تھاموں
مرے قابو سے یہ دونوں کے دونوں نکلے جاتے ہیں

گذرگاہ جہاں خالی نہیں رہتی ہے کثرت سے
تماشاگاہ ہے دیکھو ہزاروں آتے جاتے ہیں

شعاع مہر کس کس شوق سے آکر لپٹتی ہے
کبھی کو ٹھے پہ چڑھ کر وہ جو بال اپنے سکھاتے ہیں

طلب شانے کی ہے زلف دوتا کی خیر ہو یارب
خدا حافظ ہے یکتائی کا آئینہ منگاتے ہیں

بہانہ ہے حنابندی کا یہ بھی ایک شوخی ہے
ہمارا ہی تو دل مٹھی میں ہے ہم سے چھپاتے ہیں

نظر اس پر نہیں کرتے خود آئے ہیں پری بنکر
ہمیں کو اور اُلٹے اپنا دیوانہ بناتے ہیں

نظر آتا نہیں کچھ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں
لگاتے ہیں وہ سرمہ یا کوئی جادو جگاتے ہیں

عزیز ایسی ہے اے قاتل کہ بسمل جان دیدیکر
تری تلوار کا دم اپنے سینے میں چراتے ہیں

حسینان جہاں کہتے ہیں شاید درد کا شیوہ
جگہ دیتا ہے جو دلمیں اُسیکا دل دکھاتے ہیں

نہیں خالی ہماری وحشت دل ہوشیاری سے
گریباں پھاڑ کر پیوند دامن میں لگاتے ہیں

جنازے پر جو آنکو کہو اُن سے تو کہتے ہیں
کہیں تابوت کا بوجھ ایسے نازک بھی اٹھاتے ہیں

گلوریاں وہ نہیں کھاتے ہیں مستی مل کے ہونٹوں میں
نگیں یاقوت کا نیلم کی شہرتا پر جماتے ہیں

وہ مکیش ملکر رکھ لیتے ہیں سینہ چیر کر دلمیں
کوئی شیشے کا ٹکڑا راستے میں بھی جو پاتے ہیں

ہماری لغزش شوقی تجھکو اے زاہد خبر کیا ہے
فرشتے تھامتے ہیں ہاتھ جب ہم لڑکھڑاتے ہیں

وہ اٹھی ہے گھٹا وہ برق چمکی وہ بہار آئی
اُٹھو رندو چلو واعظ تو یونہیں بڑبڑاتے ہیں

دیا جاتا ہے شمشیر قضا پر باڑھ کا ڈورا
مبارک ہو گلو اے دل وہ پھر سرمہ لگاتے ہیں

نہیں ہے پیار بھی در پردہ اُنکا چھیڑ سے خالی
رُلا دیتے ہیں اتنا وصل کی شب گدگداتے ہیں

امیر افسردہ ہو کر غنچہ دل سوکھ جاتا ہے
وہ میلے ہمکو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں ۔ جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

سیہ پوشاک بن کر خانۂ کعبہ میں جا پہنچے ۔ بلا کا بھیس او کافر ترے گیسو بدلتے ہیں

بہار آئی ہے صبح عید کا عالم ہے گلشن میں ۔ نئی پوشاک شمشاد اب کنار جو بدلتے ہیں

نزاع کفر و دیں ہے دور زلف و عارض میں ۔ مسلمانوں سے ٹوپی آجکل ہندو بدلتے ہیں

تری ترچھی نگاہیں سایۂ مژگاں میں پھرتی ہیں ۔ پرے میں جیسے بانکے پینترے ہر سو بدلتے ہیں

بہا میں کچھ تو پایا ہے انھیں اے چشم تر بہتر ۔ جو اپنے موتیوں سے جوہری آنسو بدلتے ہیں

مے کہنہ ہے یہ آب وضو تیرا انھیں زاہد ۔ جو چشمے نور کے ہیں کب وہ رنگ و بو بدلتے ہیں

تری محفل میں یہ دیوار کی کہتی ہیں تصویریں ۔ ادب سے بیٹھنے والے کہیں زانو بدلتے ہیں

امیر اس باغ میں رہ کر کریں کیا دم الجھتا ہے
نہ نکہت چھوڑتے ہیں گل نہ کانٹے خو بدلتے ہیں

گو کہ دیکھے خواب اچھے سب نے تعبیریں کہیں ۔ وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں

پہنچے ہم جس شہر میں پوچھا یہ اہل شہر سے ۔ خوبرویوں کی یہاں بکتی ہیں تصویریں کہیں

ترچھی نظروں سے مجھے آخر لگے وہ دیکھنے ۔ اوپر اوپر جاتی ہیں آہوں کی تاثیریں کہیں

قیدیوں کا اپنے اس ظالم کو ہے ایسا خیال ۔ چونک اٹھتا ہے جو غل کرتی ہیں زنجیریں کہیں

ابروؤں سے ہر کس و ناکس کو تم کرتے ہو قتل ۔ خوف ہے منہ کی نہ کھا جائیں یہ شمشیریں کہیں

وہ بت آئیگا تو بت بن جائیں گے واعظ ابھی ۔ حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں

لاغری سے اپنی زنداں میں یہ مجھکو خوف ہے ۔ پاؤں سے میرے اتر جائیں نہ زنجیریں کہیں

اسکے کوچے میں ٹھہرنے کو جگہ چاہے اگر ۔ بولے درباں جاؤ کیا بٹتی ہیں جاگیریں کہیں

لاکھ محنت کی نہ نکلی وصل کی صورت امیر
سامنے تقدیر کے چلتی ہیں تدبیریں کہیں

تمام تن میں ہیں چھالے اگرچہ زار ہوں میں ۔ کرو جو خوب نظر آنسوؤں کا تار ہوں میں

بجا ہے سر سے قدم تک جو داغدار ہوں میں
کہ ہجر میں ہمہ تن چشم انتظار ہوں میں

کرم کرے جو وہ شمشیر کیسی تنہائی
جدا ہوں عضو بدن ایک سے ہزار ہوں میں

الٰہی آئے کوئی حور باغ جنت سے
اُجڑ رہا ہوں کہ تنہا تہ مزار ہوں میں

جو اپنے ہاتھ سے دیتے ہو تم مجھے تعزیر
گناہگار نہیں تو گنہ گار ہوں میں

ہزار مردوں میں زندہ رہا جو ایک تو کیا
زمانہ مست ہے کیا خاک ہوشیار ہوں میں

بغیر جرم ہوں پامال شرم مجلسی
کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہوں میں

شریک درد نباتات ہوں بشر کیسے
پڑیں درخت پہ پتھر تو سنگسار ہوں میں

کبھو فلک سے ملائے نہ خاک میں مجھ کو
کہ انتخاب ہوں میں فخر روزگار ہوں میں

صفا بنی ہے جہاں میں مری کدورت سے
کرے جو آئینوں کو صاف وہ غبار ہوں میں

فسردگی ہے مری باعث خزان چمن
شگفتگی میں تماشائے نوبہار ہوں میں

اُٹھا کے پردۂ امکاں قدم کو کیا دیکھوں
کہ اپنی شکل سے آئینے میں دوچار ہوں میں

وہ تیغ مہر ہے جس تیغ کا میں ہوں کشتہ
نگاہ لطف ہے جس تیر کا شکار ہوں میں

بہائے اپنے ہی خرمن کو جو وہ ہوں سیلاب
جلائے اپنے ہی دامن کو وہ شرار ہوں میں

سکون دل ہو جو حاصل تو سامنے ساحل
دکھاؤں جوش تو دریائے بیکنار ہوں میں

امیر فوج ظفر موج جرأت و ہمت
وزیر اعظم سلطان تاجدار ہوں میں

حریم لطف و عطا میں نسیم خلق نبی
دم دغا کف حیدر میں ذوالفقار ہوں میں

خمیر خاک سے مردم میں نور کا پتلا
شریک عام نہیں خاص کردگار ہوں میں

امیر دل میں جو کچھ آگیا کیا موزوں
زبان بند نہیں صاحب اختیار ہوں میں

کرم کہ تیرے کرم کا امیدوار ہوں میں
گناہگار ہوں یارب گناہگار ہوں میں

ہمیشہ گوشہ نشیں ہوں وہ خاکسار ہوں میں
ہوا اُڑا نہ سکے جسکو وہ غبار ہوں میں

نگاہ ذائقہ میں آنسوؤں کا تار ہوں میں
گلوئے باصرہ میں موتیوں کا ہار ہوں میں

کسی کی تیغ کھنچے قتل کو تیار ہوں میں
کسی پہ تیر چلے صید پر شکار ہوں میں

لگائے منھ مجھے وہ نغمہ دوست کب دیکھوں
برنگِ نے ہمہ تن چشمِ انتظار ہوں میں

کہو گے جو مجھے زیر ہو دبی ہونگا تمہیں
اگرچہ لنگرِ تمکین سے کوہسار ہوں میں

ہوا میں باندھتے ہو کیا یہ جھوٹ کہہ کہہ کر
اُڑا رہے ہو کسے کیا کوئی غبار ہوں میں

گمانِ دزدِ کفن ہو اگر نسیم آئے
قفس میں زندہ کہ مردہ نہ مزار ہوں میں

مرے گناہوں سے ہے اُنکی مغفرت کی نمود
گناہ اگر نہ کروں تو گناہ گار ہوں میں

بتوں کی زلف پریشاں عذار پر غازہ
رہونگا گرد حسینوں کے وہ غبار ہوں میں

ہوا جو قصرِ فریدوں میں کل گذر اپنا
صدا یہ آئی کہ اُجڑا ہوا مزار ہوں میں

رقیب پھولوں کی بدّھی اُسے پنھاتا ہے
ملے مجھے تو اجل کے گلے کا ہار ہوں میں

امیرؔ جاتی جوانی یہ مجھ سے کہتی ہے
خزاں نہ سمجھو مجھے آخری بہار ہوں میں

ٹھوکریں کھاتا ہے سر ہر گام پر رفتار میں
چال میری کوئی دیکھے کوچۂ دلدار میں

رہ گیا لختِ جگر اپنے جو میں گلزار میں
برگِ گل بلبل سمجھ کر لے گئی منقار میں

دیکھ سکتا ہوں کوئی باہر سے میں اندر کا حال
در میں رخنہ ہے نہ روزن یار کی دیوار میں

بزمِ کثرت نورِ وحدت سے کبھی خالی نہیں
چشمِ بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں

حال آئینہ ہے میری جبہہ سائی کا امیرؔ
منہ نظر آنے لگا سنگِ درِ دلدار میں

## ردیف واؤ

صورتِ غنچہ کہاں تابِ تکلّم مجھ کو
منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسّم مجھ کو

اور تھا کون شب ہجر مصیبت کا شریک
دیکھ لیتا تھا میں انجم کو تو انجم مجھ کو

مر کے راحت تو ملی پر ہے یہی کھٹکا باقی
آکے عیسیٰ سر بالیں نہ کہیں قم مجھ کو

وقت فرصت تھا ہیں عبرتکدۂ ہستی میں
کف افسوس ملی جس نے کیا گم مجھ کو

ایک کو ایک سے بڑھ کر ترے جلوہ کا ہے شوق
آنکھ کہتی ہے نگہ پر ہو تقدم مجھ کو

اشک ساں خاک میں ملتا بھی مجھے طاعت ہے
لاکھ سجدے کے برابر ہے تیمم مجھ کو

آبرو ہے یہ مری پیر مغاں کے آگے
منھ سے ساغر جو لگا جائے تو دے خم مجھ کو

وحشت دل سے زمانہ میں پھروں مثل نگاہ
سات پردوں میں کریں قید جو مردم مجھ کو

روز دکھلاتی ہے دنیا کا سپید اور سیاہ
اُس کی شام مسی و صبح تبسم مجھ کو

ہوں وہ مضمون کہ زمانے کو اگر ہاتھ آؤں
صورت گوہر نایاب کرے گم مجھ کو

افر طلاع داڑھوں سے عجب کیا ہے اگر
تیغ بن جائے مرا دست تکلم مجھ کو

ہوں میں مشتاق شہادت کہیں حسرت تو مٹے
خاطر غیر ہی سے قتل کرو تم مجھ کو

حشر میں وجد کناں قبر سے یارب نکلوں
نفخۂ صور ہو آواز ترنم مجھکو

مجلس وعظ میں ہیں مست اگر جا بیٹھوں
مغبچے کھینچ کے لے جائیں سر خم مجھ کو

شمع کی طرح میں وہ سوختہ قسمت ہوں امیرؔ
مول لے لے کے جلا دیتے ہیں مردم مجھ کو

لے گئی کھل ہوس مے جو سر خم مجھ کو
ہوش کی طرح سے مستی نے کیا گم مجھ کو

کعبہ رخ کی طرف بڑھتی ہے آنکھ پئے نماز
چاہیئے گرد نظر بہر تیمم مجھکو

واہ اے بیخودی شوق کیا خوب سلوک
اُس کو جب ڈھونڈھ نکالا تو کیا گم مجھکو

ہوں میں وہ قطرہ جو نیساں کی بغل سے چھوٹوں
کھینچ لے شوق سے آغوش میں قلزم مجھکو

نہیں معلوم وہ مہمان ہوئے ہیں کسکے
آج گھر گھر لئے پھرتا ہے توہم مجھ کو

غنچہ ساں نزہت خاطر سے عدم کو پہنچا
بال و پر ہو گئے لب وقت تبسم مجھ کو

خلوت وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا
جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھ کو

بے ثباتی میں نہیں کون سی جا میری نمود
ذرے چنتے ہیں مجھے گنتے ہیں انجم مجھ کو

خم مے تھا کبھی اک قطرے سے کم اے ساقی
اب وہی میں ہوں کہ ہر قطرۂ مے خم مجھ کو

میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھ کو

دھوکا کھائے ہوئے آدم کو زمانہ گذرا
ہنستے ہیں دیکھ کے اب تک لب گندم مجھ کو

مردمک ہوں کہ سویدا ہوں الٰہی کیا ہوں
دیدہ و دل میں جگہ دیتے ہیں مردم مجھ کو

میں ترا عکس تھا اس آئینۂ ہستی میں
تو نے کیا پھیر لیا منہ کہ کیا گم مجھ کو

دیکھتا ہوں کبھی آئینہ تو رو دیتا ہوں امیر
اپنی صورت پہ خود آتا ہے ترحم مجھ کو

قطرۂ مے نے کیا ہوش صفت گم مجھ کو
ہر حباب مے پُر نہ دکھا ہوا خم مجھ کو

ہوں میں نقش قدم اس رہگذر ہستی میں
ایک ظاہر جو کرے چار کریں گم مجھ کو

میں جو مر جاؤں تو اے پیر مغاں کہہ دینا
مغبچے کھینچ کے ڈال آئیں پس خم مجھ کو

ہو مری قتل کی یارب یہ خوشی قاتل کو
بڑھ کے لے چار قدم تیغ تبسم مجھ کو

زندہ اعجاز مسیحا سے تو ہو سکتا ہوں
ضعف سے اٹھ نہ سکوں گا نہ کہیں قم مجھ کو

دی صدا دل کو جو اس بزم میں تنہا چھوڑا
ساتھ لائے تھے اسی دن کے لیے تم مجھ کو

ہو سر عجز سے تا قتل گہہ سجدہ قبول
چاہیے گرد یتیمی سے تیمم مجھ کو

لالہ و گل ہوں خس و خار ہوں یارب کیا ہوں
ڈوبتا ہوں تو ڈبوتا نہیں قلزم مجھ کو

یہ تجلی ہی تو سنبھالے ہوئے لیجیے سو بار
بیخودی راہ میں کرنا نہ کہیں گم مجھ کو

ہوں وہ میکش جو کروں رخ در توبہ کی طرف
بہکے جاتے ہو پکارے وہیں خم مجھ کو

نگہ مہر کہاں یار جفا پیشہ کہاں
ملک الموت سے ہے چشم ترحم مجھ کو

سوز دل وجد کا باعث ہے یہاں مثل سپند
میری فریاد ہے آواز ترنم مجھ کو

نظر بد نہ لگے یار کی سفاکی کو — قتل ہونے نہیں دیتا یہ توہم مجھ کو

بحث کو آئے جو واعظ مجھے آجائے یہ جوش — لب ہلیں ساغر مے کے دہن خم مجھ کو

جانتے ہیں جو حقیقت سے ہیں آگاہ امیر
کن کے کلمے کے یہ معنی ہیں تقدم مجھ کو

اشک ساں جنبش مژگاں نے کیا گم مجھکو — لغزش پا ہوئی دریا کا تلاطم مجھ کو

تجھ کو قاتل ہی کے لعل لب خنداں کی قسم — نیم جاں چھوڑ نہ اے تیغ تبسم مجھ کو

برسوں جھیلی ہے مصیبت شب تنہائی کی — مدتیں گذری ہیں گنتے ہوئے انجم مجھ کو

دیکھ لوں انکو ذرا نزع میں آ لینے دے — رحم اے بے خبری کر نہ ابھی گم مجھکو

خط نکلنے سے ترے سوگ نشیں ہیں آنکھیں — کھل گئی وجہ سیہ پوشی مردم مجھکو

شوق طوف حرم عشق میں باندھی ہے کمر — گرد غربت سے مناسب ہے تیمم مجھکو

شب کو نکلوں جو میں لاغر تو وہیں مثل کمند — کھینچ لے جائے شعاع مہ و انجم مجھکو

ہوں میں وہ رند کہ مسجد میں لگاؤں زاہد — ہاتھ آجائے اگر خشت سر خم مجھکو

شمع ساں محفل عالم میں وہ ہوں سوختہ بخت — دل بھر آتا ہے جو آتا ہے تبسم مجھ کو

صاف کہہ دو نہیں دیدار دکھانا ہو اگر — کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجھ کو

اس نے جنت سے جہنم میں مجھے پھینک دیا — زہر کی گانٹھ ہوا دانۂ گندم مجھکو

اس قدر طول خموشی کو ہوا عزلت میں — بزم میں بھول گئی طرز تکلم مجھ کو

وائے قسمت کہ یہاں قتل کی حسرت ہے امیر
اور وہ سمجھے ہیں سزاوار ترحم مجھ کو

پہلے تم اپنی چتون اپنی نظر کو دیکھو — پھر جسنے دل دیا ہو اُسکے جگر کو دیکھو

کیا حال پوچھتے ہو گم گشتگی کا مجھ سے — اپنے دہن کو دیکھو اپنی کمر کو دیکھو

اُس رخ کی گرمیوں سے ہے برق طور ٹھنڈی — چڑھتے ہیں کسکے منہ پر شمس و قمر کو دیکھو

پتھرا گئی ہیں آنکھیں جب جا ملا نگہ کی
جاکر وہاں لڑی ہے میری نظر کو دیکھو

ملتا نہیں ہے نالے مدت سے ڈھونڈتے ہیں
بیٹھا ہے منھ چھپا کر کیا اثر کو دیکھو

لیٹا ہوں قبر میں میں منھ سے کفن ہٹا کر
بولی یہ مجھ سے غیرت لو اپنے گھر کو دیکھو

غیروں کے منھ تو دے ہیں میں شکل آئینہ ہوں
رخ پھیر و اسطرف سے صاحب ادھر کو دیکھو

حالت مریض غم کی کچھ تم بھی جانتے ہو
ایک ایک غش کو دیکھو دو دو پہر کو دیکھو

کس مرتبہ پہ پہنچا آخر یہ رفتہ رفتہ
اس آستاں کو دیکھو اور میرے گھر کو دیکھو

آخر ہے وصل کی شب افسردہ کیوں نہ ہوں ہم
رنگت اڑی ہوئی ہے شمع سحر کو دیکھو

رکھتے ہیں خط کہ ہیں پر لگ گئے ہیں گویا
جاتا ہے کس خوشی سے واں نامہ بر کو دیکھو

کیا وصل ہو وہ کافر تم اے اسیر مومن
کتنے جدا جدا ہیں شام و سحر کو دیکھو

گلے کٹیں گے نہ یوں پیترے بدل کے چلو
چلیگی تیغ سر راہ ذرا سنبھل کے چلو

جنوں بہار میں دیتا ہے ہم کو یہ ترغیب
چمن کو خانۂ زنجیر سے نکل کے چلو

برنگ صفحۂ نقاش ہو زمیں رنگیں
حنا جو پانوں میں میرے لہو کی مل کے چلو

خرام یار کا طاؤس و کبک سے ہے یہ قول
نہ آئے گرمی رفتار لاکھ جل کے چلو

سر مزار غریباں ہیں جا بجا پتھر
لگے نہ پانوں کو ٹھوکر ذرا سنبھل کے چلو

کفن پہن کے چلیں گور کی طرف عاشق
جو عید گاہ کو تم پیرہن بدل کے چلو

بدل نہ جائیں کہیں میرے راہ میں تیور
چلو جو ساتھ نہ تیوری بدل بدل کے چلو

سنا ہے محتسب آتا ہے دو گھڑی کے لئے
قدح کشو کہیں اب میکدے سے ٹل کے چلو

ملے نہ ہم کو جو میلے میں تم تو خجلت کیا
ذرا تو ٹھہرو کہیں شہر سے نکل کے چلو

بہار آئی ہوائیں ہیں پھول خوشبو پر
خجل ہوں عطر جو تم پیرہن میں ملکے چلو

رجوع کفر میں اسلام ہم سے کہتا ہے
کہ سوئے بتکدہ کعبے میں پہلے چل کے چلو

اگر تمہیں نہیں فرصت تو کہدو تیغوں سے
کہ خلق جمع ہے تم میاں سے اُگل کے چلو

نصیب وحشت میں لائے ہیں وحشیو تم کو
اُچھالتے ہوئے سونا اُچھل اُچھل کے چلو

مری غزل کوئی رنگیں سی چھانٹ کر پڑھ دو
مشاعرے میں جو آئے ہو تم تو پھل کے چلو

قضا کا گرم ہے ہنگامہ کوئے قاتل میں
امیر خیر ہے منھ میں نہ تم اجل کے چلو

آہ میں کھینچوں تو کھینچیں آپ بھی شمشیر کو
یا نچے من کی نوک رکھیئے کاٹیے اس تیر کو

اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگ عشق
دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو

اپنے بسمل کا ذرا شوق شہادت دیکھیئے
دے رہا ہے کیا گلے مل مل کے دم شمشیر کو

جانتے ہو لوٹتا ہے خاک پر نخچیر کیوں
ڈھونڈھتا پھرتا ہے مقتل میں تمہارے تیر کو

ڈالدے عشاق کی آنکھوں پہ حیرت کی نقاب
واہ کس پردے میں رکھا حسن کی تصویر کو

گردن و پہلو سے نخچیروں کے آتی ہے صدا
آفریں اس تیغ کو صد آفریں اس تیر کو

کھینچنے بیٹھا جو نقاش ازل حیرت کی شکل
رکھ لیا پیش نظر پہلے مری تصویر کو

سینۂ عاشق پر جڑ دے یا رب جوہر کھلیں
چوکھٹا درکار ہے آئینۂ شمشیر کو

دست و بازو کو ترے تکلیف کیوں ہووے بچھے
آپ رکھ لوں چیر کر پہلو میں تیرے تیر کو

صاف کھینچا چاہتا ہے شکل حیرانی اگر
آئینے پر کھینچ اے مانی مری تصویر کو

پیاس لاکھوں کی بجھائی واہ ری دریا دلی
پانی ہی پی کر دعائیں دوں تری شمشیر کو

پوچھتے کیا ہو تجھے بے بال و پر کس نے کیا
یہ پری پرواز پر کس نے دئیے ہیں تیر کو

خود میں کھنچ جاتا ہوں زور ناتوانی دیکھنا
کھینچتا ہے جب کبھی مانی مری تصویر کو

زلف میں حلقے بنائے ہیں شرارت دیکھنا
طوق پہنائے ہیں کیا اس شوخ نے زنجیر کو

چلتے چلتے تھک گئی ہے منھ موڑے خوف ہے
بسم اللہ دم لینے تو دو شمشیر کو

لب پر آئی آہ اُدھر سے جب اٹھی اُسکی نظر
دیکھنا کیا تیر پر روکا ہے ہم نے تیر کو

تا یہ شاہد ہوں وہ دعویٰ خونفشانی کا رہے لب دیئے سوفار کو بخشی زباں شمشیر کو

لوٹتا ہے خاک پر اے ترک مدت سے امیر
ذبح بھی کر ڈال تڑپاتا ہے کیا نخچیر کو

او کماں ابرو سمجھ کر صید کر نخچیر کو سخت جاں ہوں یہ کہیں صدمہ نہ پہنچے تیر کو
ہو چکا میں قتل تو اس سے قضا نے یہ کہا لو مبارک آج سے فرصت ملی شمشیر کو
جب نظر اس ترک کی مجھ پر پڑی تیوری چڑھی بل پڑے شمشیر میں سیدھا کیا جب تیر کو
فصل گل میں گل کھلے تازہ ہوا نخل کہن گر چکا تھا ان جوانوں نے سنبھالا پیر کو
رنگ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر ایک برگ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو
چیر کر پہلو کو دل نکلا ہے مشتاق نگاہ کیا تماشا ہے ہدف لینے چلا ہے تیر کو
ہجر زنداں کا ہوں مجرم ہو سزا بھی حسب حال موتیوں کا چاہیئے ذرہ مری تعزیر کو
ناز کیونکر ہو گناہوں پر نہ مجھ کو اے کریم پیار کرتی ہے تری رحمت مری تقصیر کو
پیچ پیچ کی باتیں رہیں شانے ہی سے اے زلف یار خوف سلجھاتا ہے دل الجھی ہوئی تقریر کو
صفحۂ رخسار جاناں پر لکھا کیا خوب خط چوم لوں پاؤں جو دست کاتب تقدیر کو
کسکو کرتے ہیں نشانہ کسکو کرتے ہیں شکار ترک لڑوائیں گے کیا نخچیر سے نخچیر کو
جب کماں سے چھوٹتا ہے دل میں کرتا ہے مقام خوب سیدھی راہ دکھلائی ہے تم نے تیر کو
دل کی ہوتی ہے درستی جتنی ہوتی ہے شکست کرتی ہے آباد بربادی اسی تعمیر کو
پوچھتی ہے شمع پروانوں سے تیری داستاں گل سنا کرتے ہیں بلبل سے تری تقریر کو
قالب خاکی سے ہر دم ہے یہ تہدید اجل خاک میں اک دن ملا دینگے ہم اس تعمیر کو
پانوں اپنا درمیاں تھا کھل گئے عقدے تمام سخت مشکل تھی یہ کڑیاں جھیلنی شمشیر کو

دل میں گھر اسکا ہے گردن تک گذر اسکا امیر
تیغ قاتل سے جگہ اچھی ملی ہے تیر کو

تمھیں گر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

اے تیغ یار کیا کوئی قایل ہو برق کا
تیری سی اُسمیں تیزیٔ رفتار بھی تو ہو

دل دردناک چاہئے لاکھوں ہیں خوبرو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

چھاتی سے میں لگائے رہوں کیوں نہ داغ کو
اے دل کوئی انیس شب تار بھی تو ہو

گر ہم نہیں تو رونق بازار عشق کیا
اے آسماں خود فروش خریدار بھی تو ہو

پردے میں چاہتا ہوں کہ ہنگامہ ہو بپا
اے آفتاب حشر نمودار بھی تو ہو

آتی ادا اس صحبت بے دائے میکشو
دست سبو میں شیخ کی دستار بھی تو ہو

زاہد امید رحمت حق اور ہجو مے
پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

ساقی ابھی سے جاؤں میں کیا بہر میکشی
آئے بہار رونق گلزار بھی تو ہو

بجا تری نگاہ کو تیزی پہ ہے گھمنڈ
برچھی کی نوک دل سے مرے پار بھی تو ہو

سوؤں میں آکے دھوپ سے پاؤں اماں اگر
راضی تمہارا سایۂ دیوار بھی تو ہو

کیونکر ہو درد دل کی ہمارے اُسے خبر
پردے میں خامشی کے کچھ اظہار بھی تو ہو

اشکوں کیساتھ عشق میں نالہ ضرور ہے
آراستہ ہے فوج علمدار بھی تو ہو

ساقی اُداس کیوں نہو بزم سے وہ سبو
میخانے میں امیر سا میخوار بھی تو ہو

وہ حسن کیا ہے جو خاطر نشیں نہ ہو
کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہ ہو

کیونکر ہو دل شگفتہ جو عزلت نشیں نہ ہو
پھولے پھلے نہ دانہ جو زیر زمیں نہ ہو

وہ یاس ہے کہ وصل میں بھی ہر نگاہ پر
ڈرتا ہوں میں کہیں نگہ واپسیں نہ ہو

راحت کی جستجو میں ہیں اہل جہاں عبث
ہاتھ آئے وہ کسی کو کہاں جو کہیں نہ ہو

ایذائے خلق پر ہے یہ غش موذی فلک
بے سانپ چاہتا ہے کوئی آستیں نہ ہو

ساحل سے ہوں میں تشنہ دہن خود کنارہ کش
کہہ دو کہ بحر موج سے چیں بر جبیں نہ ہو

مانند بوئے گل چمن دہر سے نکل
اس باغ بے ثبات میں عزلت نشیں نہ ہو

نام اس حسیں کا قلب مصفا پہ نقش ہو
کیونکر اس آئینے پہ گمانِ نگیں نہ ہو

ہستی جہاں کی ہستی حق پر دلیل ہے
کیونکر جہاں ہو جو جہاں آفریں نہ ہو

زاہد کا صاف زہد ریائی ہے آشکار
سجدہ کرے درست تو داغی جبیں نہو

ساقی میں یاں نشۂ مے عرفاں سے مست ہوں
افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو

تیرا نہو مکان جو مشہور ہے فلک
کہتے ہیں جسکو عرش ترا شہ نشیں نہ ہو

دل سے ہو جو چشم فیض ہے تجھکو تو پاک رکھ
کس کام کی ہے صاف اگر دوربیں نہو

ہم رند مشرب و نکی معاصی سے ہے نمود
روشن ہو نام کیا جو سیہ رو نگیں نہ ہو

ہوں تنگ اس جہاں سے وہاں لے چل اے جنوں
جس جا یہ آسمان نہو یہ زمیں نہ ہو

ساجد خدا پرست کبھی اس آستاں پہ ہیں
کیوں بے نیاز وہ صنم نازنیں نہ ہو

آتا ہے مجھکو گریہ لب کشت زعفراں
اتنا بھی جور چرخ سے کوئی حزیں نہ ہو

سر آستانِ دل پہ نہ پہنچے کبھی امیر
جبتک کہ عرش پہ قدم اولیں نہ ہو

یادِ زلف آئی دمِ نزع ستانے ہم کو
کس بُرے وقت میں گھیرا ہے بلانے ہم کو

منھ لگایا ہے بتوں نے نہ خدا نے ہم کو
نہ ادا نے کبھی پوچھا نہ قضا نے ہم کو

آس کسکو تھی شب غم کی سحر ہونے کی
اب تو دن یہ دکھایا ہے خدا نے ہم کو

ہجر جاناں میں کبھی روز جو تنگی آئی
جی اٹھے ہم کہ کیا یاد قضا نے ہم کو

رخصت اے ہوش و خرد اب نہیں ٹھہرا جاتا
بیخودی دور سے آئی ہے بلانے ہم کو

کشمکش میں ہمیں بیتابی دل رکھتی ہے
آنے دیتی ہے نہ ظالم کہیں جانے ہم کو

قہر کرتی ہیں شب وصل تمہاری آنکھیں
اسی پردے میں تو مارا ہے حیا نے ہم کو

ساقیا دیر سے مستی نے نکالا ہوتا
خوب ہی رد کر لیا لغزش پا نے ہم کو

شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گذری
آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہم کو

دیر میں شیخ و حرم سے یہ صنم کہتے ہیں
تو نے اللہ کو جانا ہو تو جانے ہم کو

خنجر ناز سے بچ کر جو چلے چار قدم
رکھ لیا برچھیوں پر تیر ادا نے ہم کو

حوصلہ کون تماشائے تجلی کا کرے
غش تو دیتا ہی نہیں ہوش میں آنے ہم کو

کیا بگاڑا ہے ترا اے شب فرقت ہم نے
روز آتی ہے بلائیں کے ڈرانے ہم کو

آئینہ دیکھ کے ہر بار وہ بت کہتا ہے
خود نمائی کو بنایا ہے خدا نے ہم کو

لامکاں میں نہ پتا ہے نہ مکاں میں اسکا
بے ٹھکانے کے بتائے ہیں ٹھکانے ہم کو

وہ بلا دوست ہیں جب کوئی کڑی آئی ہے
نام لے لے کے پکارا ہے بلانے ہم کو

خار کیا کھائے گا گل دیکھ کے فرقت میں امیر
ایسے کتنے ہیں ابھی داغ اٹھانے ہم کو

آج محفل سے تم آئے ہو اٹھانے ہمکو
ہائے وہ دن کہ جو اٹھتے تھے بٹھانے ہمکو

منھ شب ہجر دکھایا نہ قضا نے ہمکو
کون پوچھیگا نہ پوچھا جو خدا نے ہمکو

حوصلہ دل سے تڑپنے کا نکلتا کیونکر
دم ہی لینے نہ دیا تیغ ادا نے ہمکو

تیغ جلاد نے جوہر کو کیا ہم سے عزیز
آنکھ اٹھا کر بھی تو دیکھا نہ قضا نے ہمکو

اتنی نسبت بھی کفایت ہے یہاں بخشش کو
کاش وہ اپنا گنہگار ہی جانے ہمکو

حلقۂ زلف میں پھنس کر کوئی نکلا ہے کبھی
موت کے منھ سے چھڑایا ہے قضا نے ہم کو

مسجدوں میں کبھی بھیجا کبھی بتخانوں میں
ٹھیک ٹھیک اُسنے بتائے نہ ٹھکانے ہمکو

آتے جاتے ہو وہاں غیر کے گھر تم ہر شب
رشک آتا ہے یہاں روز ستانے ہم کو

یاد آئیں تری آنکھیں تو یہ سمجھے دم نزع
حوریں فردوس سے آئی ہیں بلانے ہم کو

اس ستمگر نے جو پہلو سے اٹھایا اپنے
درد دل تو بھی تو اٹھا نہ بٹھانے ہم کو

لیچلے داغ ہزاروں چمن ہستی سے
زندگی لائی تھی کیا سیر دکھانے ہم کو

مدداے مرگ کہ آفت میں پھنسا رکھا ہے
آگ نے خاک نے پانی نے ہوا نے ہمکو

سنکے آواز موذن کی شب وصل کی صبح
صاف سمجھے کہ بلایا ہے خدا نے ہم کو

ہیں وہ میکش جو گرے ہیں کبھی لغزش کھا کر
بدلیاں دوڑ کے آئی ہیں اٹھانے ہم کو

امتحاں تھا جو ہمارا اُسے منظور نظر
ذبح رک رک کے کیا تیغ ادا نے ہم کو

وہ پر کاہ تھے اس گلشن ہستی میں امیر
دوش سے پھینکدیا باد صبا نے ہمکو

پیچ پر پیچ دیئے زلف دوتا نے ہم کو
کن بلاؤں میں پھنسایا ہے خدا نے ہم کو

پر لگائے یہ ترے تیر ادا نے ہم کو
تھک گئی دوڑ کے پایا نہ قضا نے ہم کو

تو وہ تیروں کا کیا تیر ادا نے ہم کو
شکر صد شکر لگایا تو ٹھکانے ہم کو

تیرے بیمار سے یہ بیخبری کہتی ہے
کہ خبر کو ترے بھیجا ہے قضا نے ہم کو

کہتے ہیں حشر وہ رفتار سے برپا کرکے
ایسے کتنے ابھی فتنے ہیں جگانے ہم کو

کی ہے جب شوق سے منعم کی عمارت پہ نظر
عبرت آئی ہے وہیں گور دکھانے ہم کو

سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا
واہ کس پردے میں مارا ہے ادا نے ہم کو

وہ کہیں گے نہ اٹھا صدمہ فرقت دو دن
موت کیوں آئی ہے یہ داغ لگانے ہم کو

دفن بھی اپنی گلی میں نہ کیا وائے نصیب
مر گئے پر بھی لگایا نہ ٹھکانے ہم کو

ڈھیروں انگور پڑے کٹتے ہیں ساقی لیکن
ہاتھ آتے نہیں دو چار بھی دانے ہم کو

عیش کرنیکو تو تم کو کیا ہے پیدا
رنج اٹھانے کو بنایا ہے خدا نے ہم کو

عشق ابرو میں خدا پار لگائے بیڑا
آب شمشیر میں غوطے ہیں لگانے ہم کو

حیرت عارض جلاد سے سکتا جو ہوا
آئی تیغ اجل آئینہ دکھانے ہم کو

نقد ہوش و خرد و صبر نہ چھوڑا کچھ امیر
آج لوٹا غضب اس دزد حنا نے ہم کو

۱

ہوں وہ بلبل گل تلک پہنچوں تو گلشن خشک ہو
مثل خار آشیاں شاخ نشیمن خشک ہو

چاہتا ہے سوز فرقت اس محیط حسن کا
تن میں مثل خار ماہی ہر رگ تن خشک ہو

تازگی ہے روئے جاناں کی زنخداں کے سبب
چاہ جس گلشن میں ہو کیونکر وہ گلشن خشک ہو

تابش خورشید محشر سنکے پڑتی ہے امید
مجھ سے تر دامن کا بھی شاید کہ دامن خشک ہو

ہوں وہ پیاسا ذبح کے دم بھی نہیں سیراب ہوں
حلق میں پانی لبساں آب آہن خشک ہو

زیست پیری میں کہاں رونق جوانی کی گئی
کیا رہے روشن چراغ ایدل جو روغن خشک ہو

تیغ کھینچے میکدے کی سمت اگر آئے وہ ترک
بت کا زہرہ آب ہو خون برہمن خشک ہو

آبیاری ہو اگر بلبل کی اشکوں کی یہی
ہے یقیں فصل خزاں میں بھی نہ گلشن خشک ہو

داغ دل سے گرم اپنی خاک ہے کیا ہے عجب
چادر گل پڑتے ہی بالائے مدفن خشک ہو

اور بھی گردوں ستاتا ہے جو پاتا ہے ضعیف
پائمال گاؤ دہقاں ہو جو خرمن خشک ہو

حسرت دیدار میں کھینچوں اگر میں آہ سرد
ایک جھوکے میں یقیں ہے نخل ایمن خشک ہو

چھین کر رخت سفر پامال ظالم نے کیا
پانوں شل ہو جائیں یارب سمت مسکن خشک ہو

اس مسی آلود لب کا وصف کیا کوئی کرے
سامنے اسکے زبان برگ سوسن خشک ہو

چھیڑتی ہو ورنہ اسے قاتل کی تیغ آب دار
غیر ممکن ہے کہ اپنا زخم گردن خشک ہو

حسرت دیدار ہے ہم کو مکان یار کی
دیدۂ تر کیا برنگ چشم روزن خشک ہو

میں اگر رونے پر آؤں صورت ابر بہار
سبز ہو دم بھر میں یہ ہونگا جو گلشن خشک ہو

اسقدر ہو بخیہ گر کو غم جو دیکھے میرے زخم
جان مثل رشتہ تن مانند سوزن خشک ہو

اس گلستاں میں ہے مجھ سا کون طائر بد نصیب
پانوں رکھوں میں جہاں شاخ نشیمن خشک ہو

کیا حرارت ہے لگاؤں میں اگر منھ سے امیر
جام مثل چشمۂ خورشید روشن خشک ہو

چھوڑو نہیں اے بتو حیا کو
کیا منھ نہ دکھاؤ گے خدا کو

لٹکاؤ نہ گیسوئے رسا کو　　پیچھے نہ لگاؤ اس بلا کو
ظالم تجھے دل دیا خطا کی　　بس بس میں پہنچ گیا سزا کو
کانٹوں سے کہو سنبھال لینا　　آتا ہے غش اک برہنہ پا کو
بلبل کو ملی جو باغبانی　　روکے در باغ پر صبا کو
اے حضرت دل بتوں کو سجدہ　　اتنا تو نہ بھولیئے خدا کو
گل کر گئی میری شمع تربت　　کیا موج یہ آ گئی صبا کو
کوچے میں ترے ملا یہ آرام　　نیند آ گئی چشم نقش پا کو
اتنا چھیڑیئے کہ کچھ کہے وہ　　یوں کھولیئے قفل مدعا کو
کہتا ہے یہ شوق قتل سر دم　　دم لینے نہ دیجئے قضا کو
کیا کیا تری چشمگیں بچائیں　　دھوکے دیئے تیر بے خطا کو
دکھلا کے ہم اپنی سخت جانی　　غصہ دلواتے ہیں قضا کو
ہاتھ آئے اگر نگیں حسرت　　کھدوایئے نقش مدعا کو
راضی برضا ہوں اے صنم میں　　جو کچھ منظور ہو خدا کو

کہتی ہے امیر اُس سے شوخی
اب منھ نہ دکھایئے حیا کو

وصال پر ہو جو وصل امتحان کر دیکھو　　امیر یوں ہی سہی چند روز مر دیکھو
خدا کی شان کہ دیکھیں ہم آپکی آنکھیں　　نگاہ تاک نہ کرو تم ادھر اُدھر دیکھو
پڑا ہوں ہجر میں مردہ کیطرح بستر پر　　ابھی تو جان سہی آئے جو اک نظر دیکھو
جنازہ غیر کا نکلا ہے تو نکلے دو　　ہمیں کو بیٹھو جو چلمن سے جھانک کر دیکھو
مری طرف سے کہے کوئی حضرت غم کو　　بہت رہے مرے دلمیں اب اور گھر دیکھو
کسیکا دل نہ دکھاؤ خدا کا خوف کرو　　ذرا کلیجے پہ اپنے تو ہاتھ دھر دیکھو

چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہو غیروں سے
ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو

دکھا کے تیغ کو تڑپا رہے ہو دیر ہے کیا
جو دیکھنا ہو تماشا تو ذبح کر دیکھو

ہو سحرِ عشق کہ جلتے نہیں پرِ بلبل
لگی ہے آتش گل باغ میں جدھر دیکھو

گیا تھا لیکے خط آیا ہے ہاتھ کٹوا کر
ذرا خدا کے لیئے شان نامہ بر دیکھو

اٹھاؤ آنکھ یہ کیا شرم ہے خدا سے ڈرو
کسی کی جان کا ہو جائیگا ضرر دیکھو

بغیر غم نہیں ممکن حصول دولت دہر
نظر جو آئے محرم کا چاند زر دیکھو

امیر جلوۂ وحدت سے آشنا ہے جو دل
وہی ظہور وہی شان ہے جدھر دیکھو

دل ہے وابستہ کسی زلف رسا سے کچھ ہو
اب تو سر میں بھی سودا ہے بلا سے کچھ ہو

فکر بیجا ہے طبیبو مرض عشق ہے یہ
غیر ممکن ہے کہ تخفیف دوا سے کچھ ہو

دیکھئے خط اب کسے بھیجوں کہ برائے مطلب
جب نہ قاصد نہ کبوتر نہ صبا سے کچھ ہو

مل گئے وہ کسی رستے میں تو مانند غبار
ہم لپٹ جائینگے دامان قبا سے کچھ ہو

جان پر کھیل گیا میں تو کہا اُس بت نے
میں نہ سمجھا تھا کہ تم فضل خدا سے کچھ ہو

نظر آجائے جو اُس زلف سیہ کی ناگن
ڈال دوں ہاتھ مقرر میں بلا سے کچھ ہو

تیرے بیمار محبت کی ہے صحت مشکل
فکر بیکار کہ دوا سے نہ دعا سے کچھ ہو

سخت جاں وہ ہوں نہ کٹ جاؤں اگر شرم سے میں
شرط بدتا ہوں جو پھر تیغ قضا سے کچھ ہو

ہے معما دہن تنگ کا دشوار بہت
حل مطلب ہو تو شاید شعرا سے کچھ ہو

تو بھی آخر کسی در کا ہے گدا اے سلطاں
عفو لازم ہے جو تقصیر گدا سے کچھ ہو

نہ محبت کی وہ آنکھیں نہ وہ الفت کی نگاہ
حال دل کس سے کہوں تم تو خفا سے کچھ ہو

بادۂ سرخ ملے تم سے یہ امید کہاں
منبچو تم تو مرے خون کے پیاسے کچھ ہو

متوقع در دولت پہ کھڑے ہیں کب سے
اب تو ہم کو بھی عطا خوان عطا سے کچھ ہو

کوئے جاناں میں کوئی دم تو ٹھہر جائے پانو — ایسی افتاد مری لغزشِ پا سے کچھ ہو

عالمِ فقر میں تکلیف گوارا ہے امیر
نہ ملیں گے نہ ملیں گے امرا سے کچھ ہو

دیر سے قتل کے مشتاق ہیں باہر آؤ — دیکھو اتنا نہ کھنچو کھینچ کے خنجر آؤ
آمد و شد نفسِ چند کی باقی ہے فقط — اپنے گھر مجھ کو بلاؤ کہ مرے گھر آؤ
نہ سہی زیست میں مرنے پہ تو لو میری خبر — اب نہ آؤ تو جنازے پہ مقرر آؤ
دیکھ لے کوئی نہ آتے مری تربت پہ تمہیں — چاندنی شب ہے ذرا اوڑھ کے چادر آؤ
دیکھ کر آئینے کو عکس سے کہتا ہے وہ شوخ — کچھ اگر حسن کا دعویٰ ہے تو باہر آؤ
نذرِ عاشق کی ہے کچھ لوٹ نہیں ہے صاحب — دل و جاں دونوں جو لینے ہیں بکر آؤ
ساتھ اگر راہ میں ہو باتیں بھی ہوتی جائیں — آگے پیچھے نہ چلو میرے برابر آؤ
ناف کی طرح نہ پڑ جائے شکم پر کوئی آنکھ — کھول کر بند نہ دروازے کے باہر آؤ
جہاں زیب ہوں میں سیادت ہے مرتضوی تو آپ — مانو اللہ کو تم بہرِ پیمبر آؤ

تب مزہ جانے کا ان ہو کہ کہے یار امیر
میری آنکھوں پہ تم آؤ مرے سر پر آؤ

حشر کے روز نہ ہو تشنہ دہانی مجھ کو — دے تری تیغ جو اک قطرہ بھی پانی مجھ کو
تیزیِ موج اگر بحرِ رواں میں دیکھی — یاد آئی تری خنجر کی روانی مجھ کو
آبِ خنجر سے تری پیاس کوئی بجھتی ہے — اور بھی آگ لگاتا ہے یہ پانی مجھ کو
خوبرویوں میں صنم ایک ہی تو ایک ہے تو — نظر آتا نہیں تیرا کوئی ثانی مجھ کو
اور کس سے ہوں دہان و کمرِ یار کے وصف — خوب معلوم ہیں یہ رازِ نہانی مجھ کو
اس سے انکا ہے یہ مطلب کہ کرو تم بھی فغاں — ہدیہ بھیجا ہے تو دیوانِ فغانی مجھ کو
نوجواں کوئی جو پیری میں نظر آتا ہے — یاد آتی ہے بہت اپنی جوانی مجھ کو

داغ کھا کھا کے کروں اپنی میں اوقات بسر / اس لیے دیتے ہیں چھلّا وہ نشانی مجھ کو
بات وہ کر کہ مرے خواہ ترے کام کی ہو / ایسی اے بت نہ سنا رام کہانی مجھ کو
جس طرح صبح کو خورشید عیاں ہوتا ہے / آ کے پیری نے دیا داغ جوانی مجھ کو
بے خطر خاک تہ سقف فلک بیٹھوں میں / نظر آتی ہے نہایت یہ پرانی مجھ کو
سینہ جلتا ہے پلا جلد شراب اے ساقی / آگ بھڑکی ہوئی ہے چاہیئے پانی مجھ کو
یہ موحد تو سمجھتے نہیں اطلاق صحیح / کہیں اول تو بتا دیں کوئی ثانی مجھ کو
آرزو اس لیے فردوس کی مجھ پیر کو ہے / ہاتھ آئے گی وہاں میری جوانی مجھ کو
خوف ہے وصف میں اُس چاہ ذقن کے تنہا / کہ ڈبو دے نہ طبیعت کی روانی مجھ کو

نغمہ سنجاں گلستان سخن ہیں جو امیرؔ
کہتے ہیں بلبل گلزار معانی مجھ کو

چل دلا دیر سے کرتا ہے اشارے گیسو / نہ زباں ہے نہ دہن ہو کہ پکارے گیسو
خط شبگوں پہ یہ آتے نہیں پیارے گیسو / جال پر جال بچھاتے ہیں تمہارے گیسو
یہ نیا تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض / یہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو
مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں / کھل گئے کیسے یہ دریا کے کنارے گیسو
دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغ خورشید / شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو
بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا / تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو
دل صد چاک نے شانے سے کہا چلکے یہ رات / او سیہ کار تجھے باندھ کے مارے گیسو
شہر سے بڑھ کے اگر جانب صحرا جائیں / شانۂ شاخ سے سلجھائیں چنارے گیسو
ہو چکے جن و بشر قید ملک باقی ہیں / اب سر عرش سے زنجیر اتارے گیسو
عاشقوں کے دل پر داغ سے ایسے چمکے / ہو گئے شہپر طاؤس تمہارے گیسو
سانپ نے گھیر لیا گلشن جنت کو امیرؔ / حلقہ حلقہ نہیں عارض کے کنارے گیسو

ہوں میں وہ میکش اٹھا ساقی مری تعظیم کو
گردن مینائے مے خم ہو گئی تسلیم کو

آتے ہی اس مست کے گلزار میں آئی بہار
ابر اٹھا تعظیم کو شاخیں جھکیں تسلیم کو

ساغر جمشید سے کچھ ساغر مے کم نہیں
دیکھتے ہیں بادہ کش گھر بیٹھے ہفت اقلیم کو

غیر کو دشنام دو بوسہ عنایت ہو مجھے
چاہیے مردم شناسی صاحب تقسیم کو

بیٹھے بیٹھے میرے پہلو سے جو وہ عیسی اٹھا
درد دل بھی ساتھ ہی اسکے اٹھا تعظیم کو

لب پر اے غنچہ دہن تحریر مسی کی نہیں
کاتب تقدیر نے خلعت دیا ہے میم کو

نقد آمرزش کا طالب ہے اگر اے خود فروش
تول میزان عدالت میں امید و بیم کو

ہیں جو مردان خدا آفت میں راحت ہے انھیں
عید تھی قربانی فرزند ابراہیم کو

حید خالی خال ہے کنج دہن میں یار کے
ہے تعجب جیم کا نقطہ دیا ہے میم کو

خاک اڑاتے تشنگان عشق کے آتے ہیں غول
کہہ دو رضواں سے بچائے کوثر و تسنیم کو

مٹ کے منزل کا نشاں ملتا ہے اے اہل فنا
ہر قدم پر خضر ہے نقش قدم تعلیم کو

مال رکھنے کو نہیں کہہ دو غنی سے بانٹ دے
لفظ میں تقسیم کے داخل کیا ہے میم کو

اپنے وقت مرگ سے غافل رہے اختر شناس
گو برابر جان کے رکھا کیے تقویم کو

چشمۂ دیدار جاناں کی ہیں دو نہریں امیر
جانتا ہوں خوب اصل کوثر و تسنیم کو

بن کے خضر آیا ہے واعظ کیا مری تعلیم کو
اک دوراہہ جانتا ہوں میں امید و بیم کو

تیغ قاتل سے صفائی میں برابر ہی سہی
یہ روانی کب ملی ہے کوثر و تسنیم کو

دو قدم اس ناز سے جب سر زمیں پر تم چلو
اٹھ کھڑے ہوں سیکڑوں فتنے وہاں تعظیم کو

دشت ہستی میں قدم بڑھ کر ہٹے پیچھے نہ پھر
ساتھ ہے عمر رواں غافل اسی تعلیم کو

جادۂ تیغ قضا پر سر کے بل عاشق چلے
طے کیا کس حوصلے سے منزل تسلیم کو

نام کو ہے اک نشاں باقی دہن اسکا کہاں
کاتب قدرت نے لکھ کر چھیل ڈالا میم کو

فتنہ برپا ذات سے مفسد کے ہوتا ہے ضرور
کیا ہوا اُٹھے اگر وہ غیر کی تعظیم کو

حشر کے دن نامۂ اعمال کا کیا اعتبار
سال بھر کے بعد باطل کہتے ہیں تقویم کو

یہ غزل رنگیں سناؤں میں ظہوری کو اگر
دھوئے آب شرم سے گلزار ابراہیم کو

کبر و دولت کیا ہے کرتا ہے زمانہ انقلاب
دم میں کر دیتا ہے کشکول گدا دیہیم کو

بھیجتا ہوں پہلے ہی گور غریباں کی طرف
گھر میں آتے ہیں کبھی مردہ اگر ترمیم کو

آہ کی شمشیر پر تکیہ ہے نامردوں کا کام
مرد رکھتے ہیں کمر میں خنجر تسلیم کو

یہ وظیفہ سب وظیفوں سے ہے بہتر اے امیر
یاد احمدؐ کو کروں یا احمد بے میم کو

انساں عزیز خاطر اہل جہاں نہ ہو
وہ مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو

کلفت کا اپنے نالہ کشی میں نشاں نہ ہو
ہم سو برس جو آگ جلائیں دھواں نہ ہو

مشاطہ چاہئے رخ زیبا کے واسطے
کس کام کا وہ باغ جہاں باغباں نہ ہو

ممکن نہیں کہ زلف سے اُلجھے نہ اسکی زلف
قرآں کی طرح سے جو وہ رخ درمیاں نہ ہو

کیا داغ سینہ زیر گریباں چھپائیے
خورشید زیر دامن گردوں نہاں نہ ہو

تار نظر سے بڑھ کے ہے لاغر مرا بدن
عشق کمر میں یوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو

کیونکر ہمارے یوسف دل کا پتہ ملے
چاہ ذقن پہ جب گذر کارواں نہ ہو

لکھتا ہوں وصف عارض و ابروئے یار کے
کیوں صفحۂ آفتاب قلم کہکشاں نہ ہو

پیری میں بھی گیا نہ تغافل ہزار حیف
اتنا بھی کوئی مائل خواب گراں نہ ہو

ہے حادثوں سے بعد فنا بھی کہاں نجات
ممکن نہیں کہ زیر زمیں آسماں نہ ہو

لازم ہے ضبط نالہ دل بعد مرگ بھی
ہے لطف جام ٹوٹ چکے مے رواں نہ ہو

ٹوٹیں نہ رہرووں کے اگر شیشہ ہائے دل
دشت جنوں میں نالۂ کور ریگ رواں نہ ہو

آنکھوں سے فایدہ جو نہ دیدار ہو نصیب
حاصل جبیں سے کیا جو ترا آستاں نہ ہو

جانے اگر کہ چاہ عدم میں گرائے گا — کوئی سوار توسن عمر رواں نہ ہو

وہ گل جو آئے تو یہ چمن کا ہو رنگ زرد
کچھ بھی امیرؔ غیر گل زعفراں نہ ہو

عکس سے بچتو نہ آئینے میں اتنا دیکھو — جانے دو اپنی طرف اے گل رعنا دیکھو
چشم پوشی کا میں کرتا ہوں جو اُنسے شکوہ — آنکھیں دکھلاتے ہیں وہ اور تماشا دیکھو
نہوا زندہ میں عیسیٰ نے بہت سر مارا — تم بھی اس قالب بے روح کو ٹھکرا دیکھو
پھیرنے کے لیے دل آئے ہیں ہم یاں اے جاں — کر چلے جان بھی نذر اور تماشا دیکھو

شوق اس کوچے کا کہتا ہے یہی ہے امیرؔ
خود چلو دوڑ کے قاصد کا نہ رستا دیکھو

میرے پہلو میں جو دیکھا خنجر جلاّد کو — دل سے لاکھوں حسرتیں نکلیں مبارکباد کو
ہوں وہ دیوانہ بلاتا ہوں جو میں فصاد کو — ساتھ لاتا ہے حمایت کے لیے جلاّد کو
پر جو کھولے بھی تو کب کھولے خزاں جب آگئی — رحم آیا بھی تو کب آیا مرے صیاد کو
قتل کریگا مرے اللہ اس ظالم کو شوق — حکم مینوں دیدیئے یکبارگی جلاد کو
یاد میں اک رشک عیسیٰ کے جو میں مرنے لگا — ہچکیاں آئیں دم آخر مبارکباد کو
خاک ہو جانے پہ بھی ظالم نہیں ہوتا عزیز — کب کوئی دیتا ہے مٹی کشتۂ فولاد کو
زیر خنجر او دل بسمل تڑپ اچھی نہیں — قہر ہو جائیگا گر رحم آگیا جلاّد کو
سایۂ رحمت میں تیرے جا کے بیٹھے اے کریم — کیا ٹھکانا ہاتھ آیا ہے مری فریاد کو
مجھ سا صید خفتہ طالع کون ہوگا عندلیب — نغمہ سنجی سے مری نیند آگئی صیاد کو
دو قدم اُس فتنۂ عالم نے چل کر وقت سیر — خوب لٹوایا چمن میں قمری و شمشاد کو
جرم میرا کیا اگر قدموں پہ سر کٹ کر گرا — خیر جانے دیجیے کیا کیجیے افتاد کو
کیوں نہیں بھاتی عدو کو میری نظم طبع زاد — دوست رکھتی ہے عقیمہ غیر کی اولاد کو

ہمسری اُسکے قد موزوں سے ہے جرم عظیم — کندۂ دوزخ کا بنائیگا خدا شمشاد کو
شوق پڑھنے کا ہے اُس طفل کو سنتے ہیں ہم — مژدہ مکتب کو مبارک مرگ نو اُستاد کو
عید موسیٰ کو ہوئی برق تجلی کی مگر — پہلے نظارے میں غش آیا مبارکباد کو
شکر کرتا ہوں کہ پایا قدرداں مدت کے بعد — داستاں میری پسند آئی مرے صیاد کو
کیا کھلیگی فصد کیا سودا ہمارا ہوگا کم — ضعف ایسا ہے کہ رگ ملتی نہیں فصاد کو
خوش ہوا ایسا وہ میرے قتل کی سنکر خبر — جشن شادی کا کیا خلعت دیا جلاد کو
کس طرف سے آگیا جھونکا ہوائے مرگ کا — کیا پریشاں کر دیا مجموعۂ اضداد کو

قید تھی مدت سے اب آزاد ہوتی ہے امیر
روح نکلے گی دعا دیتی ہوئی جلاد کو

پہلے تو مجھے کہا نکالو — پھر بولے غریب ہے بلا لو
بیدل رکھنے سے فائدہ کیا — تم جان سے مجھ کو مار ڈالو
اُسنے بھی تو دیکھیں ہیں یہ آنکھیں — آنکھ آرسی پہ سمجھ کے ڈالو
آیا ہے وہ مہ بجھا بھی دو شمع — پروانوں کو بزم سے نکالو
گھبرا کے ہم آئے تھے سوئے حشر — یاں مٹیں ہے اور ماجرا لو
تکیے میں گیا تو میں پکارا — شب تیرہ ہے جاگو سونیوالو

اوروں پہ امیر تکیہ کب تک
تم بھی تو کچھ آپ کو سنبھالو

غربت میں وطن یاد دلاتی نہیں مجھ کو — بھولے سے بھی ہچکی کوئی آتی نہیں مجھ کو
کس منھ سے کروں قافلہ والوں کی شکایت — آواز جرس بھی تو جگاتی نہیں مجھ کو
ساقی کا گلہ کیا ہے جو دیتا نہیں تو — منھ دختر رز بھی تو لگاتی نہیں مجھ کو
میں غنچۂ پژمردہ ہوں گلزار جہاں میں — کیسی ہی بہار آئے کھلاتی نہیں مجھ کو

مشتاق شہادت کو وہ دو ہاتھ لگا کر
کہتے ہیں لگاوٹ بہت آتی نہیں مجھ کو

کیا بے خبری ہے کہ خبر یار کی مجھ تک
آتی بھی ہے تو آپ میں پاتی نہیں مجھ کو

کہتا ہے قیامت سے مرا طالع خفتہ
مردوں کو جلاتی ہے جگاتی نہیں مجھ کو

وہ جنس ہوں بازار جہاں میں کہ قضا بھی
لینے کا تو کیا ذکر چکاتی نہیں مجھ کو

چھاتی سے لگاتا نہیں تو قتل ہی کر یار
یہ روز کی تکرار تو بھاتی نہیں مجھ کو

سکتا ہے تجھے دیکھ کے رخسارۂ قاتل
کیوں آئینہ شمشیر دکھاتی نہیں مجھ کو

کچھ عار نہیں تیری خوشامد سے پرے یار
مجبور ہوں میں اس سے کہ آتی نہیں مجھ کو

وہ مجرم بے قدر ہوں مقتل میں بھی تیرے
تلوار تری ہاتھ لگاتی نہیں مجھ کو

جھوٹوں بھی مجھے خوش نہیں کرتی مری تقدیر
تصویر کی صورت بھی ہنساتی نہیں مجھ کو

آئینے کی صورت ہمہ تن چشم ہوں لیکن
اس پر بھی وہ صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

ہے خواب میں آنے کا امیر اس سے جو وعدہ
موت ایک طرف نیند بھی آتی نہیں مجھ کو

پردے میں بھی منہ موت دکھاتی نہیں مجھ کو
کافور سے بوئے کفن آتی نہیں مجھ کو

افتاد ہے کیا موت جو آتی نہیں مجھ کو
ہوں ناز کسی کا کہ اٹھاتی نہیں مجھ کو

اس تنگ فضا سے میں نکل جاؤں کہیں دوڑ
وحشت مری وہ راہ بتاتی نہیں مجھ کو

سر پر سے مرے ہو کے چلی جاتی ہے خلقت
کیا نقش قدم ہوں کہ جھکاتی نہیں مجھ کو

اس ڈر سے کہ برہم نہ ہو ہنگامۂ محشر
آتی ہے قیامت تو اٹھاتی نہیں مجھ کو

تھے گور ہی تک سب مرے ہمدم دیکھنے والے
اب ایک کی صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

لاغر ہی میں ایسا ہوں تمہاری نہیں تقصیر
بستر پہ مری موت بھی پاتی نہیں مجھ کو

کرتی نہیں کب دختر رز مجھ سے شرارت
کس دن یہ پری آگ لگاتی نہیں مجھ کو

کوچے سے ترے میں جو نکلتا ہوں تو وحشت
ہے کون سا کوچہ کہ جھکاتی نہیں مجھ کو

اے ہمت دل ہاتھ میں قاتل کے ہے تلوار — اک دو قدم اور آگے بڑھاتی نہیں مجھکو
ہو جاؤں میں دو ہاتھ میں اس پار سے اس پار — تلوار تری گھات دکھاتی نہیں مجھ کو
میں مست بھی اے دختر رز نشہ میں ہو جاؤں — کیوں درد کے مانند بٹھاتی نہیں مجھ کو
میکش میں بلا نوش ہوں خم منھ سے لگا دے — ساقی یہ صراحی تو چھکاتی نہیں مجھ کو
گردش مری قسمت کی چھڑاتی ہے وہ کوچہ — اے لغزش پا تو بھی گراتی نہیں مجھ کو

میں گل ہی امیر آپ کو اس باغ کا سمجھوں
قسمت مری اتنا بھی ہنساتی نہیں مجھکو

اے ضبط دیکھ عشق کی انکو خبر نہ ہو — دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو
مدت میں شام وصل ہوئی ہے مجھے نصیب — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو
اک پھول ہے گلاب کا آج انکے ہاتھ میں — دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسی کا جگر نہ ہو
ڈھونڈھے سے بھی نہ معنی باریک جب ملا — دھوکا ہوا یہ مجھ کو کہ اس کی کمر نہ ہو
فرقت میں یاں سیاہ زمانہ ہے مجھکو کیا — گردوں پہ آفتاب نہ ہو یا قمر نہ ہو
دیکھی جو صورت ملک الموت نزع میں — میں خوش ہوا کہ یار کا یہ نامہ بر نہ ہو
آنکھیں ہمیں ہیں اشک بہانیکے واسطے — بیکار ہے صدف جو صدف میں گہر نہ ہو
الفت کی کیا امید وہ ایسا ہے بے وفا — صحبت ہزار سال رہے کچھ اثر نہ ہو
طول شب وصال ہو مثل شب فراق — نکلے نہ آفتاب الٰہی سحر نہ ہو

منھ پھیر کر کہا جو کہا میں نے حال دل
چپ بھی رہو امیر مجھے درد سر نہ ہو

## ردیف ہاے ہوز

آیا نہ مر کے بھی شجر قد یار ہاتھ — طوبیٰ سے بھی بلند کہوں اسکو چار ہاتھ

پیری میں ضعف سے یہ نہیں رعشہ دار ہاتھ
ہیں دامنِ تمنا کے لیے بے قرار ہاتھ

پہنچے کبھی نہ خواب میں بھی اُسکے پانوں تک
پیدا کیے تھے کیوں مرے پروردگار ہاتھ

دل کو مرے پھنسا کے یہ بیڑی یہ ہتھکڑی
ہے پانوں کا قصور نہ تقصیر وار ہاتھ

تکلیف سائلوں کی جنوں میں نہیں پسند
دامن کو پھاڑ دوں میں بڑھائیں جو خار ہاتھ

اے گل یہ رنگ پنجۂ مرجاں میں بھی نہیں
دکھلا رہی ہے طرفہ حنا سے بہار ہاتھ

ہو مرگ مجھ کو زیست کے کوچے میں یار کے
دو گز زمین آگئی بہر مزار ہاتھ

دینے کی وجہ جنگ میں کیا ہے تمھیں کہو
کیا میرے دو ہیں اور رقیبوں کے چار ہاتھ

برہم نہ ہو پھنسا کے مرے دل کو زلفِ یار
خوش قسمتوں کو آتے ہیں ایسے شکار ہاتھ

باغِ جہاں میں راحتِ بے غم کہاں نصیب
پتوں سے ملتے ہیں شجر سایہ دار ہاتھ

جب جا ہے دوڑ سے ساتھ مرے قیس نجد میں
میدان جیت لونگا میں بڑھ کر ہزار ہاتھ

تڑپا میں بحرِ خون میں تو قاتل نے یہ کہا
بیڑا ہے پار اور لگا تین چار ہاتھ

وہ سخت جان تھا غیر کا تب سر جدا ہوا
سفاک نے جو گن کے لگائے ہزار ہاتھ

ایک اُسکی چوٹ میں رہے سو سو [illegible]
کتنا منجھا ہوا ہے دمِ کارزار ہاتھ

سمجھے یہ سب کہ سیکڑوں منزل گیا امیر
پہونچا جہاں زمیں کے تلے کوئی چار ہاتھ

دل جو سینے میں زار سا ہے کچھ
غم سے بے اختیار سا ہے کچھ

رخت ہستی بدن پہ ٹھیک نہیں
جامۂ مستعار سا ہے کچھ

چشم نرگس کہاں وہ چشم کہاں
نشہ کیسا خمار سا ہے کچھ

نخل امید میں نہ پھول نہ پھل
شجر بے بہار سا ہے کچھ

ساقیا ہجر میں یہ ابر نہیں
آسماں پر غبار سا ہے کچھ

کل تو آفت تھی دل کی بیتابی
آج بھی بے قرار سا ہے کچھ

مردہ ہے دل تو گور ہے سینہ
داغ شمع مزار سا ہے کچھ

اس کو دنیا کی اُس کو خلد کی حرص
رند ہے کچھ نہ پارسا ہے کچھ

پہلے اس سے تھا ہوشیار امیرؔ
اب تو بے اختیار سا ہے کچھ

داغ غم بھی ہو دلا نالۂ شبگیر کیساتھ
کہ سپاہی کو سپر چاہیئے شمشیر کے ساتھ

تیر پر تیر لگا دیکھ کے او صید افگن
لوٹ جائے نہ تڑپنا بھی کہیں نخچیر کے ساتھ

کیا شبیہ رخ گلگوں نے دکھایا عالم
کھنچ گیا رنگ ہیں نقاش بھی تصویر کیساتھ

مانگ بالوں میں ہے ابرو ہے قریب گال
تیغ عریاں وہ سپر پر یہ کماں تیر کیساتھ

حشر تک کشمکش زندگی و مرگ رہے
تم دم ذبح کہو یار جو تکبیر کے ساتھ

عرصہ جنگ میں بھی پیچھے ہو اے ساقی
کیا مزا ہو جو چلے جام بھی شمشیر کے ساتھ

کیا ہوا تیری نگہ سے کوئی زندہ جو بچا
تھک گئے پائے اجل دوڑ کے اس تیر کیساتھ

تو نے تیوری جو چڑھائی تو ہوئے سب قاتل
کھنچ گئیں سیکڑوں تیغیں تری شمشیر کیساتھ

بحر ہستی میں کہاں چشم بقا شکل حباب
اٹھتی ہے سوچ خرابی مری تعمیر کے ساتھ

میرے ہوتے نہ چھری پھیری ہو پر اے ترک
کاٹ ڈالونگا گلا گردن نخچیر کے ساتھ

ہوں وہ دیوانہ رہا ہوکے بھی زنداں میں رہا
کٹ گئے پانوں بھی شاید مری زنجیر کے ساتھ

دی سزا اپنے گناہوں کی مجھے ہنس ہنس کر
دُرّ نایاب ملے دُرّہ تعزیر کے ساتھ

میرے پھنستے ہی ستمگر سے چھٹا شوق شکار
کٹ گئے تیر کے پر بازوئے نخچیر کے ساتھ

بھر دیا درد یہ رگ رگ میں غم گیسو نے
ہڈی ہڈی مری غل کرتی ہے زنجیر کیساتھ

خط رخسار کو اس مہر کے کیا یاد کیا
شرح شمسیہ پڑھی حاشیۂ میر کیساتھ

ناتوانی سے یہانتک ہیں اسیری میں سبک
پانوں اٹھجاتے ہیں اب نالۂ زنجیر کیساتھ

اسطرح ساتھ ہے گردوں کے مرا نالۂ دل
جسطرح راہ میں رہتا ہے عصا پیر کیساتھ

بات سیدھی مری ہو جاتی ہے اُلٹی جو امیر
ضد ہے شاید مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ

اُنس رکھتا ہو بہت نالۂ شبگیر کے ساتھ — دل نکلجائے نہ یارب کہیں اس تیر کیساتھ
حوصلہ دار لگانے کا عبث ہو او ترک — کھنچ گئی روح بدن سے تری شمشیر کیساتھ
او کماندار یہ چلّے کی صفائی کا ہو لطف — دل بھی پہلو سے نکلجائے ترے تیر کیساتھ
خوب دیکھا تو نہیں کوئی کسی کا پیش مرگ — طفل ہمراہ جواں ہو نہ جواں پیر کیساتھ
قتل کرتے ہیں وہ میں انکو دعا دیتا ہوں — چلتی ہو میری زباں یار کی شمشیر کیساتھ
چرخ گرداں ہو وہی رستم و سہراب کہاں — تھک گئے کیسے جواں دوڑکے اس پیر کیساتھ
صید اُس ترک کا بچتا نہیں کتنا بھاگے — کوسوں آتی ہو قضا دوڑ کے نخچیر کے ساتھ
یار کے حسن جوانی کو مٹاتا ہے فلک — میں بھی مٹجاؤں الٰہی اسی تصویر کیساتھ
حسن صورت نے مصور کو کیا مستغنی — ہاتھ کھینچا ہو جہاں سے تری تصویر کیساتھ
کب پھریں گوشہ نشیں لاکھ زمانہ پھر جائے — قطب گردش نہیں کرتا فلک پیر کیساتھ
میں صفیحوں کا ہوں بیمار مرے نسخے میں — عرق شیر بھی ہو قرص طبا شیر کے ساتھ
قابل نطق نہیں کلک کے مانند زباں — خامشی خلق ہوئی ہو مری تقریر کیساتھ
ظلم یاد آتے ہیں اُس بت کے جو پڑھتا ہوں نماز — منھ سے فریاد نکلجاتی ہو تکبیر کے ساتھ
پہلوئے مہر میں ذرہ نظر آئے سب کو — حور کا نقشہ جو کھینچیں تری تصویر کیساتھ
ہوں وہ نخچیر تجھے دیکھ کے یہ گھبرایا — دست قاتل سے کماں چھوٹ گئی تیر کیساتھ

کیا عجب میں بھی شہیدوں میں ہوں محسوب امیر
اُنس رکھتا ہوں بہت حضرت شبیرؑ کیساتھ

بڑھ کے تصویر سے لاغر ترا حیراں ہو کچھ — ہڈیاں چار بدن میں ہیں فقط جان ہو کچھ
وصل کی راتیں بڑی ہجر کی چھوٹی ہوں اگر — یہ تو کہہ اے فلک اسمیں ترا نقصان ہو کچھ

میرے مرنے کی خبر کوئی کہے تو اُس سے
کیوں ہوا کیا نہ سمجھ جائیگا نادان ہے کچھ

وصل میں بولے وہ گھبرا کے مری صحبت سے
کیا کرے بات کوئی اس سے یہ انساں ہے کچھ

یاد غیروں کو تو ہر وقت کیا کرتے ہو
یہ تو فرماؤ ہمارا بھی کبھی دھیان ہے کچھ

حال پوچھے جو وہ قاصد فقط اتنا کہنا
آجکل غم ہے بہت سخت پریشان ہے کچھ

دیجے بوسہ مجھے وہ وصل میں کہتے ہیں امیرؔ
سچ بتا دل میں ترے اور بھی ارمان ہے کچھ

رند مشرب ہم ہوئے دست سبو بر سر کے ہاتھ
دستگیری اب ہے ساقی ساقی کوثر کے ہاتھ

عشق بت بتخانے سے جانے نہیں دیتا مجھے
دب گیا ہے کیا کروں زاہد تلے پتھر کے ہاتھ

دخل جو رکھتا ہے فن میں قدرداں ہوتا ہے خوب
بیچئے آئینۂ دل چل کے اسکندر کے ہاتھ

لاش بھی مدفون اُسی کے کوچے میں ہو یا خدا
دامن جلاد آیا ہے مجھے مر مر کے ہاتھ

اس لیئے تا جائے نامہ کوئی دیجائے غریب
خط مجھے بھیجا تو بھیجا اُسنے بازیگر کے ہاتھ

سخت جانی مجھ کو شرمندہ نہ قاتل سے کرے
آبدار اے گلو ہے تیزئی خنجر کے ہاتھ

فصل گل آئی ہوئے سب مست اک سا معاملہ
گردن قاضی میں ہیں مست کے اُچکے ہاتھ

لاکھ ہو سامان دولت ایک بھی رہتا نہیں
دونوں خالی پائے بعد مرگ اسکندر کے ہاتھ

دست نازک سے اُٹھینگے کب کڑے بھاری امیرؔ
گر سُنے میری تو باندھوں سامنے زرگر کے ہاتھ

## ردیف یائے تحتانی

زیور سے بڑھ کے تجھ کو تری چال ہو گئی
موج خرام پانوں میں خلخال ہو گئی

زلف اُسکی مرغ دل کیلئے جال ہو گئی
چوٹی گندھی تو جان کا جنجال ہو گئی

اللہ رے گرمیاں تری وحشی کی اے پری
زنجیر پانوں میں جو پڑی لال ہو گئی

کیسا سلوک مجھ سے کیا اشکِ شرم نے — زائل سیاہیِ خطِ اعمال ہوگئی
خوش خوش سمندِ ناز کو دوڑا رہے ہیں وہ — کیا غم کسی کی لاش جو پامال ہوگئی
چھوٹا وہ ہجر حسن پڑے ہم عذاب میں — فرقت میں جو گھڑی تھی وہ گھڑیال ہوگئی
دیتا ہماری لاش کو غربت میں کون غسل — روئی جو چشمِ تر وہی غسّال ہوگئی
یہ وصف میں کیا شعراء نے مبالغہ — نقطہ دہانِ تنگ سے کمر بال ہوگئی
ملتے نہیں جو سکۂ داغِ جنوں ہمیں — اے عشق بند کیا تری ٹکسال ہوگئی
دل مل گئے وصال کے سودا ٹھہر گیا — الفت کی آنکھ بیچ میں دلال ہوگئی
ادبار تھا فراق تھا جبتک کہ یار سے — دل مل گئے ترقیِ اقبال ہوگئی
راتوں کو چھپ کے آنے لگا ہو وہ مہروش — ہر شام صبحِ غرّۂ شوال ہوگئی
پایا نہ اس سے تو نے کبوتر جوابِ خط — آنکھ اس سے روتے روتے تری لال ہوگئی
آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لیے — یاں تو شروع پرسشِ اعمال ہوگئی
ساقی ہو دخترِ رز سا حسین کون خوش مزاج — کیں اور گرمیاں جو کہن سال ہوگئی
آرائش اسکی زلف نے کس طرح سے کی — ہنسلی گلے میں پانوں میں خلخال ہوگئی
محفل میں کہہ رہی ہو انا الحق پکار کے — منصور کی زباں تری چھال ہوگئی
کرتے ہیں فاتحے فرقتِ زلفِ سیاہ میں — یہ کالکا ہمارے لیے کال ہوگئی

اچھا ہوا کہ مرگ سے ہم پہلے مرگئے
ہونی تھی جو امیر وہ فی الحال ہوگئی

چاہنا ہم کو تو اس کا چاہئے — وہ ہمیں چاہے تو پھر کیا چاہئے
دل نے جب پوچھا مجھے کیا چاہئے — درد بول اٹھا تڑپنا چاہئے
کان جب آواز سنتے ہیں تری — آنکھ کہتی ہے کہ دیکھا چاہئے
بوالہوس اور ادعائے سوزِ عشق — داغ کھانے کو کلیجا چاہئے

دل مرا کہتا ہے سنکر شور حشر
یہ نمک زخموں پہ چھڑکا چاہیے

وعدہ آنے کا ہے اُن سے خواب میں
خواب کب آتا ہے دیکھا چاہیے

حرص دنیا کا بہت قصہ ہے طول
آدمی کو صبر تھوڑا چاہیے

طالب بے پردگی ہے اُن سے حسن
شرم کہتی ہے کہ پردا چاہیے

امتحاں ہے دوست دشمن کا عبث
یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہیے

دوست میرا ہنس رہا ہے غیر سے
جان کو دشمن سے کر دیا چاہیے

تشنگی لب میں صورت دریا تو ہوں
وسعت دل مثل دریا چاہیے

ترک لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیے

یوں وہ بولے میں نے جب اُنسے کہا
چاہنے والوں کو چاہا چاہیے

تم نے چاہا مجھ کو میں نے غیر کو
اپنا اپنا جی ہے کیا کیا چاہیے

ہے مزاج اس کا بہت نازک امیر
ضبط اظہار تمنا چاہیے

مشکل آساں نہ ہوئی تیرے گنہگاروں کی
حیف مخمور کی بارد بھی تلواروں کی

ہچکیوں ملک الموت نے ٹھہرائی ہے ڈاک
موت کے گھر تک ہے دعوت ترے بیماروں کی

کر نہ انکار مرے خون سے اے تیر فگن
دیکھ کچھ کہتی ہے سرخی ترے بیماروں کی

چار سر جوڑتے ہیں چار کھڑے روتے ہیں
مجلس وعظ نہیں بزم ہے میخواروں کی

اک ذرا پانوں اُٹھائے ہوئے اے توسن عمر
مدتوں سے خبر آئی نہیں کچھ یاروں کی

کھول کر بال جو آتے ہیں وہ زنداں کی طرف
کچھ بڑھا جاتے ہیں میعاد گرفتاروں کی

دم نکلنے پہ بھی ان ابرو کا دھیان رہا
قطع کی راہ عدم چھاؤں میں تلواروں کی

دل شکستہ ہے جو توبہ تو عجب کیا زاہد
ہے نکالی ہوئی صحبت سے یہ میخواروں کی

سب کو پاس اپنوں کا ہوتا ہے یہ ہے عفو کا حکم
بیگناہوں سے صف آگے ہو گنہگاروں کی

پیچھے پر طائروں کو دیتا ہو صیاد قضا
قینچیاں پہلے عطا ہوتی ہیں منقاروں کی

خوں گرفتہ ہوں میں ایسا مری شکر آید
ڈاک بٹھلائی ہو قاتل نے خبرداروں کی

آئے کیسی ہی کڑی اُف نہیں کرتے عاشق
قید آواز بھی ہے ان کے گرفتاروں کی

میں وہ وحشی ہوں کہ جب کوچۂ جاناں میں گیا
سایہ پوشیدہ ہوا آڑ میں دیواروں کی

ہو مزہ وصل کا کیا ہوش اُڑا دیتی ہو
بھینی بھینی مہک اے یار ترے ہاروں کی

ہمہ تن فکر ہوں میں فکر غزل کیا ہو امیر
شعر گوئی نہیں خاطر ہے فقط یاروں کی

سیر منظور ہے اُس ماہ کو بازاروں کی
اب چمک جائیگی تقدیر خریداروں کی

حد نہیں کچھ مرے یوسف کے خریداروں کی
پھونک دے شہر نہ گرمی کہیں بازاروں کی

اُنکی پلکوں سے یہ قالب کئے تیروں نے تہی
شکل پیکانوں میں پیدا ہوئی سوفاروں کی

نامہ بر کوچۂ قاتل کا یہ کافی ہے پتا
مینہ وہاں تیروں کا بوچھار ہے تلواروں کی

ہوں وہ دیوانۂ گیسو کہ گریباں کے عوض
چوٹیاں ہاتھ میں رکھتا ہوں میں کہساروں کی

گھر سے تو کھینچ کے شمشیر نکل تو قاتل
بھیڑ چھٹ جائیگی دم بھر میں گنہگاروں کی

کوکناروں کی ہوا سے نہیں ہلتے ہیں درخت
ڈولیاں ہیں یہ ترے نخل کے بیماروں کی

دفعتہ پڑ گئی جب چاہ زنخداں پہ نگاہ
جا رہیں آنکھیں گڑھے میں ترے بیماروں کی

مرگئے ہم تو بنا آئینہ خانے میں مزار
دل سے الفت نہ گئی آئینہ رخساروں کی

اتنی توفیق معلم کو الٰہی ہو کہ دے
ساتھ عیدی کے اُسے فرد گنہگاروں کی

بوسہ لب نہیں دیتے وہ شکر رنجی سے
تلخ ہو زیست نہ کس طرح نمکخواروں کی

داور حشر سے محشر میں کہیں گے میخوار
یہی پگڑی رہی جاتی ہو گنہگاروں کی

ایسے زندان محبت میں ہیں چوکی پہرے
کہ نکل سکتی نہیں جان گرفتاروں کی

چٹکیاں لیں یہ کلیجے میں کہ دل چیخ اُٹھا
دو گھڑی بیٹھے تھے کل بزم میں وہ یاروں کی

گر گئی آپ مری لاش پہ خاک امیر
مر گئے تکلیف گوارا نہ ہوئی یاروں کی

میں رو کے آہ کرونگا جہاں رہے نہ رہے　　زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے
رہے وہ جان جہاں یہ جہاں رہے نہ رہے　　مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے
ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں　　پھر اسقدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے
پس شباب ہے کیا اعتبار جمع حواس　　کہ ایک شب سے سوا کارواں رہے نہ رہے
خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد　　پھر اختیار میں غافل زباں رہے نہ رہے
ہمارے دل سے مٹے گا نہ داغ شوق سجود　　جبیں رہے نہ رہے آستاں رہے نہ رہے
خزاں تو خیر سے گذری چمن میں بلبل کو　　بہار آئی ہے اب آشیاں رہے نہ رہے
چلا تو ہوں پئے اظہار درد دل دیکھوں　　حضور یار مجال بیاں رہے نہ رہے
کرونگا مر کے بھی میدان عشق میں تگ و تاز　　سمند عمر رواں زیر راں رہے نہ رہے
تڑپ رہی جو یہی دل کی بعد نے کے　　زمین گور تہ آسماں رہے نہ رہے
قیام روح پہ قالب میں اعتماد نہ کر　　کچھ اعتبار نہیں میہماں رہے نہ رہے
رواں ہے تیغ لگا دے مرا بھی بیڑا پار　　پھر اسطرح سے یہ کشتی رواں رہے نہ رہے
شب وصال غنیمت ہے پھر خدا جانے　　کہ صبح کو وہ قمر مہرباں رہے نہ رہے
چلا ہوں کوچۂ قاتل کو سر کے بل دیکھوں　　یہ حال دل کا دم امتحاں رہے نہ رہے
دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکر حق کر لے　　بدن میں جان دہن میں زباں رہے نہ رہے

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

زمانہ ہو گیا مدہوش چشم مست دلبر سے　　تماشا ہے چھکی محفل کی محفل ایک ساغر سے
پڑا ہے داغ میرے دل میں عشق قد دلبر سے　　یہ سودا ہاتھ آیا ہے مجھے بازار محشر سے

پریزاں کیوں نہوں اغیار میری آہ کو سنکر
شیاطیں بھاگتے ہیں نعرۂ اللہ اکبر سے

چمن میں جا کے یہ گردنی چالیں دکھاتے ہیں
گلوں سے تن کے چلتے ہیں اکڑتے ہیں صنوبر سے

یہ روز و شب نہیں کٹتے ہیں غافل زندگانی کے
نکلجاتا ہے ہر روز اک ورقہ تیرے دفتر سے

بٹھا کر روبرو مجھ کو جو دیکھا اس نے آئینہ
مقدر لڑ گیا میرا سکندر کے مقدر سے

جواب خط نہ لائے دونوں آخر روز حشر آیا
الہی اب لڑوں قاصد سے یہ جھگڑوں کبوتر سے

حسیں کہتے ہیں اب ہم سے دلکو پا کر اپنے مجمع میں
نکلکر اب کہاں جاتا ہے یہ نخچیر لشکر سے

نہایت الفت چاہ ذقن میں دل پریشاں ہے
کنوئیں میں گر پڑا ہے ہو سکے اب کیا شناور سے

ہوا ایسا طالب دنیا تو دنیا رنگ پر آئی
کئے ہیں اس دلہن نے لال کپڑے خون شوہر سے

نہیں حاجت روا ہمجنس ہمجنسوں کے دنیا میں
یتیموں کی بجھی ہے پیاس کس دن آب گوہر سے

رہا بیتاب حرص زر میں یہ سیماب کی صورت
بنا دو تختۂ قبر ہوس مس کی چادر سے

چمن میں اب تو زیر سایۂ انگور بیٹھا ہوں
شتاب کر گر پڑیگا کوئی تو دانہ مقدر سے

چڑھا جاتے ہیں خم کے خم کبھی حلقے میں مستونکے
وہی ہم ہیں کہ بھر جاتا ہے سر اک دور ساغر سے

غبار جہل اڑا دیتا ہے فیض صحبت کامل
شعاع مہر تاباں کم نہیں سایے کو شہپر سے

جزائے خیر دے اللہ میرا میرے قاتل کو
کہ سارا نامۂ اعمال دھو یا آب خنجر سے

یہ ایجا کسکے شہباز نظر کا تھا کہ رستے میں
لیا تھا ہیں نے نامہ توڑ کر بازو کبوتر سے

امیر اک قطرہ آنسو کا گراں ہے موئے مژگاں پر
گرہ رشتے کی سوزن کے لئے بڑھ کر ہے لنگر سے

ہوئیں پُر نور آنکھیں جلوۂ رخسار دلبر سے
ہمارا طالع خوابیدہ چونکا شور محشر سے

چھکا دے بادہ خواروں کو شراب روح پرور سے
مٹا دے ساقیا دوران سر کو دور ساغر سے

تڑپ کر جیب نکل چلتا ہوں میں کوئے ستمگر سے
اشارہ کرتی ہیں آستینیں تیغوں کی چشم جوہر سے

ندامت سے عبث یہ زاہدان خشک روتے ہیں
چھپیگی رو سیاہی خاک اس پانی کی چادر سے

جواب خط نہیں آیا ہے پیغام اجل آیا — لکھا تعویذ اُس نے قبر کا خونِ کبوتر سے
پلا دے بادہ ہم کو بخل اتنا بھی نہیں اچھا — کہ خم خالی نہ ہو جائیگا ساقی ایک ساغر سے
مآل کار کی صورت نظر آتی تو رو دیتا — برنگ اشک گرتا آئینہ چشم سکندر سے
دُرِ گوش صنم کے وصف میں لازم طہارت ہو — تیمم کیجئے گرد یتیمی سے کہ گوہر سے
پر پرواز کی حاجت ہے کیا رنگ پریدہ کو — شکست خاطر اس طائر کے حق میں کم نہیں پر سے
وہ منصف ہوں جو خال و خط جاناں کا گلا ہو — مگس کا شہد سے منہ بھر دیا مور دل کا شکر سے
کیا قمری کو صیاد ازل نے سرو کا قیدی — شکار اُڑتے ہوئے طائر کا کھیلا تیر سے پر سے
میں وہ دیوانۂ قامت ہوں جاتا ہوں جو گلشن میں — لپٹ جاتا ہے سایہ خوف کے مارے صنوبر سے
تری تیغ نگہ کا جب دم ایجاد دھیان آیا — سکندر نے زرہ پہنائی آئینے کو جوہر سے
مقدر ہی جو وا ژوں ہو تو کام آتی ہے کب دولت — ہمیشہ خاک چھنوائی فلک نے کیمیا گر سے

جواب نامہ لکھ کر طرفہ شوخی کی امیر اس نے
کہ مقراض اُسے کی ظالم نے منقار کبوتر سے

پھولوں میں اگر ہے بو تمہاری — کانٹوں میں بھی ہوگی خو تمہاری
اُس دل پہ ہزار جان صدقے — جس دل میں ہو آرزو تمہاری
دو دن میں گلو بہار کیا کی — رنگت وہ رہی نہ بو تمہاری
چٹکا جو چمن میں غنچۂ گل — بو دے گئی گفتگو تمہاری
مشتاق سے دور بھاگتی ہے — اتنی ہے اجل میں خو تمہاری
گردش سے ہے مہر و مہ کے ثابت — ان کو بھی ہے جستجو تمہاری
آنکھوں سے کبھی کمی نہ کرنا — اشکوں سے ہے آبرو تمہاری
لو سرد ہوا میں نیم بسمل — پوری ہوئی آرزو تمہاری
سب کہتے ہیں جس کو لیلۃ القدر — ہے کاکل مشک بو تمہاری

تنہا نہ پھرو امیر شب کو

ہے گھات میں ہر عدو تمہاری

جو ہو بہار اُس کو خزاں کا خطر بھی ہو — اے باغبان لبنت کی تجھ کو خبر بھی ہو

گاہک ہوں خاک جوہریوں کو نظر بھی ہو — یہ اشکِ خوں تو لعل بھی ہے اور گہر بھی ہو

سینے سے دیکھ بھال کے ناوک کو کھینچنا — ناوک کے ساتھ یار کسی کا جگر بھی ہے

محشر میں ہو گئے تجھے تیرے ستم کے یہ دو گواہ — ہمراہ زخم دل بھی ہے داغ جگر بھی ہے

کونین میں ہے جلوۂ حسن و جمال دوست — ہے ایک روشنی کہ اِدھر بھی اُدھر بھی ہے

کیا یہ بھی تیری الفت عارض میں ہے مریض — تپ بھی ہے آفتاب کو دوران سر بھی ہے

کیا فایدہ کریں جو رفوگر سے التجا — صد چاک مثل جیب ہمارا جگر بھی ہے

فرقت کی شب میں کوئی چمکتا نہیں ہے یہاں — اس مہر کی طرح سے گریزاں سحر بھی ہے

صد چاک ہے جو دل تو جگر داغدار ہے — دیکھو تو ایک جا یہ کتاں بھی قمر بھی ہے

محبوب حق کا خاص یہ رتبہ ہے اے امیر

داخل ہوا لامکاں میں یہ حد بشر بھی ہو

عمر رواں کو جان کوئی موج آب کی — تار نفس نگاہ ہے چشم حباب کی

نوبت نہ آئی اپنے حساب کتاب کی — اللہ شام بھی ہے نئی روز حساب کی

میں وہ سیاہ کار ہوں جب سے ہوا ہوں دفن — جلاتی ہے زمیں مری مٹی خراب کی

امیدوار بارش ابر کرم ہیں ہم — بجلی گرائیے نہ نگاہ عتاب کی

اللہ رے قدر میرے گناہوں کی روز حشر — تعظیم کو کھڑی ہوئی میزان حساب کی

سو جانیں ہوں تو تیغ پہ تیری فدا کروں — کیا جلد کٹ گئی ہے گھڑی اضطراب کی

باندھی ہے سر دھری گردوں نے کیا ہوا — بجلی ہے برق اوڑھ کے کملی سحاب کی

مصروف یاد دوست ہوں اے منکر و نکیر — پوچھا کرو یہاں نہیں فرصت جواب کی

ڈرتے نہیں ہو ساقی کوثر سے واعظو
منبر پہ بیٹھ کر یہ مذمت شراب کی

بلبل کے جذب عشق سے گل اور اُٹھ چلے
کھنچنے سے اور تیز ہوئی بو گلاب کی

چلتی ہے مثل موج جو وہ تیغ آبدار
مٹھی میں جان رہتی ہے ہر دم حباب کی

ایک ایک تل ہے عارض جاناں کا لاجواب
قرآں کو احتیاج نہیں انتخاب کی

یہ دبہ ہے جو عارض جاناں پہ ہے نقاب
کرتی ہے جلد خوب حفاظت کتاب کی

ان غافلوں سے غفلت دل اپنی کیا کہیں
مردے نہ دیکھیں کبھی تعبیر خواب کی

وہ رشک ماہ منہ سے لگاتا نہیں امیر
مٹی خراب ہے قدح آفتاب کی

چمکی یہ روئے یار سے قسمت نقاب کی
جالے سے چھن رہی ہے کرن آفتاب کی

دولت لٹا رہے ہیں وہ حسن شباب کی
کیا جانے کیا سمجھ کے یہ سوجھی ثواب کی

کھوئی کدورتوں نے ہماری صفائے دل
اس آئینے کی زنگ نے مٹی خراب کی

سجدے کئے یہ میں نے کہ خط جبیں اٹھا
ایسی ہوئی خوشی مجھے خط کے جواب کی

کیف ہوائے وادی وحشت سے مست ہوں
آہو کی شاخ مجھ کو قلم ہے شراب کی

سوتے تھے وہ لپٹ کے کبھی ہم سے رات بھر
اب کیا کریں وہ ذکر کہ باتیں ہیں خواب کی

بولے وہ چاندنی میں ہوئے جب عرق عرق
گرمی ہو ماہتاب میں بھی آفتاب کی

ساحل کی سیر کو اگر آئے وہ بحر حسن
دریا اچھالنے لگے ٹوپی حباب کی

نقشہ ہی اپنے روئے کتابی کا کھینچ دو
ہے ہم کو نقل و اصل برابر کتاب کی

دریا پہ یا خدا یہ چڑھی کس کی فوج اشک
چادر ہلا رہی ہے جو ہر موج آب کی

اندازے سے جو پاتی ہے باہر مرے گناہ
زور اپنا تولتی ہے ترازو حساب کی

کیا قہر ہے کہ روز قیامت ہوا تمام
دیکھی گئی نہ فرد ہمارے حساب کی

واعظ تری سمجھ کے بھی قربان جائیے
قرآں میں تو طہور صفت ہے شراب کی

گلشن میں بلبلیں ہیں ہماری طرح سے مست — ساقی گلابیاں ہیں کہ قلمیں گلاب کی

شہرت اگر نہ مے کی ہو اس نام سے امیر
دنیا میں آبرو نہ رہے آفتاب کی

مانگا جو بوسہ آنکھ دکھائی عتاب کی — کھا لے دہن تو بات بھی کیا لاجواب کی
کیا قہر ہے کہ چھوڑ کے بھٹی شراب کی — بھیجا بہشت میں مری مٹی خراب کی
موسیٰ کو یہ چڑھی ہے کہ برق جمال بھی — اک تہ اتر گئی تھی تمہارے نقاب کی
مے پیجیے تو طارم انگور کے تلے — تاروں کی چھاؤں میں ہو بہار آفتاب کی
انساں کا دل تلاطم الفت صد آفریں — دیکھو بساط کیا ہے غریب اک حباب کی
کس شہسوار حسن کا ہے اس کو انتظار — اب تک کھلی ہوئی ہیں جو آنکھیں رکاب کی
آواز صور سنکے میں کیوں اٹھ کھڑا ہوا — کچھ یہ تو ایسی بات نہ تھی اضطراب کی
نقاش کیا تمام مرقع نے رو دیا — تصویر دیکھ کر مری چشم پر آب کی
دنیا ہی میں سزا مجھے غفلت کی ہو گئی — تعبیر خواب ہی میں ملی مجھکو خواب کی
اللہ رے جوش شرم معاصی کا بعد مرگ — چادر مرے مزار کی چادر ہے آب کی
تا سب پہ شان عفو نمایاں ہو روز حشر — چھین لی ہے اس نے فرد ہمارے حساب کی
ساقی کا دل ضرور مکدر ہے کچھ نہ کچھ — تلچھٹ ہی دی ہے ہمکو عنایت شراب کی
غم میں بشر ہو کیوں نہ بشر کا شریک حال — تڑپی جو موج آنکھ بھر آئی حباب کی
احسان سر پہ ناخن شمشیر یار کا — کیا دل سے کھول دی ہے گرہ پیچ و تاب کی
دیکھو تو اتحاد ذرا حسن و عشق کا — بلبل کے آنسوؤں میں ہے خوشبو گلاب کی

ان غافلوں سے غفلت دل کیا کہیں امیر
مردے نہ دے سکیں کبھی تعبیر خواب کی

وہ چاٹ دوں کہ رے نہ مذمت شراب کی — واعظ کے منھ پہ مہر لگا دوں کباب کی

پردہ چمک ہی اُس کے رخِ بےحجاب کی
حاجت ہی کیا نقاب پر اُسکو نقاب کی

ساقی میں رند دیکھ کے دوزخ کو روزِ حشر
سمجھا کہ گرم ہی کوئی بھٹی شراب کی

کیا بے حساب حشر میں چھوٹیں گناہگار
باری جو پہلے آئے ہمارے حساب کی

گریاں وہ ہوں کہ جب مری تربت پہ آگیا
چادر چڑھائی ابر نے رو رو کے آب کی

قالب میں روح بند فرشتوں نے کی عبث
بے فائدہ غریب کی مٹی خراب کی

محرم عرق میں ڈوب کے آبِ رواں بنی
دیوار لہر کی ہے کٹوری حباب کی

خواہش بجائے نشہ سے سوزِ دل کی ہے
ساقی شراب دے مجھے اشکِ کباب کی

حیراں ہیں جا کے اہلِ عدم سے کہینگے کیا
جی بھر کے سیر کی نہ جہانِ خراب کی

مقتل ترا تمام زمانے سے ہی جدا
قاتل ہی ہجر تیغ ہے موجِ اضطراب کی

کتنا دنی ہی چرخ جو مہماں ہوئے مسیح
دی ایک نانِ خشک انھیں آفتاب کی

دکھلا رہی ہی دخترِ رز رنگ برقِ طور
یہ جوتی ہی طور کی مجھے بوتل شراب کی

دی جان کسنے وادیِ غربت میں تشنہ لب
ہی موج موج چاک گریباں سراب کی

فرقت میں ہی یقیں کہ شبِ زندگی ہو صبح
پیدا ہی دردِ دل میں چمک آفتاب کی

اُس بت پہ عاقبت دلِ ناصح بھی آگیا
اللہ نے ہماری دعا مستجاب کی

فرقت میں دل جلاتی ہے بوئے کباب امیر
رو رو کے موجیں آتی ہیں مجھ کو شراب کی

حالت لکھی ہی رو کے اسے اضطراب کی
سطریں کہ پیچ و تاب میں موجیں ہیں آب کی

آئے مزار پہ ہوئی خفت عذاب کی
مدت کے بعد راہ چلے وہ ثواب کی

نیرنگیاں ہیں طرفہ رخِ بے نقاب کی
سرخی شفق کی ہی تو چمک آفتاب کی

تم شہسوارِ حسن ہو لگ جائے گی نظر
گھوڑے سے اترو آنکھ بچا کر رکاب کی

زہاد جانتے ہیں جسے آفتابِ حشر
تصویر ہی وہ دخترِ رز کے شباب کی

وہ بدنصیب ہوں کبھی جاؤں جو میں اُدھر
اُڑ جائے میکدے سے ہر اک بط شراب کی

لخت دل برشتہ نکلتے ہیں چھپ کے ساتھ
ہر مد آہ سیخ ہے گویا کباب کی

ساقی وہ ہم کو موسم گل میں شراب دے
خوشبو ہو جسمیں مشک کی رنگت شہاب کی

دیں جان کتنے وادی غربت میں تشنہ لب
ہر موج موج چاک گریباں سراب کی

وہ پرگناہ ہیں ہم کہ فرشتوں کو روز حشر
ڈھونڈھے ملی نہ فرد ہمارے حساب کی

وقت شنا نزاکت جاناں کو دیکھنا
موج آگئی جو لاگ گئی ٹھوکر حباب کی

عاشق پسند کیوں نہ کریں زہر چشم یار
میکش کو خوشگوار ہے تلخی شراب کی

طفلی سے مجھ کو بادہ کشی کا ہے ذائقہ
ملتی تھی شیر دایہ میں لذت شراب کی

رکھو گر یہ دست حنائی نہ رقص میں
اس مو کو احتیاج نہیں کچھ خضاب کی

اٹھ اٹھ کے بیٹھ بیٹھ گیا راہ شوق میں
نہرے غبار نے مری مٹی خراب کی

وہ مست بے خبر ہے نہ سمجھیگا واعظو
کہئے امیر سے نہ عذاب و ثواب کی

ہم غش میں ہیں اُسکا روزن دیوار بند ہے
کیا آنکھیں کھولے رہ دیدار بند ہے

خلقت کو ہے یہ اُسکے نظارے کا اشتیاق
کھڑکی ابھی کھلی نہیں بازار بند ہے

رستم کا منھ ہے یہ کہ دم جنگ منھ چڑھے
لاکھوں پہ بھی نہیں تری تلوار بند ہے

توبہ کا در تو وا ہے وہیں جا رہیں گے ہم
کچھ غم نہیں اگر در خمار بند ہے

خوش چشم چھپتے ہیں وہ تجھے دیکھ کر ہیں غش
گلشن میں چشم نرگس بیمار بند ہے

یوسف کو پوچھتا نہیں کوئی ترے حضور
مدت ہوئی کہ مصر کا بازار بند ہے

بلبل کو وصل گل ہو مبارک کہ دیر سے
ہوتا ہے باغباں در گلزار بند ہے

چپ لگ گئی ہے تیرے لب لعل کے حضور
مانند غنچہ لال کی منقار بند ہے

یارب جہاں میں عید ہو جائے مہ صیام
مدت سے مے فروش کا دربار بند ہے

سجدے لئے تھا ہاتھ میں اے بت جو کل تلک — وہ آج تیرے عشق میں زنار بند ہے
ارشاد جو ہوا تھا زباں سے دم نخست — بندہ اسی کا آج تلک کاربند ہے
اور ونکا ذکر کیا لب جاں بخش کے حضور — عیسیٰ کا ناطقہ دم گفتار بند ہے

اظہار خط ہے اس رخ گلرنگ پر امیر
یا گل کے گرد باغ میں یہ خار بند ہے

بے وجہ ایک ماہ لقا سے بگڑ گئی — تقدیر کیا فلک کی جفا سے بگڑ گئی
سونگھی جو بوئے زلف بڑھا اپنا درد دل — طبع مریض اور دوا سے بگڑ گئی
پوچھو خرابی تن خاکی کا کچھ نہ حال — تعمیر اس مکان کی بنا سے بگڑ گئی
جا کر مسیح اور مریضوں کو دیں شفا — اپنی تو سانس قم کی صدا سے بگڑ گئی
کیسا فتور چار عناصر میں پڑ گیا — پانی سے آگ خاک ہوا سے بگڑ گئی
اپنی طرف سے فکر ہے لازم بناؤ کی — بگڑی جو خوئے یار بلا سے بگڑ گئی
سامع خدا ہے قصۂ موسیٰ دلیل ہے — اچھوں کی بھی بڑوں کی دعا سے بگڑ گئی
کچھ دل کا حال گرد کدورت میں خوب تھا — اس آئینے کی شکل جلا سے بگڑ گئی
ہمکو چمن سے کیا کہ ہوا خواہ دام ہیں — گلچیں سے باغباں نے صبا سے بگڑ گئی
حاضر ہے دوسرا نہ سہی ایک نامہ بر — ہدہد سے بن گئی جو ہما سے بگڑ گئی

ہم مست بوسۂ لب ساقی ہیں اے امیر
بگڑی جو دخت رز سے بلا سے بگڑ گئی

دم بھر بھی دم اب آنکے گنہگار لے چکے — وہ بہر قتل میان سے تلوار لے چکے
جس طرح ہوگا ناز بتوں کے اٹھائینگے — ذمے میں اپنے ہم تو یہ بیگار لے چکے
دھمکا رہی ہے گرمی بازار حشر کیا — ایسے ہزار سے تو ترے بیمار لے چکے
ہم بڑھ سکے جو وصل میں بولے وہ ناز سے — بس بس کہ بوسے ایک کے تم چار لے چکے

طاؤس کبک خاک اڑائینگے انکی چال ٹھوکر ہزار جادۂ رفتار لے چکے
دیکھیں کہ اب تغافل ساقی دکھائے کیا انگڑائیاں خمار میں مے خوار لے چکے
ٹھہرے جو کوئے یار میں درباں نے یوں کہا آگے بڑھو کہ دم بہت دیوار لے چکے
وہ حسن اب کہاں کہ ہوا آشکار خط رخ کی بلائیں گیسوئے خمدار لے چکے
بس بس زبان روک لو آنا نہ بڑھ چلو ہم چپ ہیں آپ دن کی سو بار لے چکے
ملتی نہیں ہے نقد دو عالم پہ جنس وصل قیمت یہ ہے تو مول خریدار لے چکے
پروائے جسم کیا صدف بے گہر ہو آپ جلاد جان سا در شہوار لے چکے
اہل جہاں کو بستر آرام ہو نصیب کروٹ کہیں زمانہ غدار لے چکے
کیا ہاتھ آئے اہل ہوس کو وہ مشک زلف سودا یہ جان دے کے خریدار لے چکے
آئے کبھی نہ آپ زیارت کے واسطے ہم تعزیہ بھی بن کے عزادار لے چکے

کب تک کٹے امیر پریشانیوں میں عمر
بل کی کہیں وہ طرۂ طرار لے چکے

ایک پوشیدہ کمر یار نے کیا رکھی ہے آنکھ بھی تنگ دہن ہم سے چرا رکھی ہے
کھینچ شمشیر ادا میان میں کیا رکھی ہے یہ بھی کیا گات ہے قاتل جو چھپا رکھی ہے
ہجو سے بیٹھ کے مسجد میں نہ کر اے واعظ ایسی شئے ہے کہ قیامت پہ اٹھا رکھی ہے
اک ذرا وحشت دل بڑھ کے خبر تو لینا خاک کیا نجد میں مجنوں نے اڑا رکھی ہے
بزم مے میں جو گئے ہم تو کہا ساقی نے اک صراحی تری خاطر بھی لگا رکھی ہے
نگہ ناز سے بھی دیکھ جو کرتا ہے ملال یہ ادا کس کے لئے تو نے اٹھا رکھی ہے
سامنے کر کے نگہ مجھ سے یہ قاتل نے کہا کہ ترے دم کو یہ تلوار لگا رکھی ہے
نہ دکھاتے ہیں کمر کو نہ دہن کو یہ بت اچھی جو چیز تھی وہ آپ اڑا رکھی ہے
حشر کے دن نہ شکایت میں کمی کر اے دل اب یہ کس دن کیلئے تو نے اٹھا رکھی ہے

نمک افشاں جو ہوا زخم پہ وہ ہنس ہنس کر
میں یہ سمجھا کوئی قاتل نے دوا رکھی ہے

غیر کے ساتھ وفا کر کے وہ مجھ سے بولے
یہ وہی بات ہے جو تم نے بتا رکھی ہے

جا کے لے آئے اُسے پھر نہ میں جھگڑوں نہ لڑوں
مختصر بات ہے ناصح نے بڑھا رکھی ہے

نزع میں آؤ تو اُس کو بھی تصدق کر دیں
جان اک سد رمق ہم نے بچا رکھی ہے

یار مختار ہے جو چاہے کرے ہم نے امیر
گردن عجز تہ تیغ رضا رکھی ہے

کیا دور ہے یہ اس کے جمال و جلال سے
چھینے ہے جنھیں نے کمر آنکھیں غزال سے

ڈالی سپر نجوم نے اس رخ کے خال سے
ابرو نے بڑھ کے تیغہ چھینا ہلال سے

واقف ہوں اہل زیب جو اپنے مآل سے
سرمہ بھی پھر لگائیں تو گرد ملال سے

بوسہ نہ کس حسین کا ملا باغ حسن میں
ایک ایک پھول توڑ لیا ہر نہال سے

یہ رنگ جلد جلد بدلتا ہے وہ نگار
آئینہ شہر میں ہے ہجوم مثال سے

یہ کیف حسن ہے کہ تصور سے ہوش اڑیں
ہوتا ہے مست کب کوئی مے کے خیال سے

سمجھا میں جبین گوشہ ابرو سے ہو کے صید
مارا فلک نے تیر کمان ہلال سے

بندوں کو چشم شوق بتوں کو دیا جمال
واقف ہے کون مصلحت ذوالجلال سے

کیا کیا چمک چمک کے نکلتے ہیں مہر و ماہ
گل تکیے بنکے چھپ گئے کیا تیرے گال سے

سنبل نظر پڑا نہ کوئی گل نظر پڑا
خوشبو میں بڑھ کے زلف سے رنگت میں گال سے

صیاد میں تو طائر رفعت پسند ہوں
لٹکا مرے قفس کو تو شاخ ہلال سے

انجام کو نہ سوچ جو دنیا کی ہو طمع
ہاتھ آئے مال مد جو گرا دین آل سے

غمگین میں ہوا تو ہوا اُن کا صاف دل
چمکا یہ آئینہ مرے گرد ملال سے

دکھلا کے آنکھ دل نہیں مجھ مست کا لیا
تم نے شکار شیر یہ کھیلا غزال سے

چاہ ذقن میں دل ہے میں غافل ہزار حیف
یعقوب کو خبر نہیں یوسف کے حال سے

دونوں جہان میں ہے قیامت کا سامنا — اللہ کے جلال بتوں کے جمال سے
مرقد سے پہ میرے آکے نکالا غبار دل — مٹی وہ دے گئے مجھے گرد ملال سے
تم چودھویں کا چاند ہو تو اپنے واسطے — کیا فائدہ کسی کو کسی کے کمال سے
میں کیا ہوں کٹ رہی ہے قضا مارے شرم کے — چلتی ہے تیغ یار نئی چال ڈھال سے
عاشق کا جی ڈبوئے چلے آپ ڈوبنے — ایسے عرق عرق وہ ہوئے انفعال سے

جو چاہئے سو مانگئے اللہ سے امیر
اس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

وہ تیغ آب گوں ہے عناں پر لگی ہوئی — دل کی بجھے گی آج مقرر لگی ہوئی
فرصت حساب حشر سے ہو جلد ہے یقیں — فرد حساب ہے سر دفتر لگی ہوئی
افتادہ کوئی مجھسا کہاں راہ عشق میں — قدموں سے میرے رہتی ہے ٹھوکر لگی ہوئی
کمرے ہیں اسکو دیکھ سکیں کیا نظارہ باز — چلمن کے نیچے اور ہے چادر لگی ہوئی
جلتا ہے سینہ بہتے ہیں آنکھوں سے اپنے اشک — باہر ہے آب آگ ہے اندر لگی ہوئی
جاتا نہیں ہے دل سے رخ آتشیں کا دھیان — لو آگ بھی ہے مثل سمندر لگی ہوئی
اللہ رے دید چہرۂ قاتل کا اشتیاق — ہے ہم کو ٹکٹکی تہ خنجر لگی ہوئی
پوچھو ملال سوزش پروانہ شمع سے — آنسو رواں ہیں خاک ہے منہ پر لگی ہوئی
غم سے بقائے دل ہے تو دل سے بقائے غم — دونوں طرف ہے شرط برابر لگی ہوئی
کیونکر ہو حسن چہرۂ صیاد آئینہ — ٹٹی ہے مثل سد سکندر لگی ہوئی
ٹوٹا خم سپہر گرا جام آفتاب — یاں ہے امید شیشہ و ساغر لگی ہوئی
ہے راستی مزاج میں کہتا ہے صاف صاف — رکھتا نہیں وہ رشک صنوبر لگی ہوئی
آئینے میں جو اسکے رخ و چشم کا ہے عکس — نرگس ہے یاسمیں کے برابر لگی ہوئی
احسان تو کیجئے مرے آنسو کو زیب گوش — لو ہے اسے بھی صورت گوہر لگی ہوئی

وہ سیر بام کرتے ہیں ہمراہ غیر کے
یاں آنکھ چھت سے رہتی ہے شب بھر لگی ہوئی

عالم ہے کیا شراب کا مینائے صاف میں
تصویر ہے یہ شیشے کے اندر لگی ہوئی

قاتل اک اور ہاتھ لگائے خدا کرے
ہر دم یہ آس ہے تہ خنجر لگی ہوئی

آب خضر ملا نہ سکندر کو اے اسیر
ہر سعی میں ہے شرط مقدر لگی ہوئی

ہو سرد آگ عشق کی کیونکر لگی ہوئی
دل کی بجھا سکے نہ سمندر لگی ہوئی

دیکھیں کب آوے گھر میں ہمارے وہ ماہرو
آنکھیں ہیں شام سے طرف در لگی ہوئی

تو جس کا نام بھی نہیں لیتا کبھی اسے
رٹ تیرے نام کی ہے برابر لگی ہوئی

خط لیکے میرا کوچۂ قاتل کو جب چلا
پیچھے چلی قضا ہے کبوتر لگی ہوئی

شاید ہے صبح کو اسے منظور قتل عام
اک بھیڑ ہے جو شام سے در پر لگی ہوئی

کس دوست نے کیا ہے خدا جانے ہمکو یاد
ہچکی ہے نزع میں جو برابر لگی ہوئی

کیونکر نہ حال غیب ہو مستوں پر آئینہ
ہے دوربین دیدۂ ساغر لگی ہوئی

ہمخانہ گو کہ یار سے ہیں پر جدا ہیں ہم
ہے بیچ میں قنات سراسر لگی ہوئی

دور فلک سے ان کو نہیں بوریا نصیب
جن کے لیے تھی مسند پُر زر لگی ہوئی

دزد سخن سے معنی رنگیں کو کیا خطر
مہندی لگائیگا کوئی کیونکر لگی ہوئی

کونین میں بچیگا نہ اب کوئی قتل سے
ہے سان پر وہ تیغ دو پیکر لگی ہوئی

مضمون جو قد یار کے لکھتا ہے یہ بلند
کیا ہے قلم میں شاخ صنوبر لگی ہوئی

بارش میں ساتھ غیر کے پیتے ہیں وہ شراب
اشکوں کی یاں جھڑی ہے برابر لگی ہوئی

عاشق کچھ آجکل سے نہیں ہیں تو نئے ہم
اک عمر سے یہ چوٹ ہے دل پر لگی ہوئی

غیروں پر آب خنجر قاتل سبیل ہے
ہے ہم کو پیاس وائے مقدر لگی ہوئی

اے ترک کب کسی سے ہوئی تیری تیغ صاف
دل کی تو بسملوں سے کہیں پر لگی ہوئی

ساقی کمال پیاس سے جلتا ہے یاں جگر — لا جلد برف میں مے احمر رنگی ہوئی

جائیگا سوئے زلف دل اکدن ضرور امیر
ظلمت کی دھن ہے مثل سکندر لگی ہوئی

خوشخرامی پہ جو اُس بت کی طبیعت آئی — چال اُڑانے کو دبے پاؤں قیامت آئی
اک بلا سر سے ٹلی دوسری آفت آئی — شب فرقت جو گئی صبح قیامت آئی
اے اجل باندھ کمر وقت ترا آ پہونچا — دن ڈھلا دیکھ وہ شام شب فرقت آئی
ہم ترے کشتۂ رفتار ہیں کیا ہم کو خبر — کب پھونکا صور کب اے یار قیامت آئی
دل پُرسوز کا نوحہ جو میں پڑھنے بیٹھا — داد دینے کے لیئے بزم میں رقت آئی
تیغ قاتل سے تھی امید بری وائے نصیب — وہ بھی منھ موڑ گئی جب مری نوبت آئی
ہاتھ میں نے جو بڑھایا کبھی گیسو کی طرف — بولے جھنجھلا کے یہ شاید تری شامت آئی
حال بیمار محبت کا یہ آخر کو ہوا — ملک الموت کو بھی دیکھ کے رقت آئی
تھی تو کچھ دلمیں کھٹک درد کی پہلے سے مگر — پاس سے آپ کا جانا کہ قیامت آئی
الفت ساقی کوثر کی اگر آ گئی موج — سمجھے ہم ہاتھ کلید در جنت آئی
میہماں سے کبھی خالی نہ رہا گھر میرا — یاس رخصت جو ہوئی دل سے تو حسرت آئی
ذرے عکس رخ روشن سے ہیں ہیرہ ریزہ — خود بدولت مرے گھر آئے کہ دولت آئی
ذرۂ مہر ہوئے ہم کبھی پروانۂ شمع — جس جگہ دیکھ لیا حسن طبیعت آئی

ہوں وہ مایوس کہ دنیا سے جو اٹھا ہیں امیر
گور تک پیٹتی روتی مجھے حسرت آئی

نگہ ناز کام کرتی ہے — دم میں ترکی تمام کرتی ہے
آکے محفل میں دختِ رز شب بھر — نیند سب کی حرام کرتی ہے
ٹھہرے ہیں یاں دلمیں مرے یوں غم و درد — فوج جیسے مقام کرتی ہے

جانتا ہوں وہ بے دہن ہیں مگر — خلق کچھ کچھ کلام کرتی ہے
یہ بلا ہے تری سیاہی خط — صبح عارض کو شام کرتی ہے
شیخ صاحب اٹھا کے دیکھو آنکھ — دختر رز سلام کرتی ہے
کیا وہ آئیں گے میری میت پر — خلق جو اژدہام کرتی ہے
ڈر کے میری شب جدائی سے — کالکا رام رام کرتی ہے
اُسکے کوچہ میں روح خواب میں روز — سیر دار السلام کرتی ہے
چلتی ہے جس جگہ پہ تیغ ادا کی — خود قضا اہتمام کرتی ہے
شب کو ہوتا ہے وہ جو بے پردہ — چاندنی سیر بام کرتی ہے

الفت اُس کی مٹا مٹا کے مجھے
اے امیر اپنا نام کرتی ہے

بہار آئی عجب حالت ہے ان روزوں مرے دل کی — جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی
سفر میں مجھسے کہتی ہے کشش یہ ہمسفر دل کی — کہ وہ بھی پوچھتے آتے ہی ہونگے راہ منزل کی
جہاں سے اٹھ گئے تو اٹھ گئے ہم کچھ نہیں پروا — غضب یہ ہے کہ گردن اٹھ نہیں سکتی ہے قاتل کی
نئے بانکے بنے ہو تم نئی شمشیر باندھی ہے — نگاہ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے بسمل کی
بھلا دیکھوں تو وہ کیونکر نہیں آتے ہیں گھر میرے — اگر ہے عشق کامل کھینچ لائیگی کشش دل کی
گریباں پھاڑ کر سیر چمن کو خیل گل چلئے — جنوں انگیز پھر آتی ہیں آوازیں عنادل کی
غرور حسن تم کو ہے کمال عشق مجھکو ہے — کہو تم میرے دل کی یا میں کہہ دوں آپ کے دل کی
تمہارے حسن سے آیا تھا نادان ادعا کرنے — سپیدی چھا گئی صورت تو دیکھو ماہ کامل کی
خدا کیواسطے لا کشتی مے جلد اے ساقی — ترشح ہو رہا ہے کچھ ہوا ہے سرد ساحل کی
کسیکو دہر میں پہچانتا ہے کون اے غربت — شناسائی ہے کچھ ان راستے والوں میں منزل کی
چھپایا سب سے منہ مل کر ہمارے خون کی مہندی — عروسانہ حیا کرنے لگی شمشیر قاتل کی

خوشا دیوانگانِ راہِ الفت خوب سوجھے ہو
یہاں کیسی مصیبت میں پڑی ہے جان عاقل کی

یہ تیری زلف کا عقدہ نہیں وا ہو جو شانے سے
ارے ناداں بہت مشکل سے کھلتی ہے گرہ دل کی

تامل ہے جو دیکھا برگہائے غنچۂ گل کو
نظر میں پھر گئیں سب صحبتیں یارانِ یکدل کی

کلیجا منہ کو آجاتا ہے دل پہروں تڑپتا ہے
مرے دردِ جگر میں بھی چمک ہے تیغِ قاتل کی

جہاں بدلا مزاج اس ترک کا چڑھنے لگی تیوری
ذرا قاتل کھنچا کھنچنے لگی شمشیر قاتل کی

نہ سمجھو کھیل امیرؔ الفت کی بازی جان دیتی ہے
کہے رکھتے ہیں ہم اچھی نہیں ہے دل لگی دل کی

بہے بحرِ فنا میں جلد یارب لاش بسمل کی
کہ بھوکی مچھلیاں ہیں یا جوہر شمشیر قاتل کی

تصور خال کا آیا تو رونق بڑھ گئی دل کی
نگاہِ قیس میں لیلیٰ سے آرائش ہے محمل کی

بسی گورِ غریباں جس کسی کا گھر ہوا ویراں
مسافر پڑ کے سوئے جاگ اٹھی تقدیر منزل کی

جہاں رکھی گلے پر تیغ دم لینے نہیں دیتا
تڑپنے کا مزہ کھوتی ہے جلدی میرے قاتل کی

جنابِ عشق سے فریاد ہے برباد ہوتا ہوں
لٹا جاتا ہوں سنئیں سکیں دہائی شاہِ عادل کی

تری پلکوں کی فردیں دیکھ کر پھر اڑا دل عاشق
سیاہ ہر ان صفوں کا ہے سیاہی شام منزل کی

دہانِ یار کے آگے سکوتِ غنچہ زیبا ہے
خموشی چاہیے ناداں کو صحبت میں عاقل کی

نہالِ عشق کو درد کے ہم سبز کہتے ہیں
نہیں آنکھیں یہ دو نہریں ہیں اپنے گلشنِ دل کی

فلاطوں خم میں بیٹھا ہے شرابِ گل پینے کو
نہیں حکمت سے خالی بات کوئی مردِ عاقل کی

وہ لاغر ہوں جوانی میں نہیں کھنچیں ہیں گرم آہیں
شبِ تاریک میں ٹھنڈی ہیں شمعیں خانۂ مول کی

حسینانِ جہاں رہتے ہیں جہاں عکسِ تیرہ صورت
بنا ہے خشتِ آئینہ سے شاید خانۂ دل کی

یہی دو چار دانے حاصلِ کشتِ محبت ہیں
نہیں اشکِ مسلسل بالیاں ہیں خرمنِ دل کی

کسی کا ساتھ کب دیتا ہے کوئی بیقراری میں
تڑپتا رہ گیا شعلہ شرر نے قطع منزل کی

جو نظروں میں سمایا ہو گیا عشاق کا مہماں
جنھیں کہتے ہیں آنکھیں کھڑکیاں ہیں خانۂ دل کی

مری کشتی بہ رنگ موج اس بحر حوادث میں — کنارے تک اگر پہنچے تو ٹکر کھائے ساحل کی
ازل سے ہی مآل کار بے مغزوں کا ناکامی — کف دریا کی قسمت میں لکھی ہے موج ساحل کی

امیر آئے گا روز عید قرباں گاہ میں قاتل
سپیدی چاہیے دیوار در پر چشم بسمل کی

ہو کیسا کہ صورت تک نہیں دیکھی ہے بسمل کی — الٰہی خیر ابھی سے فق ہے رنگت میر قاتل کی
مٹا سکتی نہیں مژگان تر کلفت مرے دل کی — نہ جھاڑی گرد دست موج نے دامان ساحل کی
تڑپ جاتا ہے دل اہل کرم کا جوش میں آ کر — چمکتی ہے جو بجلی شعلۂ آواز بسمل کی
غبار دہر سے کیا آشنائی بحر عرفاں کو — پڑی کب دیدۂ ماہی میں اڑ کر گرد ساحل کی
کف سائل نہیں ہے کشتی دریائے بے آبی — ابھی دریا کی موجیں ہیں لکیریں دست ساحل کی
خیال نیستی یہ ہر قدم تھا دشت ہستی میں — مٹے جو نقش پا مجھ کو بتا دے راہ منزل کی
وہ عاشق ہیں کیا جب قصد سونے کا اندھیرے میں — چکوروں سے سنی ہم نے کہانی ماہ کامل کی
سفینے عمر کے کیونکر نہ ڈوبیں ایسے طوفاں میں — جھڑی ہے رات دن باران ابر تیغ قاتل کی
وہ پیاسا ہوں تلاش آب میں جس دن میں جا نکلوں — کرے ریگ رواں دریا کو اڑ کر گرد ساحل کی
وہ مشتاق شہادت ہوں جو اوچھے زخم بھی کھاؤں — نہ چھوڑے چاندنی مجھ کو مہ رخسار قاتل کی
خلائق نے یہ وقت دفن دی ہر سنگ کی مٹی — کہ میری قبر جھولی بن گئی درویش سائل کی
تعجب کیا جو کوسوں دشمن روبہ منش بھاگے — کہ نعرہ شیر کا جھنکار ہے شمشیر قاتل کی
بجا ہے گر تغیر آ گیا اعضا میں پیری سے — سحر ہوتے ہی کیفیت بدل جاتی ہے محفل کی
جو ہم سا رند ہوتا پڑھنی پڑتیں کیوں یہ تسبیحیں — اٹھائیں اپنے ہاتھوں غنچے نے کڑیاں سلاسل کی

ازل سے ہو جو اس زہرہ شمائل سے امیر الفت
خمیر دل میں کیا مٹی ملی تھی چاہ بابل کی

شکوہ جو کیا درد کا تلوار نکالی — خوب اس نے دوائے دل بیمار نکالی

جب کچھ نہ رہا مجھ میں تو کھو دیں مری آنکھیں — قاتل نے کہاں حسرت دیدار نکالی
رسوائی ہوئی تیری ہی اے ترک ہمیں کیا — کیوں لاش ہماری سر بازار نکالی
کب ہم نے کہا تم سے کہ آئینہ نہ دیکھو — غصے سے جو آنکھ آپ نے ہر بار نکالی
صیاد کا رخ دیکھ لیا چاک قفس سے — یہ ہم نے قفس سے رہ گلزار نکالی
ہم رند کبھی صحبت زاہد میں جو پہنچے — ہر بات میں اک تہ دم گفتار نکالی
کہتے ہیں اسے ضبط کہ دل غم سے ہوا خوں — اُف ہم نے نہ منھ سے کبھی زنہار نکالی
سونگھی ملک الموت نے بوئے گل وحدت — منصور کی جب روح سر دار نکالی
قاتل نے کمی کی نہ ذرا قتل میں میرے — خالی گئی بندوق تو تلوار نکالی
میں نزع میں عیسیٰ کو مری شکوۂ تعظیم — کس وقت میں کس بات کی تکرار نکالی

چبھتی ہے جو نشتر کی طرح دل میں امیر آہ
ناصح نے وہی چھیڑ کی گفتار نکالی

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے — خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے
بل جو تیوری پہ نزاکت سے وہ پرفن ڈالے — ذبح سے پہلے لہو ہر رگ گردن ڈالے
کیا کریں طالب دیدار حیا کا شکوہ — پردے آنکھوں پہ جب اُس کا رخ روشن ڈالے
سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے — گردن شیخ میں زنار برہمن ڈالے
قابل دید ہے وہ عارض و چشم و مژگاں — حوریں بیٹھی ہوئی ہیں خلد میں چلمن ڈالے
جب نکلتے ہیں وہ تلوار سنبھالے گھر سے — ملک الموت چلے آتے ہیں گردن ڈالے
آبرو خاک ہوئے پر بھی نہ کی عاشق کی — چار آنسو بھی نہ تم نے سر مدفن ڈالے
رنگ اُس لعل سی زیب سے ملتا ہے کہاں — منھ گریبان میں تو اپنے گل سوسن ڈالے
لوٹتی برق سی طور پہ پھرے چار طرف — تو اگر آنکھ سوئے وادی ایمن ڈالے
اُڑ چلے رقص میں پرواز کو پر پیدا ہو — اپنے کاندھے پہ الٹ کر جو وہ دامن ڈالے

کشتۂ انداز کے کس طرح سے پامال نہ ہوں
قدم اس ناز سے جب یار کا توسن ڈالے

کہیں زخم نگہ ناز رفو ہوتے ہیں
لہو ڈورے پہ کسی ادا پہ سوزن ڈالے

خون ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر
کیوں مری لاش پہ وہ بیٹھے ہیں دامن ڈالے

نہ حور پر نہ پری پر نگاہ پڑتی ہے
تجھی پر آنکھ بس اے رشک ماہ پڑتی ہے

وہ چشم مہر سے دیکھے مجھے امید نہیں
گدا پہ کب نظر بادشاہ پڑتی ہے

بلائے جان دو عالم ہے جسکی برق جمال
اب اُسکے چہرے پر اپنی نگاہ پڑتی ہے

بنائے شانہ مرے دست شوق کو کیونکر
کہ کشمکش میں وہ زلف سیاہ پڑتی ہے

وہ ناتواں ہوں کہ ہوتا ہوں زندہ گور میں دفن
بدن پہ اُڑ کے اگر گرد راہ پڑتی ہے

ستا نہ خاطر مظلوم کو ڈرا اے ظالم
پڑی نہ تیغ کبھی جیسے آہ پڑتی ہے

عجیب چال ہے کچھ کوچۂ محبت کی
بلا میں جان یہاں بیگناہ پڑتی ہے

چمن کی سیر کو جاتی ہے روح اے صیاد
قفس میں نیند اگر گاہ گاہ پڑتی ہے

جنوں میں دشت سے بھی بھاگتا ہوں میں کوسوں
نظر جو صورت مردم گیاہ پڑتی ہے

پڑے ہیں کشتے ترے تیغ آبدار کے گرد
کنارے نہر کے جیسے سپاہ پڑتی ہے

گہن میں خط کے وہ رخ دیکھکر نہ ہو ششدر
کڑی تو تم پہ بھی اے مہر ماہ پڑتی ہے

وہ چھپ کے گھر سے نکلتے ہیں یوں کہ دامن پر
نہ گرد راہ نہ گرد نگاہ پڑتی ہے

بٹھاتے ہیں وہ غریبوں کو بیگنہ زنجیر
ہزار پاؤں پہ زلف سیاہ پڑتی ہے

عجب طرح کے بنائے ہیں وہ دہان و کمر
کہ عقل شبہہ میں بے اشتباہ پڑتی ہے

دیا ہے یار نے فرمان قتل عام امیر
ہمیں بھی اب تو امید رفاہ پڑتی ہے

درد پہلو کی یہ شدت ہے کہ رنگت فق ہے
زخم وہ دل میں ہے کاری کہ کلیجا شق ہے

عشق سے عاشق و معشوق اگر مشتق ہے
اسکو کیوں مشق جفا اسکا جگر کیوں شق ہے

سنگدل تیری جو فریاد کریں دیر میں ہم
بول اٹھیں بت بھی گواہی ہیں کہ حق ہے حق ہے

شرم عصیاں سے بہا اشک کہ ہو بیڑا پار
چشم قلزم مرے عصیاں کے لیے زورق ہے

رشتۂ آسادہ ہوں لاغر غم عریانی میں
حلقۂ دیدۂ سوزن بھی مجھے خندق ہے

ذکر گنجینہ سے ہوتا نہیں کوئی منعم
ذوق جبتک نہ ہوا شیخ عبث ہو حق ہے

ہوں میں دل سوختہ دنیا میں جدا دنیا سے
شمع سے جامۂ فانوس کہاں ملصق ہے

کیوں نہ کانپے تری مژگاں کی چھری سے دل زار
خوف سے جوہر شمشیر کا سینہ شق ہے

لب جاں بخش سے کلی مرے مرقد پہ کرو
حوض کوثر کا تو پانی شہدا کا حق ہے

زاہد و ساقی کوثر تمہیں کیوں دینگے شراب
دختر رز تو فقط بادہ کشوں کا حق ہے

خوف معتوبی آدم سے فدا ہے ایسا
دیکھیے آج تلک سینۂ گندم شق ہے

عشق میں پار ہو کس طرح سے بیڑا دیکھیں
ہم شناور نہیں یہ قلزم بے زورق ہے

ڈر مضموں دم تحریر نکلتے ہیں امیر
صدف آسا مرے خامے کا کلیجا شق ہے

یہاں تک مجھکو ہنگام خوشی ہے آرزو غم کی
اٹھا رکھتا ہوں روز عید پہ مجلس محرم کی

میں وہ غم دوست ہوں بچپن کی غم سے دوا دل کی
جو آیا منھ چھپالی چھال میں نے نخل ماتم کی

عنادل کوچۂ محبوب میں ہے نالۂ غم کی
غضب ہے اب تو وہ جڑ کاٹتی ہیں نخل ماتم کی

قطار مور جس جا دیکھتا ہوں یہ سمجھتا ہوں
سلیماں اٹھ گئے شاید یہ صف ہے انکے ماتم کی

ترا غمزہ ہے وہ طرار جب گلشن میں آیا ہے
گلو کی جیب کتری ہے گرہ کاٹی ہے شبنم کی

خیال دختر رز میں آگیا ہے مجھ کو غش ساقی
کھلیں آنکھیں اگر بو آئی ہو دامان مریم کی

ستایا اسقدر ان مردم ابلیس خصلت نے
کہ ڈر کر آدمیت چھپ رہی تربت میں آدم کی

الٰہی ہے یہ لشکر کس سلیمان پری وش کا
بلائیں لیتی ہیں پریاں ہوا پر زلف پرخم کی

ہمارے نالہ دل سے ہے گرم نالہ ہر بلبل — نہیں کس گلستاں میں شاخ اپنے نخل ماتم کی
یقیں ہے روز محشر تک رہے اولاد میں جھگڑا — ہماری غیر کی ہے دشمنی ابلیس و آدم کی
فراق و وصل کی شب ایک ہے پر فرق ہے اتنا — بہار اسمیں ہے جنت کی ہوا اسمیں جہنم کی
نہ لائے کوئی ہم تک وحشی گیسوئے پیچاں کو — مچا دینگے یہ غل محشر میں زنجیریں جہنم کی
خدا جانے بھرے ہیں دل نے گوش زخم کیا کہکر — ہوا ہیں آ گئے ایسے نہیں سنتے ہیں مرہم کی
ڈری یہ رات کو میری کیا سیہ بختی کی ظلمت سے — دعائے نور بڑھ کر اپنے اوپر شمع نے دم کی
یہ شہرہ وحشت مجنوں کا مشت استخوان مجنوں — مثل سچ ہے کہ رستم سے سوا ہے دھاک رستم کی
نہیں ہے شرم کی جا آپ تو ہمکو دیکھنے آئے — کہ پٹی باندھ لی داغوں کی آنکھوں پر بھی مرہم کی
تماشا جانتا ہوں گردش گردون گرداں کو — گل رعنا مری آنکھوں میں نیرنگی ہے عالم کی
ملا غازہ تو پایا آرسی نے رنگ آرائش — ہے سنی افشاں تو آئینے کی قسمت اور بھی چمکی
جلانا مارنا ہے کام ان خورشید رویوں کا — کرچی اٹھتے ہیں ذرے موت آجاتی ہے شبنم کی
فراق یار میں ہوں اسقدر محزوں میں اے قاصد — لکھوں جو سطر نامے میں وہ صف بنجائے ماتم کی

امیر اس سرور عالم کی کیا توصیف ہو مجھ سے
خدا کی شان ہے سیرت ملک کی شکل آدم کی

نہال اسکو ہمیشہ کرتی ہے بالیدگی غم کی — الٰہی دل ہے یا کوئی کلی ہے نخل ماتم کی
نہو جسمیں تجلی تجھ سے محبوب دو عالم کی — وہ جنت جل کے یارب خاک ہو جائے جہنم کی
ادھر ہوں عیش کی باتیں کہانی ہو ادھر غم کی — کہو تم اپنے عالم کی کہیں ہم اپنے عالم کی
ہوائے عشق سر میں دلمیں رنج و یاس کا طوفاں — بھلا بنیاد کیا ہے ایک مشت خاک آدم کی
چمن کیا جانیے ہے کس شہید ناز کی مجلس — کہ غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے نخل ماتم کی
غضب گرمی قیامت کی جلن ہے عشق میں یارب — پھکا جاتا ہے تن آنچیں نکلتی ہیں جہنم کی
جلا اس حور کا دل کیا ہماری سوزش دل سے — گئیں جنت کو کچھ چنگاریاں اڑ کر جہنم کی

نظارہ دو جہاں کا چھوڑ جا دل کا تماشا کر
شبیہیں اس ورق پر کھینچ دیں ہیں دونوں عالم کی

اڑا اے رنگ غنچہ سیکھ لے گل کی روش اے دل
کہ منہ سے کچھ نہ کہہ کانوں سے سنکر سارے عالم کی

ازل میں وصل کس معشوق و عاشق کا نظر آیا
کہ آنکھیں آج تک کھلتی نہیں بادام توام کی

زمانے بھر کی ایذاؤں سے چھٹی مر کے ملتی ہے
لحد کہتے ہیں جسکو ہے وہ سرحد کشور غم کی

پرستش حسن گندم گوں کی عین آدمیت ہے
نہیں وہ ابن آدم جو نہیں ہے جبیں آدم کی

پسے سینہ سپر کیا کیا شعاع مہر تاباں سے
کھنچیں سو پر چھپیاں لیکن نہ جھپکی آنکھ شبنم کی

یہ مجھے گنہگاری کے اثر ہیں ہچکیاں کیسی
نہیں یہ حلق بسمل بانسلی ہے مطرب غم کی

ہوئی کس کسکو خجلت ایک میرے قتل ہوتے ہی
پسینا آگیا قاتل کو گردن تیغ نے خم کی

تمہاری چال بھی کیا گردش گردون گرداں ہے
کہ چل کر دو قدم صورت بدل دیتے ہو عالم کی

دکھایا گرم و سرد دہر داغ و اشک نے مجھ کو
کہ دن بھر دھوپ کی رہتی ہے ایذا رات کو شبنم کی

یہ شوق میکشی ہے سایۂ انگور کے نیچے
ہوا کھانے کو روح آتی ہے اب تک حضرت جم کی

سوا خورشید رویونکے کسی پہ میں نہ مائل ہوں
الٰہی دل مجھے ذرے کا دینا آنکھ شبنم کی

شکست شیشۂ دل سے امیر آیا ہے غش مجھ کو
چھڑک کر مے سنگھا دے کوئی شی ساغر جم کی

مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے
دیوانے کو ایک ہو بہت ہے

موتی کی طرح جو ہو خداداد
تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے

جاتے ہیں جو صبر و ہوش جائیں
مجھ کو اے درد تو بہت ہے

مانند کلیم بڑھ نہ اے دل
یہ دور کی گفتگو بہت ہے

بے کیف ہوئے تو خم کے خم کم
اچھی ہو تو اک سبو بہت ہے

کیا وصل کی شب میں مشکلیں ہیں
فرصت کم آرزو بہت ہے

منظور ہے خون دل جو اے یاس
اتنے لئے آرزو بہت ہے

اے نشترِ غم ہو لا کہ تن خشک — تیرے دم کو لہو بہت ہے
چھیڑے وہ مژہ تو کیوں نہ رووں — آنکھوں میں خلش کو مو بہت ہے
غنچے کی طرح چمن میں ساقی — اپنا ہی مجھے سبو بہت ہے

کیا غم ہے امیر اگر نہیں مال
اس وقت میں آبرو بہت ہے

ہمراہ غیر بادہ جو وہ تند خو پیے — غم کیوں نہ جونک بنکے ہمارا لہو پیے
تسکین ہو اک جام سے کیا اسکو ساقیا — جو خم کے خم چڑھائے سبو کے سبو پیے
دہشت ذرا کسی کی ترے مست کو نہیں — قاضی کرے جو منع تو روبرو پیے
قاتل نے مجھ پہ کھینچ کے یہ تیغ سے کہا — اب تو کمی کرے تو ہمارا لہو پیے
آئے جو میکدے میں کرے مست کیوں کمی — شیشے کی طرح چاہیے تا گلو پیے
دیکھے وہ خط سبز جو سبزہ تو رشک سے — کیوں گھونٹ زہر کے نہ لبِ آبجو پیے

منظور چرخ ہے کہ امیر سیاہ مست
دل کا کباب کھائے جگر کا لہو پیے

ابروئے یار نہ بھولے کبھی دل شاد رہے — خوب مطلع ہے یہ اللہ کرے یاد رہے
زعفران زار میں بھی گر دل ناشاد رہے — ہی گریہ ہی نالہ ہی فریاد رہے
ہوں وہ مقتول مرے قتل کی ایسی ہو خوشی — رقص میں تیغ رہے وجد میں جلاد رہے
پھر بہار آئی چلے سوئے چمن دیوانے — کہدو ہر باغ کے دروازے پہ فصاد رہے
رشک ہو بعد فنا مجھکو فلک سے تو یہ ہو — میں ستم کش نہ رہوں یہ ستم ایجاد رہے
ہم جو پہونچے تو لب گور سے آئی یہ صدا — آئیے آئیے حضرت بہت آزاد رہے
آنکھیں مر جانکو کہتی ہیں وہ لب جینے کو — کہیے وہ حکم رہے کہیے یہ ارشاد رہے
اسکی تصویر میں اس درجہ نزاکت کا ہو صرف — لوح باقی نہ قلم میں ترے بہزاد رہے

آشیانے سے نہ مطلب ہو نہ گلشن سے غرض
گھر الٰہی مرے صیاد کا آباد رہے

بسملوں کی جگہ یاس بُری ہوتی ہے
اک ذرا دل کو سنبھالے ہوئے جلاد رہے

یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی کہتے ہو
سامنے آئے بھی جب حضرت دل یاد رہے

ہوں وہ غم دوست کہ رو رو کے دعا کرتا ہوں
درد کا دل نہ دُکھے خاطر غم شاد رہے

حشر میں عذر گنہ کیا ہو جتا تو رکھو
کہ مبادا تمھیں بھولے تو مجھے یاد رہے

بحر ہستی میں حباب لب دریا کی طرح
ہم رہے کب کہ کہے کوئی کہ برباد رہے

میں اگر غیر کوئی ہوں تو مجھے وہ بھولے
وہ اگر اور کوئی ہو تو مجھے یاد رہے

زار ایسا تھا کہ میں دشت جنوں میں نہ ملا
ڈھونڈھتے مجھ کو مرے سایہ و ہمزاد رہے

کیا عجب بھول گئے ہم جو کلام اپنا امیر
یاد رہنے کے جو قابل نہ ہو کیا یاد رہے

ایک دل ہجر میں کس کس کے لیے ناشاد رہے
قیس کا داغ کہ اسمیں غم فرہاد رہے

ان کی آنکھوں کے تصور سے یہ دل شاد رہے
ذات پریوں سے جہاں حوروں سے آباد رہے

قتل بے خنجر و شمشیر جو ہو مد نظر
اک ذرا آپ کو کھینچے ہوئے جلاد رہے

طول فرقت سے مزے وصل کے سب بھول گئے
نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ دن یاد رہے

جب کیا ہم نے گلا اپنی پریشانی کا
زلف جاناں نے کہا ہم بھی تو برباد رہے

کھنچ گئی یار کی تصویر تو اللہ رے خوشی
ہم تغافل و یرتماک مانی و بہزاد رہے

ہم وہ قیدی ہیں جو لکھے وہ خط آزادی کا
ہو یقیں حرفوں میں شانِ خط صیاد رہے

لامکاں میں نہ ٹھکانا نہ مکاں ہے نہ دشت
دل سے نکلے تو کہاں جا کے یہ فریاد رہے

کون پروانہ یہاں شمع سر طور کا ہے
جلوہ افروز ترا حُسن خداداد رہے

ہجر میں یار نے پوچھا نہ اجل نے ہمکو
نہ اُسے یاد رہے ہم نہ اسے یاد رہے

واہ رے شوق اسیری کہ دعا کرتا ہوں
منھ دم ذبح سوئے خانۂ صیاد رہے

شادی و رنج زمانے میں ہیں توام اے دل
کچھ تو ہونٹھوں پہ ہنسی بھی دم فریاد رہے

گھل گیا غم سے اگر تن تو بنا شکل حباب
ہم ہوئے خاک سے پانی بھی تو برباد رہے

کانٹے الجھیں نہ کہیں جامۂ آزادی کا
دامن اس ڈر سے سمیٹے ہوئے شمشاد رہے

روز جانباز لڑے شوق شہادت میں امیر
کیسے ہنگامے سے کوچۂ جلاد رہے

دل کو طرز نگہ یار جتاتے آئے
تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے

فاتحہ پڑھنے نہ پائی پہ بھی دو روز کے بعد
تا در گور ہمیں جو خاک اڑاتے آئے

جام کوثر سے ہو کیا کام ہمیں اے رضوان
آب خنجر سے ہمیں پیاس بجھاتے آئے

مے کشی کی ہو خوشی حشر میں کس کو ساقی
لگتے ابر تو اور آگ لگاتے آئے

سنگ اسود کے جو بوسے کو چلے سمت حرم
قدم بت پہ بھی ہم سر کو جھکاتے آئے

دشت ہستی میں مثال خاک بگولے کی طرح
خاک اڑاتے گئے ہم خاک اڑاتے آئے

بادشاہوں کا ہے دربار در پیر مغاں
سیکڑوں جاتے گئے سیکڑوں آتے آئے

لن ترانی سے ہوا صاف یہ ہم پر روشن
کہ ہمیں بھی ترے ناز اٹھاتے آئے

چھپ کے بھی آئے مرے گھر تو وہ دربانوں کو
اپنی پازیب کی جھنکار سناتے آئے

ہوں وہ نالاں کہ دم نزع مری بالیں پر
ملک الموت بھی پر اپنے بجاتے آئے

بے سبب در پہ یہ بلوہ نہیں غالب ہے کہ آپ
پردۂ دل کا سر راہ اٹھاتے آئے

محو جب مہر سے شبنم ہوئی بولی یہ زمیں
یوں ہی عاشق کو ہیں معشوق مٹاتے آئے

روز محشر جو بلائے گئے دیوانۂ زلف
بیڑیاں پہنے ہوئے شور مچاتے آئے

ذکر غنچہ جو سنا مجھ سے تو ہنس کر بولے
خوب آئے کہ مرے منھ کو چڑھاتے آئے

مرغ دل نقش قدم دار کرے دست شکار
گل کھلانے گئے گلچھرے اڑاتے آئے

کیا کہینگے کوئی محشر میں جو پوچھیگا امیر
کیوں نہ بگڑی ہوئی باتوں کو بناتے آئے

ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی — آپ بدنام نہ ہوں دھوئیے شمشیر اپنی
پھر بہار آئی جنوں ہوتی ہے تدبیر اپنی — طوق بنتا ہے گڑھی جاتی ہے زنجیر اپنی
بے نشانی یہ مرے دل کو پسند آئی ہے — کھینچ کر آپ مٹاتا ہوں میں تصویر اپنی
قید ہو کر ترے گیسو میں یہ رتبہ پایا — نذر دی قیس نے لا کر ہمیں زنجیر اپنی
جان نثاروں سے وہ کہتے ہیں چڑھا کر تیوری — آجکل جھولتی ہے عرش پہ شمشیر اپنی
یاد مژگاں میں شب ہجر جو چلاتے ہیں ہم — چار سو جاتی ہے آواز یہ تیر اپنی
میکشی کون کرے چور ہے یاں شیشۂ دل — ساقیا پھوٹ گئی ہجر میں تقدیر اپنی
حاجت تیر و کماں کیا ہے تجھے چل تو سہی — گردنیں کاٹ کے خود لائیں گے نخچیر اپنی
تم کو پھولوں کے چھپر کھٹ ہمیں کانٹے ہیں نصیب — خیر قسمت وہ تمہاری ہے یہ تقدیر اپنی
آنکھیں چہرے پہ ملینگے تو چمک جائیگا حسن — شمع چہرہ ہے ترا آنکھ ہے گلگیر اپنی
حضرت قیس جو مل جائیں تو اتنا پوچھیں — ہے گراں آپ کی زنجیر کہ زنجیر اپنی
یوسف مصر کا نقشہ جو طلب کرتا ہوں — بھیج دیتا ہے وہ یوسف مجھے تصویر اپنی

اے امیر اٹھ نہ سکے ضعف سے ہم تا دم مرگ
جس جگہ بیٹھ گئے ہو گئی جاگیر اپنی

اب تو یہ معرکۂ عشق میں مجھکو حجاب ہے — رشک خنجر سفاک مرے دم تک ہے
گھورتی ہے یہ جوانانِ چمن کو ہر دم — نرگس باغ سے بلبل کو بجا چشمک ہے
حسن یکتا کا ہے پر تو بھی جہاں میں یکتا — زاہدا کیوں تجھے یکتائی بت میں شک ہے
جنگ عاشق کے لیے حسن زرہ پوش ہوا — کون کہتا ہے رخ صاف پہ یہ چیچک ہے
شب بھر آغوش گلستاں میں ہے شبنم کی جگہ — رتبۂ دیدۂ بیدار قیامت تک ہے
فرش سے عرش تلک آئینہ ہے سب دیکھ سکے وقت — آنکھ جب بند ہوئی پیش نظر عینک ہے
رکھ قدم بڑھ کے در دل پہ تو منزل کو پہنچ — شہر آباد محبت کا یہی پھاٹک ہے

نہیں دیوانہ اگر لایق تعزیر امیر
کس لیئے سنگ بکف دہر میں ہر کودک ہے

تیرے افشاں کا اگر ذرہ زمیں پر گر پڑے — اخترِ گردوں جگہ پاکر جبیں پر گر پڑے
رات کو ہو فکر آرایش جو اس گل کو تو ماہ — چاندنی کا پھول بنکر آستیں پر گر پڑے
نامۂ ہم افتادگوں کا جب کبوتر لیچلا — اُڑتے ہی اُڑتے کہیں بازو کہیں پر گر پڑے
آشیانہ دور ہے صیاد آپہنچا ہے پاس — کیا کروں پرواز کی طاقت نہیں پر گر پڑے
سایہ افگن ہو وہ گیسو اس دل صد چاک پر — یا الٰہی یہ سیاہی اس نگیں پر گر پڑے
جائے گلشن میں جو وہ گلرو تو گل مہندی کی شاخ — سر جھکا کر اُسکے پائے نازنیں پر گر پڑے
قہر نازل ہو جو ہنس پڑنا تمہارا آئے یاد — چھت مکاں کی توڑ کر بجلی زمیں پر گر پڑے
وہ شکار افگن چلے لیکر اگر تیر و کماں — سارے طائر جوڑ کر کندے زمیں پر گر پڑے
باڑھ پر آجائے تیغ قامت قاتل اگر — شاخ طوبیٰ کٹ کے دوش حور عیں پر گر پڑے
پھنس کے چھوٹے لذت دنیا سے کیونکر بوالہوس — کسطرح اُٹھے مگس جب انگبیں پر گر پڑے

آفتاب عارض ساقی اگر چمکے امیر
خاک ہو کر برق آب آتشیں پر گر پڑے

جب تک وہ پلک برسر بیداد نہ آئی — تجھ میں چمک اے جوہر فولاد نہ آئی
کب گور میں خنجر کی رگڑ یاد نہ آئی — کب روح سوئے کوچۂ جلاد نہ آئی
شیریں نہ ملی سنگ اگر سیکڑوں کاٹے — کچھ کام سبک دستی فرہاد نہ آئی
بالوں کی سفیدی کو کفن سمجھے نہ کسدن — کب آئینہ دیکھا کہ اجل یاد نہ آئی
دعوائے دیت حشر میں کس سے میں کرونگا — حیرت سے نظر صورت جلاد نہ آئی
طائر ہیں وہ ہوں پانوں نہ گلزار میں رکھا — جب تک خبر آمد صیاد نہ آئی
سچ ہے یہ مثل جان ہے اپنی تو جہاں ہے — مردے کو عزیزوں کی کبھی یاد نہ آئی

غش صورت موسیٰ میں ہوا سامنے اُسکے — تاب نظر حسن خدا داد نہ آئی
کیا آئے نظر مردمک چشم کو وہ خال — انساں کو نظر صورت ہمزاد نہ آئی
نقشہ مرے محبوب کا چلتا ہوا دیکھا — تجھ کو روش اے خامہ بہزاد نہ آئی
کیا جرم ہوا تھا کہ گرے اُسکی نظر سے — کچھ ذہن میں اپنے تو یہ اُفتاد نہ آئی
قید غم محبوب ازل ساتھ میں لایا — روح آئی عدم سے مگر آزاد نہ آئی
کیا اُن سے ملاقات کی امید ہو مجھ کو — عرضی بھی مری ہو کے کبھی صاد نہ آئی
معشوقہ دنیا نے بہت زلف سنواری — پھندے میں مرے خاطر آزاد نہ آئی
مضموں سے پس مرگ مرا نام ہو زندہ — کچھ کام نہیں کام جو اولاد نہ آئی

وحشت میں امیر اپنے برابر نہ ہوا قیس
شاگرد میں کیفیت اُستاد نہ آئی

ہم اور معرکۂ امتحاں سے ٹل جاتے — جواب پانوں جو دیتے تو سر کے بل جاتے
عدم کو یاں سے تو گھبرا کے اے اجل جاتے — وہاں بھی جی جو نہ لگتا کہاں نکل جاتے
ہزار تیز نہ تھی تیغ یار اگر چلتی — تو ہم سے کتنے غریبوں کے کام چل جاتے
جنوں کے جوش میں کھلتی نہ راہ ملک عدم — بڑے مزے میں پہنچتے جو اچھل جاتے
سیاہ کار وہ ہوں حشر میں حساب مرا — جو وقت صبح سے ہوتا چراغ جل جاتے
بچائی داغ نے زندانیان زلف کی جاں — نہیں تو گھٹ کے اندھیرے میں دم نکل جاتے
بتوں کی بھی جو پرستش نہ کرتے اے زاہد — خدا کے سامنے ہم لے کے کیا عمل جاتے
شب فراق میں اچھا ہوا نہ کھینچی آہ — غریب خانے کے دو چھپرے بھی جل جاتے
جھڑی نے آنسوؤں کی اور جی ڈبویا ہے — برس کے جلد یہ بادل کہیں نکل جاتے
دکھا کے تیغ جو مقتل سے یار بڑھ چلتا — اجل کے پانوں پہ سر رکھ کے ہم مچل جاتے
پتنگ بنکے لپٹتے تو شمع رویوں سے — وہ ہم نہ تھے کہ تپ ہجر سے پگھل جاتے

تلاش رزق میں گردش ہے اے ہوس بیہود
نصیب ساتھ ہی رہتے جہاں نکل جاتے
قبول خاطر روشندلاں اگر ہوتے
امیرؔ نور کے سانچے میں شعر ڈھل جاتے

مقام وجد ہے اے دل کہ بزم یار میں آئے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

خداوندا نہ زنگ اُس ترک کی تلوار میں آئے
کہیں دھبا نہ میرے زخم دامندار میں آئے

کے گھر کی طرف بھی عالم مستی میں آ نکلے
ترنگ ایسی کبھی یارب مزاج یار میں آئے

دلا آنکھوں سے چھپکر اُس سے ہو دیدار کا طالب
جو ہو خلوت نشیں کیا مجمع اغیار میں آئے

خط شبگوں سے میں اے خال روئے یار ڈرتا ہوں
جو تو آیا تو آیا وہ نہ اس سرکار میں آئے

بہت مشتاق ہیں مست آمد ابر بہاری کے
الٰہی کوئی لکہ کوہ سے گلزار میں آئے

خمیدہ قد ہوا اب دیر کیا ہے خاک ہونے میں
زمیں پر گر پڑے آخر جو خم دیوار میں آئے

جنوں کا رنگ چمکایا یہ تیرے عشق عارض نے
گریباں چاک گل گلزار سے بازار میں آئے

یہ وقت قتل ہے ڈر ہم کو اپنی سخت جانی سے
کمر میں بل نہ بال اُس ترک کی تلوار میں آئے

کیا دیکے طعنے واعظوں نے تنگ یہ آخر
کہ ہم مسجد سے اُٹھ کر خانۂ خمار میں آئے

نظر آتا ہے ہر گل زر بکف بہر خریداری
چمن میں تم کہ یوسف مصر کے بازار میں آئے

زر داغ جنوں تقسیم شاہ عشق کرتا ہوں
تونگر جسکو ہونا ہو وہ اس سرکار میں آئے

خدا ہو دوست جسکا اُسکو کیا اندیشۂ دشمن
براہیم آگ میں پھینکے گئے گلزار میں آئے

خلش میں کیا مزہ ہے تیرے دیوانوں کو کیا جانے
جب آئے پا برہنہ وادی پرخار میں آئے

یہاں مدت سے ہے سیرِ دل صد چاک کا قبضہ
کہو شانہ سمجھ کر گیسوئے خمدار میں آئے

علانیہ دکھائے کب وہ جلوہ روئے روشن کا
جو بے پردہ نہ خواب طالب دیدار میں آئے

اٹھاؤ رخ سے پردہ کور مادر زاد بینا ہو
ہلاؤ لب زبان گنگ بھی گفتار میں آئے

گرفتار قفس تھے جب تلک فصل بہاری تھی
خزاں بھی ساتھ آئی ہم اگر گلزار میں آئے

کیا ہے وعدہ سر دینے کا قاتل سے سنبھل کر ہاں زباں کو کاٹ ڈالوں فرق اگر اقرار میں آئے

امیر اب وعدۂ عمر گیسا کر پہنچے ہم مدینے میں
چھپے آفت سے ظلِ احمدِ مختار میں آئے

خیال زلف و عارض میں قضا کی
نماز صبح و شام اک جا ادا کی

ادا پر مرنے والوں سے بھی غمزے
کہو کیوں موت آئی ہو قضا کی

نہ آنا تھا اجل منہ پر نہ آئی
تری تلوار آواز ہے کسا کی

شب غم میں جو ہم کو ہاتھ آتا
درازی ناپتے روزِ جزا کی

وہ بے کس تھے کہ تربت پر ہماری
چڑھائی چرخ نے چادر گھٹا کی

عدم میں کیا تماشا ہے کہ دن رات
چلی جاتی ہے سب خلقت خدا کی

مرے منہ کا ہے لقمہ حصۂ غیر
مجھے قسمت ملی ہے آسیا کی

دکھے کیونکر نہ دل آوازِ نے سے
صدا ہے یہ کسی درد آشنا کی

نہ کھا اے دل فریب زینت دہر
ڈلی اس پان میں ہے سنکھیا کی

بہار بے خزاں ہے جامۂ یار
نہ مرجھائیں کبھی کلیاں قبا کی

کیے ہم نے یہ بتخانوں میں سجدے
کہ بت کہنے لگے رحمت خدا کی

دلا ہم سے گلا اُس دلربا کا
شکایت آشنا سے آشنا کی

نہ مجنوں ہے نہ وامق ہے نہ فرہاد
مرے سب آشناؤں نے قضا کی

وہ دانہ ہوں جو پسنے سے بچوں میں
جلا دے آگ سنگ آسیا کی

وہ غافل تھے کہ تب لی ہم نے کروٹ
ڈھلی جب دوپہر روزِ جزا کی

الٰہی مر چکوں جھگڑا ابھی چھوٹے
کہیں آسان ہو مشکل قضا کی

کہاں تک وا نہ ہوگا عقدۂ کار
گرہ ہے کیا ترے بند قبا کی

پسیں کیونکر نہ تیری راہ میں دل
غضب شوخی ہے چشم نقش پا کی

اگر میرے سیہ خانے میں آجائے | سعادت ساری اُڑجائے ہما کی
ترے کشتے نے خنجر ہی کے نیچے | مصیبت جھیل لی روزِ جزا کی

امیر سخت جاں بھی ہو چکا قتل
چلو منت ہوئی پوری قضا کی

ترا کیا کام اب دلمیں غمِ جانانہ آتا ہے | نکل اے صبر اس گھر سے کہ صاحب خانہ آتا ہے
نظر میں تیری آنکھیں سر میں سودا تیری زلفوں کا | کئی پریوں کے سایہ میں ترا دیوانہ آتا ہے
وفورِ رحمتِ باری ہے میخواروں پہ ان روزوں | جدھر سے ابر اٹھتا ہے سوئے میخانہ آتا ہے
لگی دل کی بجھائے بیکسی میں کون ہے ایسا | مگر اک گریۂ حسرت کہ بیتابانہ آتا ہے
اُنھیں سے غمزے کرتی ہے جو تجھپر جان دیتے ہیں | اجل تجھکو بھی کتنا نازِ معشوقانہ آتا ہے
پریشانی میں یہ عالم تری زلفوں کا دیکھا ہے | کہ اک اک بال پر قربان ہونے شانہ آتا ہے
چھلک جاتا ہے جامِ عمر اپنا وائے ناکامی | ہمارے منھ تلک ساقی اگر پیمانہ آتا ہے
وہ بت ہے مہرباں سب اپنا اپنا حال کہتے ہیں | لبِ خاموش تجھ کو بھی کوئی افسانہ آتا ہے
طلسمِ تازہ تیرا سایۂ دیوار رکھتا ہے | بدلتا ہے پری کا بھیس جو دیوانہ آتا ہے
یہ عظمت رہ کے زاہدان بتوں میں ہمنے پائی ہے | کہ کعبہ ہم کو لینے تا درِ میخانہ آتا ہے
دورنگی سے نہیں خالی عدم بھی صورتِ ہستی | کوئی ہشیار آتا ہے کوئی دیوانہ آتا ہے
ہمایوں استخوانِ سوختہ پر میرے گرتا ہے | تڑپ کر شمع پر جیسے کوئی پروانہ آتا ہے
اُدھر ہیں حسن کی گھاتیں اِدھر ہیں عشق کی باتیں | تجھے افسوں تو مجھ کو اے پری افسانہ آتا ہے
کلیجا ہاتھ سے اہلِ طمع کے چاک ہوتا ہے | صدف آسا اگر مجھ کو میسر دانہ آتا ہے
نمک جلاد چھڑکا چاہتا ہے میرے زخموں پر | مزے کا وقت اب اے ہمتِ مردانہ آتا ہے
زبردستی کا دھڑکا وصل میں تم کو سمایا ہے | کدھر ہو ہوش میں آؤ کوئی آیا نہ آتا ہے
الٰہی کسکی شمعِ حسن ہے روشن ہے گھر میرا | کہ بنجاتا ہے جگنو آج جو پروانہ آتا ہے

وہ عاشق خال خط کا ہوں کہ نذر مور کرتا ہوں — میسر تیسرے دن بھی جو مجھ کو دانہ آتا ہے

امیرؔ اور یہ آنے والا کون ہے گور غریباں پر
جو روشن شمع ہوتی ہے تو ہاں پروانہ آتا ہے

جتنے کہ تیر ترکش دلبر میں رہ گئے — اُتنے ہی حوصلے دل مضطر میں رہ گئے
دھویا ہزار اُس بت سفاک نے مگر — دھبے ہمارے خون کے خنجر میں رہ گئے
صحرائے عشق میری طرح طے نہ ہو سکا — نو آسمان ایک ہی چکر میں رہ گئے
چھوٹے کہیں نہ گیسوئے پرخم نے اُسکے پیچ — کچھ رہ گئے تو میرے مقدر میں رہ گئے
مجلس تمام ہو گئی ہنگامہ ہو چکا — ہم راہ دیکھتے تری محشر میں رہ گئے
اے چشم اشکبار ڈبو دے انہیں بھی تو — ٹاپو ہیں جابجا جو سمندر میں رہ گئے
یا رب شتاب آئے سگ یار اسطرف — کچھ مجھ میں استخواں تن لاغر میں رہ گئے
ساقی چمن میں آتے ہی رخصت ہوئی بہار — میخوار فکر شیشہ و ساغر میں رہ گئے
نامے تو نارسائی قسمت سے گر پڑے — ڈورے ہی ڈورے بال کبوتر میں رہ گئے
اشکوں سے میرے بجھ گئی سارے جہاں کی آگ — پوشیدہ کچھ شرر تھے سو پتھر میں رہ گئے
واماندگی سے جا نہ سکے کاررواں تلک — کھائی تھیں ٹھوکریں جو مقدر میں رہ گئے
اپنے مکان ہیں دیدہ و دل اختیار ہے — اس گھر میں رہ گئے کبھی اُس گھر میں رہ گئے

اُنکے نشان امیرؔ نہیں ہیں اگر نہ ہوں
نام آوروں کے نام تو دفتر میں رہ گئے

داغ اقربا کے سینۂ سوزاں میں رہ گئے — محفل کہاں چراغ شبستاں میں رہ گئے
رخنے تمام بند کئے صبر نے مگر — سوراخ دل میں چاک گریباں میں رہ گئے
لٹنے نہ گرد بھی مری کشتی کی پائیں گے — کیا سر شتاب کے شورش طوفاں میں رہ گئے
کانٹے کہیں پڑے ہیں کہیں گرد باد ہیں — یہ یادگار قیس بیاباں میں رہ گئے

میری طرح ضعیف ہوئے میرے اشکِ غم ‏ نکلے جو دل سے دامنِ مژگاں میں رہ گئے
وہ خوبرو رہے نہ وہ ترزیں زلف و رخ ‏ باقی فسادِ گبر و مسلماں میں رہ گئے
یوسف تو مصر میں ہوئے رونق فروزِ حسن ‏ یعقوب راہ دیکھتے کنعاں میں رہ گئے
مقتل میں اُسکے دوڑ کے پہنچے جو تھے قوی ‏ قیدی جو ناتواں تھے وہ زنداں میں رہ گئے
وحشت میں دے سکے نہ مرا ساتھ گردباد ‏ نقشِ قدم کسطرح بیاباں میں رہ گئے
دوڑے تلاشِ دولتِ دنیا میں جو حریص ‏ آخر کو تھک کے گورِ غریباں میں رہ گئے
لی کاروانِ گل نے خزاں میں عدم کی راہ ‏ بلبل پھڑک پھڑک کے گلستاں میں رہ گئے
آئے بھی حرفِ شکوہ جو دل سے زباں تلک ‏ بن نکلے درد وہ مرے دنداں میں رہ گئے
رزقِ سگ و ہما کئے دورِ سپہر نے ‏ جو استخواں کہ گنجِ شہیداں میں رہ گئے
آوارگانِ عشق کا کوسوں پتا نہیں ‏ کچھ ڈھیر ہڈیوں کے بیاباں میں رہ گئے

لوٹا ستمگروں نے مگر پھر بھی اے امیر
مضمون ہزارہا مرے دیواں میں رہ گئے

بتوں سے نرد وہ جا کر مکان پر کھیلے ‏ کہ ہار دے دل و دیں اپنی جان پر کھیلے
کماں میں تیر وہ جوڑے تو صید ہوں نسریں ‏ زمین کیسی شکار آسمان پر کھیلے
زبانِ تیشہ یہ دیتی تھی کوہکن کو صدا ‏ جو سرفروش ہو وہ اپنی جان پر کھیلے
یہ اُسکے پڑھنے سے ہو چار بیت کو شادی ‏ کہ بیت بیت سے چوتھی زبان پر کھیلے
میں رند رنگ میں ڈوبوں وہ طفلِ بادہ فروش ‏ خدا کرے کہیں ہولی دکان پر کھیلے
جمائے رنگ وہ مطرب پسر جو ٹھیک کا ‏ جو یار سا ہو تو ہر ایک تان پر کھیلے
نہ جیتنے میں گذارہ نہ ہارنے میں رفاہ ‏ پھر ایسے کھیل کو کوئی کس گمان پر کھیلے
کہوں تو دردِ دل اس سے مگر ہے قتل کا خوف ‏ قضا نہ سر پہ کہیں اس بیان پر کھیلے
لگائے کیوں نہ وہ واعظ نماز میں شرطیں ‏ جدا جو روز و شب اپنے مکان پر کھیلے

ہمارا دل ہے کہ اس ترک شوخ سے شطرنج
ہزار بار کیا امتحان پہ کھیلے
امیر چال کوئی اُس سے کسطرح چل جائے
تمام روز جو چو پڑ مرکان پر کھیلے

نمود خط ابھی اے حسن یار باقی ہے
اس آئینے کے جگر میں غبار باقی ہے
نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے اب اے چشم یار باقی ہے
وہ صیدگاہ سے جاتے ہیں اے اجل کہدے
ادھر بھی بے پر و بال اک شکار باقی ہے
یہ میکدے میں ہے شیشوں کا قحط اے ساقی
ابھی تو شیخ کا سنگ مزار باقی ہے
زمین گور کو سیر فلک مبارک ہو
کہ میرے پاس دل بے قرار باقی ہے
وہ منتظر ہیں کہ مرلوں تو لاش پر آئیں
اجل کو آنے میں کیا انتظار باقی ہے
پھر آسکے دانتوں کا تجھ کو ہے قصد نظارہ
گرہ میں کچھ گہر آب دار باقی ہے
نہ جائیگی کبھی تا زیست اپنی سوزش دل
کہ شیر زندہ ہے جب تک بخار باقی ہے
چلے برنگ نفس عمر بھر تو کیا حاصل
کہ منزلوں ہی ابھی کوئے یار باقی ہے
وہ ذبح کرکے لہو پر چھڑک رہے ہیں خاک
اشارہ ہے کہ ابھی تک غبار باقی ہے
ہوئے تو خاک ہوئے ہم مٹے تو خاک مٹے
ابھی تلک تو نشان مزار باقی ہے
نہ توڑ دو آئینہ جانے بھی دو کہ ایک ہی
تمہارے دیکھنے والوں میں یار باقی ہے
نہ دل میں تاب نہ آنکھوں میں نور ہے لیکن
وہی تڑپ ہے وہی انتظار باقی ہے
سوال کرتے ہیں کیا دیکھ کر ملک ہم سے
کفن میں بھی تو نہیں کوئی تار باقی ہے
قضا پکارتی پھرتی ہے آنکے مقتل میں
چلے اگر کوئی امید وار باقی ہے
بہار میں ہو نہ کیوں روئے یار پر جوبن
چمن عروس ہے جبتک بہار باقی ہے
امیر فاتحہ پڑھنے کو اب کہاں آئے
مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے

بہار عمر سے دل یادگار باقی ہے — بس اک ہی ثمر داغدار باقی ہے
نگہ کہاں مری آنکھوں میں یار باقی ہے — یہ کچھ غبار رہ انتظار باقی ہے
رہا قفس سے کرے بلبلوں کو کیا صیاد — ابھی تو باغ میں کچھ کچھ بہار باقی ہے
کلیم بیٹھ رہے طور پر خیال نہیں — کہ اور بھی کوئی امیدوار باقی ہے
کہاں کہاں نہیں یاران رفتہ کو ڈھونڈا — اب ایک ہی تو عدم کا دیار باقی ہے
مثال آئینہ وا ہیں مزار میں آنکھیں — ہنوز حسرت دیدار یار باقی ہے
شریک سیکڑوں گلرو ہیں اپنے پھولوں میں — خزاں کے بعد بھی جوش بہار باقی ہے
نفس کی آمد و شد ہر نفس یہ کہتی ہے — کوئی دم اور تجھے اختیار باقی ہے
کفن کیواسطے کافی ہے ہوں وہ وحشی زار — کوئی کوئی جو گریباں میں تار باقی ہے
نہ تخت خسرو چیں ہے نہ چتر قیصر روم — مزار سایۂ نخل مزار باقی ہے
ہجوم داغ سے ہر عضو ہے پر طاؤس — موئے پہ بھی وہی نقش و نگار باقی ہے
اٹھا جو پردہ تو کیا شرم ہے ابھی شب وصل — پڑی نقاب تو یہ اے نگار باقی ہے
برنگ شمع اترتی نہیں کبھی تپ غم — ہزار آئے پسینا بخار باقی ہے
ہوائے کوچۂ گیسو میں یہ لٹا سنبل — کہ ایک پیرہن تار تار باقی ہے
نکل چلے ہیں بہت طفل اشک روک ایدل — ابھی تو جبر پہ کچھ اختیار باقی ہے
صبا چلی نہیں غنچے میں منہ چھپائے ہوئے — وہی حجاب عروس بہار باقی ہے

کہینگے اہل عدم کو دکھا کے داغ امیر
یہی گل چمن روزگار باقی ہے

تیغ قاتل پہ ادا لوٹ گئی — رقص بسمل پہ قضا لوٹ گئی
ہنس پڑے آپ تو بجلی تڑپی — بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی
پس گیا چشم سیہ پر سرمہ — پائے رنگیں پہ حنا لوٹ گئی

اونچی چوٹی کے ادا گرد پھری
نیچی نظروں پہ حیا لوٹ گئی

اس روش سے وہ چلے گلشن میں
بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی

تیرے بسمل سے ترے خنجر نے
وہ ادا کی کہ قضا لوٹ گئی

جان مردوں کہ حقیقت کیا تھی
درد پہلو میں اٹھا لوٹ گئی

سانپ کی طرح مری چھاتی پر
رات وہ زلف دوتا لوٹ گئی

یاد گیسو نے تڑپ پیدا کی
برق بن کر یہ بلا لوٹ گئی

وار خالی نہ گیا قاتل کا
بچ رہا میں تو قضا لوٹ گئی

کیا مزے کی ہے طبیعت اپنی
ایک بوسہ جو ملا لوٹ گئی

خنجر ناز نے کشتوں سے امیر
چال وہ کی کہ قضا لوٹ گئی

عشق بتاں سے ہاتھ نہ مر کر اٹھائیے
جب تک اٹھے یہ داغ جگر پر اٹھائیے

جور فلک کے ناز ستم گر اٹھائیے
اک دل ہزار داغ ہیں کیونکر اٹھائیے

کہتے ہیں مجھ گدا کو وہ کوچے میں دیکھ کر
للہ جان چھوڑیئے بستر اٹھائیے

مردے پہ میرے آئے تو بولا یہ اُن سے ناز
کس کا جنازہ ہے یہ سمجھ کر اٹھائیے

غیرت کا حکم ہے کہ گلا گھونٹ کر
مر جائیے نہ منت خنجر اٹھائیے

مشتاق دید صورت موسیٰ پڑے ہیں غش
کس سے حجاب گوشۂ چادر اٹھائیے

مرقد میں آ کے مجھ سے کہا شور حشر نے
تکیے سے اب تو بہر خدا سر اٹھائیے

رہیے خموش قاصد جاناں جو کچھ کہے
حکم خدا ہے ناز پیمبر اٹھائیے

میرا سلام آپ کا وار ایک وقت ہو
اُٹھے مزہ جو ہاتھ برابر اٹھائیے

آؤں میں پاس آپ کے گھر بیٹھا کر ضرور
دیوار کیا جو سد سکندر اٹھائیے

منظور ہو جو عشق تو اضع ضرور ہے
سر پر جو اٹھائیے بوجھ جھک کر اٹھائیے

یکتائی صنم پہ قسم رُخ کی کھایئے
قرآں اُٹھایئے بھی تو حق پر اُٹھایئے

بے چشم مست یار نہیں لطف میکشی
اب انجمن سے شیشہ و ساغر اُٹھایئے

قاصد سزائے نامہ بری کو پہنچ گیا
اب اُسکی لاش پھر ہمیں اُٹھایئے

ہو عشق کی نماز میں تکبیر کا یہ لطف
دونوں جہاں سے ہاتھ برابر اُٹھایئے

دل کی جلن کا ہاتھ میں اپنے ہو یہ اثر
بجلی بنیں شرار جو پتھر اُٹھایئے

آساں نہیں ہو عشق بُت سنگدل امیر
یہ بوجھ اُٹھایئے تو سمجھ کر اُٹھایئے

بیجا نہیں خزاں میں یہ نالے ہزار کے
مظلوم داد خواہ ہیں خونِ بہار کے

رکھنا نہ مجھ کو ساتھ دل بے قرار کے
ہو اور اک مزار برابر مزار کے

گستاخ صاف دل میں صفائی کی کب ہو بات
چڑھتا ہو ایک آئینہ منھ پہ ہزار کے

برباد ہو کے اُسکی گلی میں ملا یہ اوج
ذرے ہیں آفتاب ہمارے غبار کے

گلشن سے بلبلوں کو اُڑاتا ہو باغباں
صدقے اُتر رہے ہیں عروس بہار کے

پھولیگا اور کب جو نہ پھولے گا آج کل
اے نخل عمر دن تو یہی ہیں بہار کے

صوفی خدا کے گھر میں یہ ہو حق ہو کیا ضرور
سائل اگر ہو دور تو کہیئے پکار کے

یوسف کی اصل پوچھیئے نقاش دہر سے
بھیجا تھا میرے یار کا نقشہ اتار کے

ایام ہجر کٹ نہ سکے کوہکن سے بھی
پتھر سے سخت ہو گئے ہیں دن انتظار کے

یہ عشق خط یار میں ہو حال جسم زار
مفصل تمام جوڑ ہیں خط غبار کے

آئے سوال کو جو نکیرین بعد مرگ
ٹھہرے رہے ادب سے کنارے مزار کے

شرمندہ میرے بعد ہوئے ہیں یہ خانہ جنگ
پایوں سے رکھدیئے ہیں پنجے اُتار کے

شکوہ میں ابر کا کہ ہوا کا گلہ کروں
دشمن ہیں سیکڑوں مرے مشت غبار کے

لاتی شمیم گل جو کسی دن قفس تلک
کیا ٹوٹ جاتے پانوں نسیم بہار کے

روشن تھے جنکے قصر میں سو تیونکے جھاڑ
محتاج ہیں وہ ایک چراغ مزار کے

پیری میں کس مزے کو جوانی کے روئیے
سوداغ دے گئے ہیں دو دن بہار کے

یکرنگ تھے وہ ہم کہ دورنگی نہ کی پسند
پہنا کفن تو جامۂ ہستی اتار کے

بن کر بگڑتے ہیں جو گھروندے ہزار ہا
ہیں کھیل اے امیر صنعتِ پروردگار کے

جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے
کشتی ہماری ڈوب گئی پار اتار کے

اب خاک کام آئیں گے آنسو ہزار کے
شبنم نے دھوئے پانوں عروس بہار کے

بے غم ہیں عیش کب چمن روزگار کے
کھٹکے ہیں کوچۂ رگ گل میں بھی خار کے

مردوں سے کر رہے ہیں نکیرین کیا سوال
جھگڑے ہیں مجاوروں سے یہ باہر مزار کے

دوزخ میں مجھکو جھونک چکے تھے مرے عمل
قربان شان رحمت پروردگار کے

کیا چشم سرمگیں کے اشاروں سے دل بچے
آتے ہیں تیر زنگی ابلق سوار کے

اس پیار سے زمیں نے کھینچا بغل میں تنگ
یاد آگئے مزے مجھے آغوش یار کے

پہناؤ بیڑیوں کے عوض مجھ کو بدھیاں
کچھ اب کی سال رنگ نئے ہیں بہار کے

کلیاں جنھیں گلوں کی سمجھتی ہو عندلیب
وہ بند ہیں نقاب عروس بہار کے

پانی تری چھری کا ہو یونہی جو باڑھ پر
دریا بہینگے دشت میں خون شکار کے

کہتے ہیں گل یہ سمجھ شبنم سنبھال کر
گنتی کے رہ گئے ہیں دن اپنی بہار کے

کیوں عاشقوں کے نامۂ عصیاں نہوں سیاہ
پروانہ ہیں مسودۂ زلف یار کے

کیونکر ملے سراغ مرے جسم زار کا
پردے ہیں تار پیرہن تار تار کے

غافل نہ گرم و سرد جہاں سے کبھی رہے
سوئے جو ہم تو سائے میں نخل چنار کے

صالح کا ناقہ ہو کہ دلا تگاو سامری
پالے ہوئے ہیں سب مرے پروردگار کے

جلوہ دکھا کے رنگ جوانی ہوا ہوا
آتے ہی الٹے پانوں پھرے دن بہار کے

دامن کشاں وہ آئے سر قبر شکر ہے / آنسو تو کچھ تھمے مری شمع مزار کے

گلشن میں کی جو آہ شرر بار امیر نے
چھوٹیں لگے پھلجھڑی کی طرح پھول انار کے

سب جلو میں آپ کے آتے ہیں اٹھتے بیٹھتے / اک مجھی پر آپ جھنجھلاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
ضعف سے گو ٹھوکریں کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے / پر ترے در تک پہنچ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
ہیں نماز ان زاہدوں کی ضعف ایماں پر دلیل / سامنے اللہ کے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
نوجوانی میں بھی ہے باقی انھیں اتنا حجاب / کوئی بیٹھا ہو تو شرماتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
جن جوانوں کے سر افلاک پڑتے تھے قدم / اب زمیں پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
زاہدوں کو کیا حرم کی راہ میں رنج سجود / منزل آساں ہو چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
خودنمائی کی بدولت کتنے اوچھے ہیں حسیں / مہندی ملتے ہیں تو اتراتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
بوجھ ہے سو بار کا ان کو نزاکت ہے وبال / گیسوؤں کی طرح بل کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
تھا جوانی تک مزہ سیر و تماشا کا تمام / ضعف سے اب پاؤں تھراتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
کیا ہوا میں ناتواں ہوں گور کی منزل کڑی / آگے پیچھے سب چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
رسم نے ملنے کی کھوئی عید کی ساری خوشی / تین دن تک پانوں رہ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

آگے سو سو شعر اک جلسے میں کہتے ہیں امیر
چار مصرع اب کہے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

تیغ قاتل کی چمک آنکھوں میں پھر جاتی ہے / اور بھی برق تڑپ کر مجھے تڑپاتی ہے
درد الفت مجھے معشوق سے بڑھ کر ہے عزیز / جب یہ اٹھتا ہے مری روح نکل جاتی ہے
صورت نقش قدم اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم / ناتوانی مجھے ہر گام پہ ٹھہراتی ہے
طرز رفتار سے مارا ہے تو پامال بھی کر / دیکھ قاتل یہ بڑی چال رہی جاتی ہے
سرنگوں بحر حوادث میں ہوں مانند حباب / آنکھ کھل جاتی ہے جب دم کوئی لہر آتی ہے

شوخیِ حسن نے لاکھ اُنکو کیا طاق مگر
پھر لڑکپن ہو ابھی آنکھ جھپک جاتی ہے

کچھ نہ اغیار کی تقصیر نہ تم پر الزام
بیزبانی مری باتیں مجھے سنواتی ہے

لاش پر بھی وہ چھڑکتا ہو نمک ہنس ہنسکر
چھیڑ ابتک مرے زخموں سے چلی جاتی ہو

پھانڈ چلے صور کہیں جلد لحد سے نکلوں
اب طبیعت بہت اس قید میں گھبراتی ہو

گل نسیم سحری شمع سحر کو نہ کرے
کوئی دم میں یہ غریب آپ بجھی جاتی ہو

دلکو تسکین ہیں اے قافلے والو کیا دوں
ابتو آواز جرس کی بھی نہیں آتی ہو

جب کہا میں نے کہ اب قتل میں تاخیر ہو کیوں
بولے ہر بات میں جلدی تمہیں پڑجاتی ہو

آخری وقت تو آواز سنا جاؤ مجھے
خلق کے کہنے کو اک بات رہی جاتی ہو

آرسی ہو تری قسمت کی زبردست اے ترک
سامنا تجھ سے ہو پر چوٹ نہیں کھاتی ہو

دو سرا نوک کا مجھ سا ہے جوان کون امیرؔ
سیکڑوں نیزے ہیں اور ایک مری چھاتی ہو

توڑ کر پہلو جو چل نکلا دل نخچیر سے
خوب روئیں حسرتیں دلکی لپٹ کر تیر سے

بیخود ایسا ہوں کسی کی لذت تقریر سے
بیردں کرتا ہوں خموشی کا گلہ تصویر سے

قید گیسو سے چھڑایا مجھ کو آنکھوں نے تری
لیگئیں پریاں اُڑا کر خانۂ زنجیر سے

تیر نکلا بھی نہیں قاتل کے ترکش سے ابھی
روح خوش ہو کر نکل آئی تن نخچیر سے

ہوں وہ تر دامن جلا سکتا نہیں دوزخ مجھے
کثرت عصیاں نے امین کر دیا تعزیر سے

مصحف ناطق کہیں کیونکر نہ تیرے خط کو ہم
لذت تقریر ملتی ہے تری تحریر سے

پاس بٹھلا کر مجھے اُسنے اُٹھایا غیر کو
لڑگئی تقدیر میری غیر کی تقدیر سے

دھوم ہو قاتل تری آتی ہیں پریاں سیکھنے
چال تیری تیغ سے پرواز تیرے تیر سے

دم اگر نکلے تو نکلے گھٹ کے عشق زلف میں
پر قدم باہر نہ نکلے خانۂ زنجیر سے

ذبح ہونے کا نہ اُٹھا خاک بھی ہم کو مزہ
عمر بھر رگڑا تو کیا رگڑا گلا شمشیر سے

اے صبا سنبل نے کیوں گلشن میں پھیلایا ہے جال — موج بوئے گل بھی مجھکو بڑھکے ہے زنجیر سے
بے سبب غلطاں نہیں آئے ناوک افگن خاک پر — چھینے لیتی ہے قضا ناوک ترا نخچیر سے
یوں نہیں آئیگا قابو میں خط رخسار یار — توڑ جوڑ اس خط کے سیکھوں کاتب تقدیر سے
اس مرقع میں عجب نیرنگیاں ہیں حسن کی — جب نظر اٹھی تو دیں آنکھیں نئی تصویر سے

قید ہستی سے جو چھوٹے آئے جنت میں امیر
حور بن کر روح نکلی خانۂ زنجیر سے

اے گل تر تیرے جذب حسن کی تاثیر سے — رنگ خوں ہو کر ٹپکتا ہے مری تصویر سے
لکھدیا روز ازل انجام غفلت کا مری — خواب سے پہلے ہوا آگاہ وہ تعبیر سے
لیگیا مریخ اس کو غازۂ رخ کے لئے — جو لہو کا قطرہ ٹپکا یار کی شمشیر سے
دیکھا دل جائے عبرت قصۂ شداد ہے — گھر جہنم میں بنا فردوس کی تعمیر سے
مرتے مرتے بھی نہ احساں غیر کا ہم سے اٹھا — سر بھی کٹوایا تو ہم نے یار کی شمشیر سے
اتنی آرائش بھی انکو ہے نزاکت سے گراں — کم نہیں پھولوں کی بدھی آہنی زنجیر سے
اب ادائے شکر قاتل بسملوں پر فرض ہے — ہر دہان زخم نے پائی زباں شمشیر سے
بوسہ لینے پر جو وہ بگڑے تو پھر بوسہ لیا — معصیت کا ذوق دونا ہو گیا تعزیر سے
توڑ ہیں تیر قضا قاتل کسی سے کم نہیں — ہاں جو ہارا ہے تو اک تیری نگہ کے تیر سے
وصف گیسو میں جو کرتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ — دم الجھتا ہے تری الجھی ہوئی تقریر سے
جاں نثاروں کو گلا مل مل کے کرتا تھا ہلاک — رہ گئی یہ چال اے قاتل تری شمشیر سے
عشق ابرو میں جو خط لکھتا ہوں قاتل کو کبھی — چاک کرتا ہے لفافہ کو مری شمشیر سے
بیڑیاں دیوانۂ گیسو کو پہناتے ہو کیوں — رشتۂ الفت کا پھندا سخت ہے زنجیر سے
داد دینے کا تو کیا مذکور یہ صیاد حسن — چاہتے ہیں اور الٹی آفریں نخچیر سے
منزل حیرت کا طے کرنا بہت دشوار ہے — پار کب ہوتی ہے کشتی قلزم تصویر سے

آ کے بربادی ہمارے خانۂ دل میں بسی     گھر خرابی کا ہوا آباد اس تعمیر سے

کھو چکے قاصد کو خط اُس شوخ کو لکھ کر امیرؔ
رد چکے لکھے کو اپنی خوبیٔ تقدیر سے

کیا لب معشوق ہو کر جان لے خنجر سے     سیکھ لے گھر دل میں کرنا کوئی اس کے تیر سے

شعلۂ آواز سے غش آ گیا مثل کلیم     لن ترانی کا مزہ اُٹھا تری تقریر سے

مچھلیاں بالے کی رہتی ہیں مرے پیش نظر     کم نہیں میرا تصور دام ماہی گیر سے

مضطرب مجھسے زیادہ یار ہے میرے لئے     اضطراب ناوک افگن بڑھ گیا ہے نخچیر سے

ہوں وہ محو بیخودی لکھی جو میری سرنوشت     مٹ گیا جو حرف نکلا خامۂ تقدیر سے

محو ہو کر دیکھ نیرنگی طلسم دہر کی     سیر کر حیرت کدے کی دیدۂ تصویر سے

عذر بے بال و پری کب تک نکل اے مرغ روح     مانگ لے پر عرش تک اُڑنے کو اُسکے تیر سے

عالم کثرت میں وحدت کی نشانی ہو ضرور     فایدہ اتنا ہے بیت اللہ کی تعمیر سے

زندہ جاوید ہوں کیونکر نہ بسمل زیر تیغ     چلتی ہو قاتل قضا بچ کر تری شمشیر سے

کل تلک تھا کثرت عصیاں سے نادم اے کریم     آج شرمندہ ہوں اپنی قلت تقصیر سے

منزلت اضداد سے بڑھ جاتی ہو ہر چیز کی     کعبے کی رونق ہوئی بُت خانے کی تعمیر سے

عشق گیسو سے جو چھوٹے قتل ابرو نے کیا     آئے مقتل میں جو نکلے خانہ زنجیر سے

تیر سے رکنے اور کھنچنے کا تو کیا مذکور ہو     یہ ادائیں سیکھ لے کوئی تری شمشیر سے

جو رقم کرتا ہوں میں کرتا ہو وہ اُسکے خلاف     اب کے خط لکھوا کے بھیجوں کاتب تقدیر سے

کیا خبر تجھ کو کہ قسمت میں کہاں کی خاک ہو     جیتے جی کیا فائدہ ہے قبر کی تعمیر سے

وہ کرے سلطان دنیا یہ کرے سلطان دیں     کیا میں نسبت دوں ہما کو یار کی شمشیر سے

داغ سینہ داغ پہلو زخم دل درد جگر     کیسے کیسے ہم نشیں مجھ کو ملے تقدیر سے

زخم یاد چھپے نہیں کھائے ہیں قاصد نے امیرؔ     لیکے آیا ہو وہ اس پردے میں خط شمشیر سے

قطع ہو راہ سفر کوچۂ قاتل آئے — تھک گیا ہوں میں الٰہی کہیں منزل آئے
چین جبیں پر نہ تہِ خنجر قاتل آئے — وضع میں فرق خبردار نہ اے دل آئے
حاجیو تم کو مبارک ہو سفر کعبے کا — جا کے بتخانے میں اللہ سے ہم مل آئے
مرتے دم بھی نہ ہوئی لذت دیدار نصیب — غش پہ غش مجھ کو تہِ خنجر قاتل آئے
صدمہ درد جگر سے نہیں آگاہ ہنوز — کہیں اللہ کرے آپ کا بھی دل آئے
حال ہشیاری کا بیدار دلوں سے پوچھو — ہم تو غافل رہے غافل گئے غافل آئے
مجھ سے صدمے نہ جدائی کے اٹھینگے یارب — جان بھی ساتھ ہی جائے جو کہیں دل آئے
ماہتابی پہ وہ آئے تو تجلی نے کہا — میرے آگے تو جھکا کر سر کامل آئے
ہوں وہ واماندۂ غربت جو کروں قصد عدم — موت لینے کو مجھے سیکڑوں منزل آئے
مذہب عشق میں تمیز بد و نیک ہے کفر — توبہ کیجئے جو خیال حق و باطل آئے
سر اٹھانیکی نہیں کنج لحد میں طاقت — تھک گئے بسکہ کڑی جھیل کے منزل آئے
وہ غریق یم نسبت ہوں کہ آنکھوں میں فلک — خاک جھونکے جو نظر دور سے ساحل آئے
تیز قدموں نے جو پیچھے ہمیں چھوڑا چھوڑا — گرتے پڑتے ہوئے ہم بھی سر منزل آئے
کوئی مشتاق شہادت نہ تڑپ کر مر جائے — دیر اچھی نہیں آنا ہے تو قاتل آئے
سادہ رویوں کو عبث دعوی یکتائی ہے — حال کھل جائے جو آئینہ مقابل آئے

مجھ کو اور غیر کو یکساں تو نہ سمجھے وہ امیر
کاش کچھ اُس کو تمیز حق و باطل آئے

روبرو دل جو ہمارا سر محفل آئے — منھ ہو آئینہ جو پھر تیرے مقابل آئے
بزم میں شب کو جو وہ ماہ تماثل آئے — منھ کے بھل شمع گرے غش سر محفل آئے
کوچۂ یار میں جائینگے پھنسیں ہم تو پھنسیں — قید ہونے کو فرشتے سوئے بابل آئے
ہم تہیدست لب گور تو پہنچے پر یوں — جس طرح لٹ کے مسافر سر منزل آئے

زخمی عشق ہوں ایسا جو ہلے دل میرا — صاف آواز پر طائر بسمل آئے
نجد میں جا کے میں مجنوں کیطرح بیٹھا ہوں — کہ نظر مجھ کو کوئی صاحب محمل آئے
کبھی اُس چاند سے چہرے پہ نہو خط کی نمود — یا الٰہی نہ گہن میں مہ کامل آئے
لوٹتا ہوں تہ خنجر فقط اتنے کے لئے میں — بن پڑے اور جو غصے میں وہ قاتل آئے
ساتھ اغیار کے جب یار کرے بادہ کشی — خون دل کیوں نہ یہاں اشک کے شامل آئے
اپنے جان پر اپنے تو مروت کیسی — پھینک دوں چیر کے پہلو جو کہیں دل آئے
جان وہ جان ہے جو راہ میں تیرے جائے — دل وہ دل ہے جو ترے کوچہ میں بسمل آئے
یہ نیا قاعدہ دربار کا ٹھہرا ہے حضور — نذر کے واسطے ہر روز نیا دل آئے
اب کسی سے نہ رہی ملنے کی حسرت باقی — آج جی بھر کے گلے تیغ سے ہم مل آئے
ہاتھ رک جائے نہ قاتل کا ابھی کمسن ہے — ذبح کے وقت نہ ہچکی تجھے بسمل آئے
قلزم عشق وہ قلزم ہے جہاں شکل حباب — ٹوٹ جائے جو سفینہ لب ساحل آئے
یاد گیسو نے لحد میں بھی نہ چھوڑا پیچھا — قید خانے میں گرفتار سلاسل آئے

بے نقاب آئے جو وہ رات کو محفل میں اسیر
شمع نے بڑھ کے کہا رونق محفل آئے

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اسکو گلا سمجھے — تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے
ریا کو کور باطن طاعت خاص خدا سمجھے — سہارا مل گیا دیوار کا اندھے عصا سمجھے
ہوا جب نفس تابع مطلب دل ہو گیا حاصل — گلوئے اژدہا ہم کو جو ہاتھ آیا عصا سمجھے
نظر ریش سیہ میں جب کوئی موئے سفید آیا — بہت روئے اُسے ہم خندہ دنداں نما سمجھے
جو اٹھتے بیٹھتے پیری میں بولیں ہڈیاں اپنی — درائے کارواں زندگی کی ہم صدا سمجھے
نہ کی عہد جوانی میں ادائے بندگی ہمنے — ہوئے فاقے جو پیری میں انھیں صوم قضا سمجھے
جوانی اور پیری ایک رات اکدن کا قصہ تھا — خمار و نشہ میں دونوں کو کھویا ہائے کیا سمجھے

ہوئے کشتہ نظر آیا جو خال ابروئے قاتل / ہم اس خنجر کے جوہر کو سر خاف قضا سمجھے
ہر اک لخت دل پر خون شہید تیغ الفت تھا / گرا دامن پہ جب دامن کو اپنے کربلا سمجھے
مخمس ہے نیا ناخن بدل وہ پنجۂ رنگیں / سوا شاعر کے اس کا حسن کوئی ادا کیا سمجھے

اسیر اہل حرم سمجھے حرم تصویر ابرو کو
کھنچا خاکہ جو اُس گیسو کا ہندو کالکا سمجھے

تارک ہستی سے اُس کا آستاں نزدیک ہے / بے نشانوں سے بہت وہ بے نشاں نزدیک ہے
اس چمن میں طائر کم پر اگر ہوں میں تو کیا / دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے
ہے ازل سے ساتھ نرم و سخت کا اس دہر میں / کسقدر انساں کے دانتوں سے زباں نزدیک ہے
صحبت عالم سے نقصاں گوشہ گیر و نکا نہیں / خوف کیا اگر تیر سے زاغ کماں نزدیک ہے
رکھ قدم آہستہ آہستہ چمن میں عندلیب / دور کچھ گلچیں نہیں ہے باغباں نزدیک ہے
بام جاناں دور کیا ہے کچھ ہی پرواز شوق / حوصلہ عالی اگر ہو آسماں نزدیک ہے
ہو چلی ہے الفت اک پردہ نشیں سے پھر مجھے / المدد اے ضبط وقت امتحاں نزدیک ہے
آگے عالی ظرف کے کم ظرف کیا پائے فروغ / آبرو کیا ہے جو دریا سے کنواں نزدیک ہے
توبہ گلرویوں کی الفت سے ہے پیری میں ضرور / اے بہار زندگی وقت خزاں نزدیک ہے
پرفشانی حسرت پرواز میں اب کیا ضرور / دام صیاد اجل اے مرغ جاں نزدیک ہے
عشق صادق کی ہے آمد دل ہوس سے پاک کر / صاف کرنا چاہئے گھر میہماں نزدیک ہے
لی جو میخواروں نے انگڑائی اُتارا جام مہر / کیا ہی میخانے سے طاق آسماں نزدیک ہے
برگ گل صیاد آتے ہیں جو اُڑ کر متصل / کیا بہت میرے قفس سے بوستاں نزدیک ہے
دل ہے نالاں غم سے ٹپکا چاہتے ہیں اشک بھی / آتی ہے بانگ جرس اب کارواں نزدیک ہے
صور محشر کو کھلا دے سرمہ اے گرد گناہ / چپ رہے وقت حساب عاصیاں نزدیک ہے
ہر طرف ہیں غول خضر راہ پوشیدہ اسیر / اب ظہور مہدی آخر زماں نزدیک ہے

وعدۂ وصل اور وہ کچھ بات ہے — ہو نہ ہو اس میں بھی کوئی گھات ہے
خلق ناحق در پئے اثبات ہے — ہے دہن اس کا کہاں اک بات ہے
بوسۂ چاہِ زنخداں عنبریں — ڈوب مرنے کی یہ اے دل بات ہے
گھر سے نکلے ہو نہتے وقت قتل — یہ بھی بہر قتل عاشق گھات ہے
میں نے اتنا ہی کہا بنواؤ خط — یہ بگڑنے کی بھلا کیا بات ہے
بعد مدت بخت جاگے ہیں مرے — بیٹھئے سونے کو ساری رات ہے
کیا کروں وصف بتانِ خود پسند — ان سے بڑھ کر بس خدا کی ذات ہے
باتوں باتوں میں جو میں کچھ کہہ گیا — ہنس کے فرمانے لگے کیا بات ہے
حرف مطلب صاف کہہ سکتا نہیں — ہے ادب مانع کہ پہلی رات ہے
مجھ سے ہو اظہار الفت واہ واہ — آپ کی فرمانے کی یہ بات ہے
رو رہے ہیں ہم ملا دے لب سے لب — میکشی ہو ساقیا برسات ہے
زچ ہے تیری چال سے رفتارِ رخ — پھر رخ سے بازی مہ مات ہے
کیسی کشتی ہے سیہ بختی میں عمر — رات سے دن دن سے بدتر رات ہے
چھیڑتا ہے دل کو کیا اے دردِ ہجر — خود گرفتارِ ہزار آفات ہے
اے غنی دے سیم و زر وقتِ بلا — مال دینا جان کی خیرات ہے

## قطعہ

گر جگہ دل میں نہیں پھر اس سے کیا — یہ دو لٹنے کی یہ بدھ کی رات ہے
صاف کہہ دے تو یہاں آیا نہ کر — یار یہ سو بات کی اک بات ہے

لخت دل ہیں میرے کھانے کو امیر
بس انھیں ٹکڑوں پہ اب اوقات ہے

کشورِ دل میں ہو پریوں کے بھی شاہی تیری — قاف تا قاف حکومت ہو الٰہی تیری
نیم جاں چھوڑ چلی نیم نگاہی تیری — زندگی تا صد و سی سال الٰہی تیری
تو بھی اے ابرِ سیہ بوتلیں بھی مے کی سیاہ — بھا گئی خوب سیاہی میں سیاہی تیری
گور میں ساتھ نہ جائیگی یہ شوکت اے شاہ — چھوٹ جائیگی یہیں مسندِ شاہی تیری
ناز نیرنگ پہ اے ابلقِ ایام نہ کر — نہ رہیگی یہ سفیدی یہ سیاہی تیری
وصل میں جوش پہ آیا جو مرا قلزمِ اشک — زلف اے ماہ بنے گی پر ماہی تیری
لکھ کے خط کوچۂ قاتل میں تجھے کیا بھیجوں — اے کبوتر نہیں منظور تباہی تیری
دل تڑپتا ہے تو کہتی ہیں یہ آنکھیں رو کر — اب تو دیکھی نہیں جاتی ہے تباہی تیری
چاہنا جو مجھے تو حشر میں کہنا اے دل — داورِ حشر نہ مانے گا گواہی تیری
ہم فقیر اپنی فقیری میں شب و روز ہیں مست — تجھ کو اے شاہ مبارک رہے شاہی تیری
کیا بلانے کو ڈراتی ہے مجھے اے شبِ گور — کچھ شبِ ہجر سے بڑھ کر ہے سیاہی تیری
مے پلا خوب رجب سے رمضاں تک ساقی — دونی کر دونگا میں تنخواہ سہ ماہی تیری
برہمن کعبہ نشیں شیخ حرم بندۂ بت — مصلحت ہو جو مشیت ہو الٰہی تیری
چھپ گیا مہرِ قیامت بھی تہِ ابرِ سیاہ — بلبے اے نامۂ اعمال سیاہی تیری

کیا ہوا تجھ کو کہ غافل ہے اوامر سے امیر
حرص سے طبع ہے مشتاق نواہی تیری

ہر گنہگار کو ہے آس الٰہی تیری — عام ہے ہر صفتِ لامتناہی تیری
آنکھ میں آئے تو پتلی ہے تو اے زلفِ سیاہ — دل میں ٹھہرے تو سویدا ہے سیاہی تیری
منزلیں ہوتی ہیں کھوٹی نکل اے قاتلِ خلق — راہ تکتے ہیں کھڑے دیر سے راہی تیری
رنگ تو خوب ہے پر اے شبِ غم عیب یہ ہے — کہ روانی نہیں رکھتی ہے سیاہی تیری
جوہرِ تیغ ہیں اے ابروئے پُرخم تجھ میں — قدر کس طرح سے سمجھیں نہ سپاہی تیری

میں تو زنداں سے سوئے دشت بڑھاتا ہوں قدم — ہو گی اے خانۂ زنجیر تباہی تیری
حشر میں تو نہ زباں بند کرے اے تیغ دو دم — دو گواہوں کے برابر ہے گواہی تیری
بو نہیں رنگ نہیں نور نہیں نار نہیں — معرفت کیوں نہ ہو دشوار الٰہی تیری
واہ کس لطف سے پڑھتا ہے تو اے طفل نصاب — مدح کرتا ہے ابو نصر فراہی تیری
تیرے نظارے سے بڑھتی ہے بصارت اے زلف — سرمہ بنجاتی ہے آنکھوں میں سیاہی تیری
مشق فریاد دلا حشر میں کام آئے گی — کہ رکیگی نہ زباں وقت گواہی تیری
دھیان دن کو نہیں تیرا فقط اے زلف سیاہ — شب کو بھی آکے دباتی ہے سیاہی تیری

تو سفینہ ہے زمانہ ہے سفینے میں امیر
سارے عالم کی تباہی ہے تباہی تیری

گذر کو ہے بہت اوقات تھوڑی — کہ ہے یہ طول قصہ رات تھوڑی
جو مے زاہد نے مانگی مست بولے — بہت یا قبلۂ حاجات تھوڑی
کہاں غنچہ کہاں اُس کا دہن تنگ — بڑھائی شاعروں نے بات تھوڑی
اُٹھے کیا زانوئے غم سے سر اپنا — بہت گذری رہی ہیہات تھوڑی
خیال ضبط گریہ ہے جو ہم کو — بہت امسال ہے برسات تھوڑی
پلا دے مے کے نقد ہوش ساقی — تہیدستوں کی ہے اوقات تھوڑی
وہی ہے آسماں پر گنج انجم — لٹاتی جو تری خیرات تھوڑی
ترا اے دختر رز واصف ہو واعظ — پئے حرمت ہو اتنی بات تھوڑی

چلو منزل امیر آنکھیں تو کھولو
نہایت رہ گئی ہے رات تھوڑی

پژمردہ گل ہوئے ترے گالوں کے سامنے — سنبل پہ پیچ پڑ گئے بالوں کے سامنے
پردہ انھیں سے ہے جنھیں تاب نظر نہیں — آتے ہیں خود وہ دیکھنے والوں کے سامنے

بے جا نہ میں کو فخر نہیں آسمان پر ذرہ ہے مہر مہر جمالوں کے سامنے
کیا کیا بناؤ کرتے ہیں خار رہ جنوں رکھ رکھ کے آئینے مرے چھالوں کے سامنے
نیرنگ صنع دیکھ تماشائے باغ کر کیا سرخ گل ہیں سبز نہالوں کے سامنے
بندھتے جو شوخ دشت میں مضمون چشم یار پڑھتا غزل میں اپنی غزالوں کے سامنے

## قطعہ

کیا گلرخوں نے رنگ جمائے ہیں باغ میں کیا گل کھلے ہیں حور جمالوں کے سامنے
کیا سرخ سرخ جام ہیں پھولوں کے روبرو کیا سبز سبز شیشے ہیں تھالوں کے سامنے
وصلت کی رات اور موذن گجر خروش ہوتے ہیں کیسے کیسے ملالوں کے سامنے
اے زر پرست فقر کا تجھ کو مزہ تو ہو کوڑی کی چینیاں ہیں سفالوں کے سامنے
کیا منہ جو علم عشق میں بحثے کوئی حکیم ہو نطق بند میرے سوالوں کے سامنے
اُن ابرووں کی یاد میں دل پر نہیں ہے داغ روشن ہے آفتاب ہلالوں کے سامنے
کرتے ہیں عجز جنکو خدا نے دیا ہے ظرف شیشوں کے سر جھکے ہیں پیالوں کے سامنے
رکھتے ہیں جو ہنر انھیں آفت سے کیا خطر ساحل ہے بحر پیرنے والوں کے سامنے
تیروں کے پر کٹے ترے غمزوں کے روبرو تیغیں نہ چل سکیں تری چالوں کے سامنے
یہ نور یہ ضیا یہ چمک یہ دمک کہاں خورشید ہے تو اترے گا گالوں کے سامنے
سودائی ہیں جو لاتے ہیں چین و ختن سے مشک پوچھا نہ جائیگا ترے بالوں کے سامنے
چار ابروؤں کے عشق میں پوچھو نہ حال دل تنہا کماں ہے چار ہلالوں کے سامنے
گلشن ہے جوش ساغر و مینا سے میکدہ کیا گل کھلے ہوئے ہیں نہالوں کے سامنے

تعریف سرو قامت محبوب کی امیر
مشکل نہیں بلند خیالوں کے سامنے

خورشید چمکے کیا ترے گالوں کے سامنے — میلی خطِ شعاع ہے بالوں کے سامنے
دعوئ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے — اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے
ایہل فغاں وہ کر کہ صدائے جرس ہو بند — شرمندہ ہوں نہ قافلے والوں کے سامنے
عاشق نے لاکھ جمع کیا دفتر حواس — شیرازہ کھل گیا ترے بالوں کے سامنے
چشمِ سیاہ یار جب آنکھوں میں پھر گئی — آنسو مرے بھر آئے غزالوں کے سامنے
آئے وہ باغ میں تو لگی چھوٹنے نسیم — تازہ شگوفے تازہ نہالوں کے سامنے
ہم ہیں وہ اے کلیم کہ غش کا تو ذکر کیا — جھپکی نہ آنکھ برق جمالوں کے سامنے
حالِ کلیم و طور سنا ہوگا آپ نے — کیسا حجاب دیکھنے والوں کے سامنے
مضموں کی کیا کمی ہے کہ عرشِ بریں بھی ہے — نزدیک ہے دور گرد خیالوں کے سامنے
پانی کی چھاگلیں جو سمجھتے ہیں خارِ دشت — آتے ہیں وعدہ کر مرے چھالوں کے سامنے
ہم کیا کہ سرکشوں کے بھی پُرخم ہیں گردنیں — ان کجکلاہ گیسوؤں والوں کے سامنے
طاؤس و کبک ٹھوکریں کھاتے ہیں ہر قدم — چلتی نہیں ہے کچھ تری چالوں کے سامنے
لیلیٰ کو پاس خفتِ مجنوں بھی کچھ نہیں — آنکھیں دکھا رہی ہے غزالوں کے سامنے
موسیٰ سے کہہ دو طور پہ جایا کرو نہ روز — اچھے نہیں ہیں برق جمالوں کے سامنے
جادوں کو نہر نہر کو بحرِ رواں کریں — کتنی یہ بات ہے مرے چھالوں کے سامنے
مرقد سے بھاگ جائیں گے خود منکر و نکیر — ٹھہریں گے کیا وہ میرے سوالوں کے سامنے
ایدل بھرے تو بیٹھے ہی تھے سب اُبل پڑے — کانٹوں نے لی جو نوک کی چھالوں کے سامنے

دنیا امیر کیا ہے جو ماتم کدہ نہیں
ہر دم یہاں ہیں تازہ نالوں کے سامنے

قبلۂ دل کعبۂ جاں اور ہے — سجدہ گاہِ اہلِ عرفاں اور ہے
ہو کے خوش کٹواتے ہیں اپنے گلے — عاشقوں کی عید قرباں اور ہے

روز و شب یاں ایک سی ہے روشنی
دل کے داغوں کا چراغاں اور ہے

خار دکھلاتی ہے پھولوں کی بہار
بلبلو اپنا گلستاں اور ہے

قید میں آرام آزادی وبال
ہم گرفتاروں کا زنداں اور ہے

بحر الفت میں نہیں کشتی کا کام
نوح سے کہہ دو یہ طوفاں اور ہے

کس کو اندیشہ ہے برق و سیل سے
اپنے خرمن کا نگہباں اور ہے

درد وہ دل میں وہ سینے پر ہے داغ
جس کا مرہم جس کا درماں اور ہے

کعبہ رو محراب ابرو اے امیر
اپنی طاعت اپنا ایماں اور ہے

نہیں امید جو اس بیوفا کے آنے کی
میں راہ دیکھ رہا ہوں قضا کے آنے کی

ستم سے تنگ ہوں احسان مجھ پہ کرو غلط
خبر سنا دے روز جزا کے آنے کی

عدم میں یاد کروں گا کسی مسیحا کو
نکال لونگا کوئی راہ جا کے آنے کی

چڑھاؤ پھول جو میری لحد پہ آئے ہو
یہ کون چال ہے تیوری چڑھا کے آنے کی

سماں اُس پری کا کہیں کھائے رستخیز نہ جلد
اُڑا دے قید الٰہی ہما کے آنے کی

یقیں ہوا جو گرا دانت کوئی پیری میں
کہ آج کھل گئی کھڑکی قضا کے آنے کی

جگایا میں نے جو سوتے میں تنگ ہو کے کہا
ٹھہر ٹھہر کہ نہیں نیند جا کے آنے کی

میں تھک چکا ہوں بہت دور قافلہ پہنچا
سبیل کون ہے بانگ درا کے آنے کی

غضب ہے نزع میں کہتے ہیں سب پڑھو کلمہ
لگی ہے رٹ مجھے اس بیوفا کے آنے کی

نقاب ڈال کے آئے کہو خدا کے لیئے
یہ کون شکل ہے صورت چھپا کے آنے کی

جو تن پہ زخم لگے اور جان تازہ ہوئی
کشادہ ہو گئیں راہیں ہوا کے آنے کی

غلاف ڈال قفس پر ابھی نہ اے صیاد
کہ ہے چمن سے توقع صبا کے آنے کی

امیر جائینگے ہم بے نظیر آج ضرور
خبر ہے میلے میں اُس مہ لقا کے آنے کی

ساقیا درد ہے صاف نہیں بیٹھ گئی
شہر تیری ڈاک تھی یہ زیر نگیں بیٹھ گئی

موت بھی میری طرح ہو کے حزیں بیٹھ گئی
باڑھ تو خنجر قاتل کی نہیں بیٹھ گئی

بعد مردن بھی مرے ضعف کی قوت نہ گھٹی
خاک اٹھی بھی تو چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

قصد جنت جو کیا ہم نے تو دنیا سے کیا
ڈاک خوروں کی دم باز پسیں بیٹھ گئی

ان دنوں دختر رز کا نہیں ملتا ہے پتہ
کہیں قاضی کے تو گھر جا کے نہیں بیٹھ گئی

سقف گردوں کی بھی آ دیدۂ تر تجھ پہ بلا ہا
چار سو جبیں بھی تری اٹھ نہ سکیں بیٹھ گئی

دور سے بھی جو نظر آئی کبھی شکل امید
پاس آ کر مرے پہلو کے قریں بیٹھ گئی

رستمی پہ جو تری زلف مسلسل آئی
دھاک تا تار سے تا کشور چیں بیٹھ گئی

کشتی عمر کا انجام ہمیں یاد آیا
کھا کے چکر کوئی کشتی جو کہیں بیٹھ گئی

لمعۂ حسن نے بخشا اسے افشاں کا فروغ
گرد بھی اڑ کے جو بالائے جبیں بیٹھ گئی

واہ رے شوق اشارہ مجھے قاتل نے کیا
دوڑ کر موت تہ خنجر کیں بیٹھ گئی

شعر پہ درد جو لکھنے پہ طبیعت آئی
سامنے آ کے مرے روح حزیں بیٹھ گئی

سخت جانی کے دکھائے کسے جوہر اب امیر
کہ تری باڑھ مدد تو اے خنجر کیں بیٹھ گئی

آنسوؤں سے نہ فقط گرد زمیں بیٹھ گئی
کشتی چرخ بھی چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

لنگر اس سے بھی گناہوں کا مرے اٹھ نہ سکا
ٹیک کر زانوں کو لنگا د زمیں بیٹھ گئی

تھا وہ گریاں کہ ہوئی تر کنواں کے بعد
نرم ہو ہو کے یہ اشکوں سے زمیں بیٹھ گئی

ہم کھڑے رہ گئے جب دم وہ نکل کر بیٹھے
صف رقیبوں کی لیا ر اور کہیں بیٹھ گئی

جس زمیں پر کہ مرا ابر طبیعت برسا
گرد ہنگامۂ پیشین و پسیں بیٹھ گئی

رشک رخسار نے تیرے کسے لاغر نہ کیا
کھنچتی ماہ کی اے زہرہ جبیں بیٹھ گئی

تار سا خاک کو بھی ضعف نے سر رکھا
یاں سے اٹھی تو سر عرش بریں بیٹھ گئی

کیوں نہ ہمچشموں میں ہو نام کی تصویر تری ۔ حلقۂ چشم میں مانندِ نگیں بیٹھ گئی
ادعا آنکھ سے اُس شوخ کی ہمچشمی کا ۔ کیوں تری آنکھ نہ اے آہوئے چیں بیٹھ گئی
چال نے تیری قیامت کو اُبھرنے نہ دیا ۔ ٹھوکریں ایسی لگائیں کہ وہیں بیٹھ گئی
دی رقیبوں کو نشانی جو انگوٹھی اُسنے ۔ چوٹ دل پر صفتِ نقشِ نگیں بیٹھ گئی
کبھی لیلیٰ کی سُنگائی جو خبر مجنوں نے ۔ ڈاک صحرا میں غزالوں کی وہیں بیٹھ گئی
مار کھا کر نہ درِ یار سے سرکا عاشق ۔ کوئی ہڈی بھی جو سرکی تو وہیں بیٹھ گئی
کوہکن کو مزۂ الفتِ شیریں اُٹھا ۔ ضرب تیشے کی جو بالائے جبیں بیٹھ گئی
بہرِ آدم جو فرشتوں نے اُٹھائی مٹی ۔ ایسی چلائی کہ آوازِ زمیں بیٹھ گئی

رفعتِ طبع کہاں دل نہ لگا اس میں امیرؔ
پست مضمون سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

جان تن سے جو تڑپ کر شبِ فرقت نکلی ۔ دل نے خوش ہو کے کہا ایک یہ حسرت نکلی
بتکدے میں ہمیں اللہ حرم سے لایا ۔ شکرِ صد شکر یہاں ایک تو صورت نکلی
کیوں اجی غازہ مرے خون کا مل کر دیکھا ۔ اور ہی چہرہ ہوا اور ہی رنگت نکلی
ڈال کر منھ پہ نقاب اُسنے کیا مجھ کو حلال ۔ دمِ آخر بھی نہ دیدار کی حسرت نکلی
بہرِ نظارہ جو قرآں میں بھی دیکھی فال ۔ لن ترانی کے سوا اور نہ آیت نکلی
ہاتھ تک مفتی و قاضی کو لگانے نہ دیا ۔ دخترِ رز تو بڑی صاحبِ عصمت نکلی
سیکڑوں ڈوب کے مر چاہِ ذقن میں تیرے ۔ اس بھنور سے کوئی کشتی نہ سلامت نکلی
طور پر برقِ تجلی سے جو موسیٰ ہوئے غش ۔ خوب دیکھا تو وہ تیری ہی شرارت نکلی

بڑھ گئی حسن پرستی کے مجھے حرص امیرؔ
ہائے پیری تو جوانی سے بھی آفت نکلی

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی ۔ کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی

شبِ وصل اِدھر سے اُدھر ہو گئی ‏ بدلتے ہی کروٹ سحر ہو گئی
نہیں ملتی یہ بھی تو دو دو پہر ‏ مری نبض اُس کی کمر ہو گئی
دیا موت نے پیاس میں جامِ آب ‏ کہ جی ڈوبتے آنکھ تر ہو گئی
بہت آمد آمد تھی اُس گل کی گرم ‏ پڑا مینہ تو ٹھنڈی خبر ہو گئی
کسی کروٹ آیا شبِ غم نہ چین ‏ تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی
کھٹکتی ہے اب رہ گئی آنکھ میں ‏ رگِ جاں مجھے نیشتر ہو گئی
الٰہی شبِ غم میں اتنا تو ہو ‏ کوئی جھوٹ کہدے سحر ہو گئی
چبھی دل میں اُس گل کی باریک بات ‏ رگِ گل مجھے نیشتر ہو گئی
کرے کون اب اُڑ کے سیرِ چمن ‏ کہ بلبل تو بے بال و پر ہو گئی
میں حیران ہوں وہ زلف و رخ دیکھ کر ‏ سرِ شام کیونکر سحر ہو گئی

ہمیں سر پٹکتے ہی گذری اسیر
یونہیں عمر ساری بسر ہو گئی

لذت جو ملی مرے لہو کی ‏ خنجر نے بلائیں لیں گلو کی
آنکھیں دمِ قہر جنگجو کی ‏ تیغیں ہیں بھری ہوئی لہو کی
کی دل شکنی نہ تند خو کی ‏ سختی پہ بھی نرم گفتگو کی
خموشی سے کہو کہ چپ رہیں اب ‏ باری ہے ہماری گفتگو کی
روئے مری قبر پہ وہ آ کر ‏ ہم خاک ہوئے تو آبرو کی
منہ اپنا نہ آرسی میں دیکھو ‏ سنبھلے گی نہ چوٹ روبرو کی
کی جس پہ نگاہ تجھ کو دیکھا ‏ اب تک تو نظر کہیں نہ چوکی
جز دیر و حرم کہاں میں جاؤں ‏ راہیں تو یہی ہیں جستجو کی
جائیگا جنوں نہ سر سے بے ذبح ‏ ہو فصد مری رگِ گلو کی

ساقی نے سنگھائی غش میں مٹی ۔۔۔ سوندھی سوندھی مجھے سبو کی
تن ہے غم زلف میں یہ لاغر ۔۔۔ ہر عضو بدن گرہ ہے مو کی
تھا چار طرف اُسی کا جادہ ۔۔۔ کیوں نعش ہماری قبلہ رو کی
پلکیں دم جوشش خونفشانی ۔۔۔ دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی
اُس رخ کو میں آئینہ کہوں کیا ۔۔۔ ہے یہ تو مثال روبرو کی
وہ مست ازل ہوں ساقیا میں ۔۔۔ مٹی ہے خمیر میں سبو کی
دل ہی نہ رہا امید کیسی ۔۔۔ جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی
اب کیوں ہیں کلیم غش میں خاموش ۔۔۔ پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی
لا کہہ کے دہن کو ہم ہوئے نیست ۔۔۔ دو حرف میں ختم گفتگو کی

ق

کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ ۔۔۔ خود دید کی اپنی آرزو کی
تھا پردۂ ظاہری جو منظور ۔۔۔ آواز بدل کے گفتگو کی

کلفت نہ مٹی امیرؔ دل سے
اشکوں نے ہزار شست وشو کی

بیعت پیر مغاں طرفہ مزا دیتی ہے ۔۔۔ سلسلہ ساقی کوثر سے ملا دیتی ہے
یہ دم رقص وہ پازیب صدا دیتی ہے ۔۔۔ بخت خفتہ مرے جھنکار جگا دیتی ہے
حیرت عشق رخ اوج دکھا دیتی ہے ۔۔۔ چھت سے آنکھیں یہ مریضوں کی لگا دیتی ہے
چشم نمناک بھی ہے واقف اعجاز مسیح ۔۔۔ ابر مردہ اگر آتا ہے جلا دیتی ہے
بڑھ کے جب بولتی ہے موسم گل میں بلبل ۔۔۔ جل کے پھولوں میں صبا آگ لگا دیتی ہے
کیا عجب گر ترے بیمار کو صحت ہو جائے ۔۔۔ یاد عارض اُسی قرآں کی ہوا دیتی ہے
غم یہ ہے ہجر میں مرنے کی ہوس ہے دل کو ۔۔۔ مرگ اُلٹے مجھے جینے کی دعا دیتی ہے

کنج عزلت میں مجھے سوجھتی ہے موت ہی موت / بیکسی گور غریباں کا پتا دیتی ہے
ناگہے پر نہیں لاتی ہے صبا نکہت گل / سن کے اِس کان سے اُس کان اڑا دیتی ہے
پوچھتے ہیں جو شب ہجر میں ہم شمع سے حال / منہ سے کہتی نہیں کچھ اشک بہا دیتی ہے
کم نہیں قند مکرر سے تمہاری تکرار / کیا کہوں کیا مرے کانوں کو مزا دیتی ہے
صدمۂ ہجر سے کیونکر نہ ہو نالاں مرا دل / ٹھیس لگتی ہے تو چینی بھی صدا دیتی ہے
جان پر صدمہ شب ہجر ہے سونا کیسا / آنکھ لگتی ہے تڑپ دل کی جگا دیتی ہے
یاں کے تھا خیال تجھے اک روز فنا کر دیگی / یہاں دھوکا سے جہات جو قضا دیتی ہے
لاغری نے یہ مٹایا کہ کوئی گھر میں نہیں / دستک آ آ کے عبث در پہ قضا دیتی ہے
ہے بجا کہیئے اگر دولت دنیا کو پری / ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے
سامنے جا کے جو کرتا ہوں کسی وقت سلام / پھیر لو منہ انھیں پر چاہ یہ حیا دیتی ہے
پھرتی ہیں گردن عشاق پہ دو ہری تیغیں / ساتھ کیا اُن کی اداؤں کی قضا دیتی ہے
ہم برہنہ فقط اس دور میں ہیں ورنہ بہار / ٹوپیاں غنچوں کو پھولوں کو قبا دیتی ہے

کیجئے غور تو دولت بھی پیمبر ہے امیر
کہ کریموں کو خدا سے یہ ملا دیتی ہے

سوچ لے بہ عہد وقت انکار کے / دونوں لب ہیں دو گواہ اقرار کے
بندے ہیں حسن ملیح یار کے / ہیں نمک پروردہ اس سرکار کے
مر گئے عشاق چشم یار کے / صدقے تھے اترے مردم بیمار کے
تیرے ابرو کے اشارے غیر سے / مجھ کو گہرے زخم ہیں تلوار کے
عرش پر رکھا قدم مجھ زار نے / گر کے نیچے یار کی دیوار کے
باہر اُس یوسف نے جب رکھا قدم / بھر گئے دونوں سرے بازار کے
کنہ باری میں مقر ہو عجز کا / جیت لے بازی کو ہمت ہار کے

نعمت کونین سے دل سیر ہے — ایک بھوکے ہیں ترے دیدار کے
زیور اس گل نے اُتارا میرے بعد — پھول تربت پر چڑھائے ہار کے
میری حالت پر گرے ہیں بارہا — اشکِ چشمِ روزنِ دیوار کے
آرزو یہ ہے کہ پشتی کی طرح — ڈھیر ہوں پیچھے تری دیوار کے
خوں بہا موسیٰ سے لیں گے روزِ حشر — کشتے چشمِ سرمگیں یار کے
عشقِ ابرو میں کہاں صبر و قرار — چل دیے سب کھنچتے ہی تلوار کے
میکدے میں آئے تو پھنس جائے شیخ — پیچ اُلجھیں پانوں میں دستار کے
مر کے جب پہنا کفن سمجھے یہ ہم — زیبِ تن کپڑے کیے دربار کے

ذلت و خواری و رسوائی امیرؔ
سب ہیں دھبے دامنِ پندار کے

آئے بالیں پر جو مجھ بیمار کے — خوب روئے موت ڈاڑھیں مار کے
ہوئے مژگاں گرد چشمِ یار کے — ہیں مگس رال مردمِ بیمار کے
دیکھ کر زخموں کو جسمِ زار کے — روئے چھالے پھوٹ کر تلوار کے
تیرے منہ سے ہاں نہیں دونوں ہیں خوب — صدقے اس انکار اُس اقرار کے
باغباں مجھ پر ہوا تب مہرباں — پھول جب کانٹے ہوئے گلزار کے
ضبطِ گریہ کیا کروں اے ہم صفیر — پھول کمھلا جائیں گے گلزار کے
ہیں وہ لاغر باغ میں پھیلا کے پانوں — سوتے ہیں سایے میں نوکِ خار کے
عشقِ ابرو میں سر اُترا دوش سے — چڑھ گئے ہم دم پر اس تلوار کے
کھیلتا ہے یار گھر بیٹھے شکار — ہنس کو دکھلا کے موتی ہار کے
شیخ کعبے میں برہمن دیر میں — سب ہیں مجرائی ترے دربار کے
داغ ہائے عشق کمھلاتے نہیں — پھول ہیں کس بےخزاں گلزار کے

نالۂ عاشق پہ ترچھی کی نگاہ — وار برچھی پر ہیں تلوار کے
حادثوں سے بے خطر ہیں خاکسار — کب دبا سایہ تلے دیوار کے
شمع بالیں سے یہ کہدے اے صبا — سر پہ روتا ہے کوئی بیمار کے
پھول کملائے نہیں ہیں گلفروش — ناز پروردہ ہیں یہ گلزار کے
مور کی آنکھیں ارم میں دیکھ کر — رخنے یاد آئے تری دیوار کے
واعظا سمجھا ہے تو دوزخ جسے — کچھ شرر ہیں آہ آتشبار کے

روز محشر کشتگان قد امیر
ہوں گے سائے میں علمبردار کے

جو بحر عشق میں ہے وہ آفت رسیدہ ہے — گرداب مثل موج گریباں دریدہ ہے
مضمون ضعف ہو قلم آہ سے رقم — سینہ رگوں سے صفحہ مسطر کشیدہ ہے
مرتا ہوں شوق قتل میں ملتی نہیں گلے — قاتل کی طرح تیغ بھی مجھ سے کشیدہ ہے
روشن ہے راز عشق ہمارے سکوت سے — اس انجمن میں شمع زبان بریدہ ہے
بیہوش کر دیا مجھے وحشت نے اسقدر — آہو بھی میرے دشت میں از خود رمیدہ ہے
تعریف کرتے ہیں بن دنداں سے اہل ذوق — جو شعر تازہ ہے گہر نو رسیدہ ہے
روتا ہوں یاد چشم میں کس خوش نگاہ کی — ہر تار اشک دام غزال رمیدہ ہے
چن چن کے رکھ لیے صفت آئینہ میں شعر — دیوان میں ہمارے جو مضمون چیدہ ہے
پایا کسی نے سر محبت نہ آج تک — افسانہ عشق کا خبر نارسیدہ ہے
سرتا قدم وہ شوخ ہے مست شراب حسن — رنگ حنا سے ہاتھ رخ نے کشیدہ ہے
غافل یہ موت کہتی ہے پیری میں صبح و شام — عمر اخیر عہد بپایاں رسیدہ ہے

گلزار تن سے طائر دل اڑ گیا امیر
سینہ اب آشیانۂ مرغ پریدہ ہے

ہر اک عضو بدن پر داغ عشق یار جانی ہے
مرے دفتر کے ہر ہر فرد پر اُسکی نشانی ہے

جو چہرہ ارغوانی تھا وہی اب زعفرانی ہے
شکن چہرے پہ نقش پائے طاؤس جوانی ہے

خدا اُنکو اپنی داستانیں سب سنائینگے
قیامت جسکو کہتے ہیں وہ بزم قصہ خوانی ہے

سبیل اے وحشیو کیا وادی وحشت میں رکھو گے
تمہارے آبلے کا ہیکو ہیں کوزوں میں پانی ہے

عبث برباد کرتی ہے اُڑا کے کوئے جاناں سے
صبا کیا میرے مشت خاک پر نامہربانی ہے

برنگ شمع جنکو خضر رہ ہے گرم رفتاری
فقط طے ایک شب میں اُنکی راہ زندگانی ہے

وہ میرے ہر خط کو دیدۂ بیگانہ سمجھے ہیں
نئے انداز کی اے نامہ بر یہ بدگمانی ہے

وہ شمع حسن دو آنسو بہا جاتا ہے ہر شب کو
ہماری قبر میں روشن چراغ مہربانی ہے

وہ پیاسا ہوں کہ مرجاؤں نہ مانگوں خضر سے پانی
گئی جب آبرو پھر خاک آب زندگانی ہے

بلائیں پھنس کے اے دل کام آئیگی یہ بدبختی
زمیں کوچۂ گیسو میں یہ کملی بچھانی ہے

خدا نے نیک صورت دی تو سیکھو نیک باتیں بھی
بُرے ہوتے ہو اچھے ہو کے یہ کیا بدزبانی ہے

پسا جاتا ہوں بار ضعف سے اُٹھا نہیں جاتا
وہ لاغر ہوں گراں مجھ پر لباس ناتوانی ہے

ہوا ہوں زندہ در گور انتہائے ضعف سے یارب
مری چھاتی پہ سل ابتک یہ سنگ سخت جانی ہے

امیر اس عاشقی کا لطف ہے فصل جوانی میں
اندھیری رات میں کہنے کے قابل یہ کہانی ہے

خدا نے شان یوسف سے تمہاری شان افضل کی
کھلی سب نقش ثانی سے حقیقت نقش اول کی

کھلا مضمون یہ ہمکو دیکھ کر تحریر کاجل کی
کہ حاجت ہے بیاض چشم میں بھی خط جدول کی

چمن کو کون جائے سیر کو ساون کے بادل کی
کہ زنجیریں پڑی ہیں پاؤں میں اشک مسلسل کی

شب وصلت میں مجھ سے جبر اُن پہ ہو نہیں سکتا
تڑپ جاتا ہے دل فریاد سن کر اُنکی چھاگل کی

جو عشاق کمر نالے نہیں کرتے تو زیبا ہے
عدم کے جانیوالوں کو کہاں حاجت ہے مشعل کی

ہزاراں منعموں کو ہوش میں لاؤ نہیں سنتے
یہ سچ ہے ایک تو نشے میں ہے مستی ایک تو تل کی

کبھی گیسو کبھی موئے کمر میں قید کر رکھا
پھنائی یار نے بیڑی کبھی بھاری کبھی ہلکی

تماشا بوستاں کا دیکھیے تو چشمِ نرگس سے
ہرن کی آنکھ سے وحشت میں کیجے سیر جنگل کی

شبیہ ان مردمانِ منکرِ توحید کی کھینچوں
سیاہی ہاتھ آ جائے جو مجھ کو چشمِ احول کی

نجات اندیشۂ امروز و فردا سے نہیں ممکن
اگر کل فکر ہمکو آج کی تھی آج ہے کل کی

فراقِ یار میں جاؤں اگر سیرِ گلستاں کو
جگر کے پار ہو جائے سناں ہر ایک کونپل کی

تغافل پیشگی بیداریِ طالع کا باعث ہے
کہی یہ سوچ کر تعبیر ہم نے خوابِ مخمل کی

یہ چھپیگی کیمیا کیونکر ترے صحرا نشینوں سے
پتا پوچھیں گے جب وہ بوٹیاں بولینگی جنگل کی

جو سونگھے اُس گلِ خوبی کی خوشبو دردِ سر جائے
مگر طینت میں مٹی ہے زمینِ عطرِ صندل کی

جہاں کی سرد مہری سے نہیں غم ہم فقیروں کو
دوشالوں سے کہیں بڑھ کر ہے گرمی اپنے کمل کی

صفائے سینۂ جاناں پہ لہراتا ہے یوں گیسو
کہ جیسے سانپ کو بدمست کر دیتی ہے صندل کی

خدا سمجھے جو مجھ کو اور تم کو غیر کیا پروا
ہمیشہ ایک کو دو دیکھتی ہے آنکھ احول کی

امیر اک روز یہ گل سوکھ کر ہو جائینگے کانٹے
چمن کی جو روش ہے آجکل جھاڑی ہے جنگل کی

ہم اُس کے عشق میں صبر و قرار کھو بیٹھے
قدیم دوست ہمیشہ کے یار کھو بیٹھے

بتوں کے عشق میں ہم جانِ زار کھو بیٹھے
عجب امانتِ پروردگار کھو بیٹھے

سوالِ وصل کا کرنے سے یہ ہوا حاصل
کہ آسرا ترے امیدوار کھو بیٹھے

کھلا نہ اشک بہانے سے کوئی عقدۂ دل
گرہ میں تھے جو دُرِ شاہوار کھو بیٹھے

وفا کا عہد کیا دے کے دل تو یہ پایا
کہ پھیر لینے کا بھی اختیار کھو بیٹھے

خطا ہوئی جو کیا تم سے غیر کا شکوہ
تمہارے آگے ہم اپنا وقار کھو بیٹھے

سرِ خدنگِ نگہ آ چکا تھا طائرِ دل
تم آنکھ پھیر کے اپنا شکار کھو بیٹھے

کریں گے منزلِ عقبیٰ کو اب یہ کیونکر طے
کہ زادِ راہ غریب الدیار کھو بیٹھے

ہزار حیف نہ آئی اجل نہ وہ بد عہد
ہم آنکھیں مفت شب انتظار کھو بیٹھے

لیا جو خواب میں بوسہ تو یار جاگ اُٹھا
تمام عمر کا ہم اعتبار کھو بیٹھے

قرار اب کسی پہلو ہمیں نہیں آتا
کہ دل سے صبر ہم اے جان زار کھو بیٹھے

ہلال ابروے ساقی کی یاد بھول گئی
کلید میکدہ ہم بادہ خوار کھو بیٹھے

بلائیں لیتے ہی وہ اور ہو گیا وحشی
ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا شکار کھو بیٹھے

مرے گلے پہ پڑا خطرہ سخت جانی سے
رگڑ کے مفت وہ خنجر کی دھار کھو بیٹھے

نہ ہوش ہے نہ خرد ہے نہ صبر اب مجھکو
یہ ہمنشین تھے جو تین چار کھو بیٹھے

گلوں نے خندۂ بیجا سے یہ ثمر پایا
کہ چار دن بھی نہ گذرے بہار کھو بیٹھے

ادا وہ کون تھی جس پر ہوئے فقیر اسیر
ذرا سی بات پہ صبر و قرار کھو بیٹھے

مرا احوال کر سکتا نہیں اُنسے بیاں کوئی
دہن میں میرے قاصد کے مری رکھدے زباں کوئی

کہے کیا باغباں سے راز دل غنچہ بیاں کوئی
دہن جب بند ہو کب کھول سکتا ہے زباں کوئی

خط عارض کو اُسکے دیکھکر یہ دھیان آتا ہے
دیار حسن میں اُترا ہوا ہے کارواں کوئی

ہزاروں خار لاکھوں پھول اس گلشن میں ہیں لیکن
نہ تم سا نازنیں کوئی نہ ہم سا ناتواں کوئی

دیا ہے خط مگر اب رشک سے پچھتا کے کہتا ہوں
کہیں بتلا نہ دے قاصد کو اُس بت کا نشاں کوئی

سوائے کعبہ بتخانوں میں کیا اپنے قدم جاتے
ملا سجدے کے قابل اور کسکا آستاں کوئی

نظر میں میرے پھر جاتی ہے صحبت ناوک دل کی
نظر آتا ہے جب گھر میں کسی کے میہماں کوئی

مدد پیروں سے چاہیں نوجواں مقصود کو پہنچیں
نشانے تک نہیں جاتا ہے ناوک بے کماں کوئی

نیا دیکھو وہ نرگس زار میں گھبرا کے کہتے ہیں
اِدھر آنکھیں اُدھر آنکھیں نقاب اُلٹے کہاں کوئی

نگاہ پرورش پھیرے اگر لطف و کرم اُسکا
نہ ہو پھر طفل طفل اشک کی صورت جواں کوئی

اُٹھانا کوہ کا آساں اُٹھانا بات کا مشکل
قوی مجھ سا ہے عالم میں نہ مجھ سا ناتواں کوئی

شفیق ایسا سگ جاناں ہو آتا ہے خبر لینے
سرک جاتا ہے جب تن کی جگہ سے استخواں کوئی

قفس کی تیلیاں ہیں جتنی شاخیں ہیں یہ خوب تنکا
کہاں باندھے الہیٰ اس چمن میں آشیاں کوئی

جو چلاتا ہوں فرقت میں محلے والے کہتے ہیں
کرو منہ بند کیا سر پر اٹھاؤ گے مکاں کوئی

مزہ تب ہے کہ وہ بھی ہو کسی معشوق پر عاشق
کرے میری طرح اسکا بھی ہر دم امتحاں کوئی

مجھے یوں ڈھونڈھتا پھرتا ہے ناوک اس ستمگر کا
پھرے بیتاب جیسے طائر بے آشیاں کوئی

ہمارے عشق کی کیوں مثنوی شاعر نہیں کہتے
کہاں پائینگے گرما گرم ایسی داستاں کوئی

کمال جذب سے تالامکاں پہنچے امیر احمد
رہا معشوق و عاشق میں نہ پردہ درمیاں کوئی

آج کیا کرتے ہو غمزے وصل میں یا ہر دم نئے
یہ تو سمجھو تم نئے ہو جان من یا ہم نئے

بیخودی دکھلاتی ہے جلوے مجھے ہر دم نئے
ہے عجب عالم کہ ہر عالم میں ہیں عالم نئے

ہر گھڑی دل میں نظر آتی ہیں کیا کیا صورتیں
زاتدن عالم دکھاتا ہے یہ جام جم نئے

دیکھیے بھالے ہیں یہ کوچے جانے بوجھے ہیں یہ رنگ
تم سمجھتے ہو کہ ہم دیتے ہیں اسکو دم نئے

حسن روز افزوں بھلا دیتا ہے پہلے قاعدے
روز ہو جاتے ہیں اس محفل میں جا کر ہم نئے

کسطرح تشبیہ دیں سنبل سے اسکو موشگاف
پیچ اس گیسوئے پیچاں میں نئے ہیں ہم نئے

پاتے ہیں ہر روز آنکھوں کی تری میں لخت دل
گل کھلایا کرتی ہے ہر روز یہ شبنم نئے

میزبانی کر بچھا جود و سخاوت کی بساط
ل رہیں گے روز مہماں تجھکو اے حاتم نئے

ہے عجب وسعت تصور میں کہ اس کے حد نہیں
بنہ کی آنکھیں تو دیکھے سیکڑوں عالم نئے

ہے کہ چھنکتی میں بنکتی میں وہ غمزہ ناسور
چوٹیں آتی ہیں نرالی پیچ ہیں ہر دم نئے

سامنا ہے روئے جاناں سے سیہ سے ہو سفید
عید ہے کپڑے بدل اے دیدۂ پرنم نئے

ہر غزل میں تازگی مشکل ہے اے طبع رسا
کہنہ شقوں کو بھی ہاتھ آتے ہیں مضموں کم نئے

کہنہ رنجوں سے جو دل گھبرا گیا ہے اے امیر
ڈھونڈھتا پھرتا ہوں میں سارے جہاں میں غم نئے

مدت ہوئی کہ جی مرا جینے سے سیر ہے
اے جان تیرے منہ سے نکلنے کی دیر ہے

کیا جانے کس لیے نگہ دیر دیر ہے
طغیان آب شرم بھی دریا کا پھیر ہے

آتے ہیں روز دل کی زیارت کو رنج و غم
سینہ مرا نہیں کسی مرشد کا ڈھیر ہے

غیروں کو پھاڑ کھائے سگ یار تو کہوں
اے شیر داہ تو ہی تو شیروں کا شیر ہے

آئے جو نزع میں تو یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے
ہم جاتے ہیں یہاں ابھی رخصت میں دیر ہے

بتخانے ہوتے جائیں گے ہم تو سوئے حرم
ہونے دو دو قدم کا جو رستے میں پھیر ہے

کر اک نگاہ سینۂ پر داغ کی طرف
پھولوں کی تیری نذر کو حاضر چنگیر ہے

کیا پہلوان مرگ کو بازو طاقتوی
افراسیاب سا بھی زبردست زیر ہے

الفت ہی کی تو آگ میں جلنے کا خوف کیا
پروانے سے زیادہ مرا دل دلیر ہے

رکھتے نہیں زمیں پہ قدم صاحبان گیر
یاد بروت بام فلک کی منڈیر ہے

جینے سے کیوں نہ سیر مرا دل ہو اے امیر
ہم نیم جاں ادھر نگہ دیر دیر ہے

کبھی سمجھا نہ آگے کیا ہم اس خود سر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

ادھر کم نزع میں مہلت ادھر بیتابی در وقت
نہ روؤ چپ رہو کیونکر یہ سارے گھر کو سمجھاتے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھکو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

خدا ایسا بھی ہوتا ہے بنائیں جسکو خود بندے
سمجھتا تو خلیل اللہ یہ آذر کو سمجھاتے

بتاتے راہ اسی کوچہ کے سب گم کردہ راہوں کو
ہمیں ملتے تو ہم یہ خضر پیغمبر کو سمجھاتے

کوئی کہتا نہ آتے باز میرے قتل سے ہرگز
جو دنیا ان کو سمجھاتی وہ دنیا بھر کو سمجھاتے

انگوٹھی کیا نہ دیتا ہم کو وہ چھلا نشانی کا
اگر آکر سلیماں اس پری پیکر کو سمجھاتے

یہ ضد ہو دیکھئے گر شمع روشن میرے تربت پر
اسی دم جاکے گل کردے وہ یہ صرصر کو سمجھاتے

وہ شاہ حسن ہو تو عہد اکبر میں اگر ہوتا
نگیں کر پیشکش یہ نورتن اکبر کو سمجھاتے

خدا ہمت اگر دیتا تو اپنے قتل کی چالیں — کبھی قاتل کو سمجھاتے کبھی خنجر کو سمجھاتے
نہ لے جانا ہمیں نخوت بڑھانے کو حسینوں میں — زباں ہوتی تو آئینے یہ روشن گر کو سمجھاتے
تڑپ کر رہ گئے اُس محفل میں دو گھڑی کیا رسوا — دلِ ناداں کو سمجھاتے کہ چشمِ تر کو سمجھاتے

امیر اب کی ہو سودا جوش پر ہم کو اگر ملتا
بنانا بیڑیاں بھاری یہ آہنگر کو سمجھاتے

عشق میں جینے کے بھی لالے پڑے — ہائے کس بیدرد کے پالے پڑے
وادیٔ وحشت میں جب رکھا قدم — آ کے میرے پاؤں میں چھالے پڑے
دل چلا جب کوچۂ گیسو کی سمت — کوس کیا کیا راہ میں کالے پڑے
دور تھا زنداں سے کیا دشتِ جنوں — چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑے
کس نگہ نے کر دیا عالم کو مست — ہر جگہ لاکھوں ہیں متوالے پڑے
ہجر میں جب منہ لگایا جام کو — سیکڑوں ہونٹوں پہ تبخالے پڑے
طوقِ وحشت اپنی گردن میں پڑا — یار کے کانوں میں جب بالے پڑے

تجھ کو اک آنسو کی حسرت ہے امیر
کتنے مینھہ برسا گئے جھالے پڑے

آنکھ اُس کے حضور رو رہی ہے — ساتھ اپنے مجھے ڈبو رہی ہے
دیدار کہاں کہ دور ہے حشر — قسمت ابھی اپنی سو رہی ہے
کیا باغ میں دیکھتی ہے شبنم — جو گل کی ہنسی پہ رو رہی ہے
اللہ رے حسنِ دخترِ رز — زاہد کے حواس کھو رہی ہے
کیا کشتی و ناخدا کا شکوہ — تقدیر ہمیں ڈبو رہی ہے
مقراض کتر کتر کے وہ خط — کانٹے مرے حق میں بو رہی ہے
نرگس کو صبا نہ چھیڑ اتنا — سونے دے غریب سو رہی ہے

گلشن میں جو ابر ہے دھواں دھار     میخواروں میں دھوم ہو رہی ہے
اُس تیغ کے منہ چڑھے نہ بجلی     کیوں جان سے ہاتھ دھو رہی ہے
کیا شوخ ہے اُس کی یادِ مژگاں     دل میں نشتر چبھو رہی ہے
ہم جاگ رہے ہیں ہجر کی شب     تقدیر ہماری سو رہی ہے

احسان ہے امیرؔ چشمِ تر کا
نامے کی سیاہی دھو رہی ہے

طرفہ پیغام یہ الفت کی نظر کہتی ہے     کہ مرے دل کی ترے دل سے خبر کہتی ہے
آج آتا ہے وہ گل بادِ سحر کہتی ہے     سچ ہو یارب جو یہ اُڑتی سی خبر کہتی ہے
بلبل و گل میں ہے غماز نسیمِ سحری     کچھ اِدھر کہتی ہے کچھ جا کے اُدھر کہتی ہے
جوہری کیا ترے دانتوں سے ملاتے ہیں اُسے     پانی پانی ہوں یہ خود آبِ گہر کہتی ہے
غنچۂ گل مجھے کہتے ہیں یہ کہتا ہے دہن     رگِ گل میں ہوں یہ باریک کمر کہتی ہے
یاد پچھلوں کی دلاتے ہیں مجھے موئے سپید     گردِ رہ قافلے والوں کی خبر کہتی ہے
ماہِ نو میں ہوں یہ اُس تیغ کا ہے دوش پہ قول     بدر میں ہوں یہ پسِ پشت سپر کہتی ہے
نوجواں رعشۂ پیری کا مزہ کیا جانیں     عضو تن وجد میں ہیں جنبشِ سر کہتی ہے
شام کا ہے یہ اشارہ کہ پہن رخت سیاہ     چاک کر ڈال گریباں یہ سحر کہتی ہے
بحرِ عالم میں سفینہ کوئی بچنے کا نہیں     ہمہ تن ہو کے زباں موجِ خطر کہتی ہے
متحمل ہے اگر غم کا تو دل ہے میرا     تیغ رکتی ہے مجھی سے یہ سپر کہتی ہے

کیوں زباں تیغ کی خاموش ہے محفل میں امیرؔ
حالِ قاتل سے مرا کہہ دے اگر کہتی ہے

باندھی جو روزِ حشر ہوا ہم نے آہ کی     اُڑتی پھرے گی فردِ ہمارے گناہ کی
شرکت نہ کی ہلال میں کس دادخواہ کی     دل پر کسی کے چوٹ پڑی ہم نے آہ کی

اب دشمنی ہے اُس کو تو کچھ راہ راہ کی — سیدھی طرح سے یار نے ترچھی نگاہ کی
عاشق کے دل میں عشق بتاں کا کہاں گزر — یہ چھاؤنی ہے فوج غم و درد و آہ کی
عاشق ہوں فوج اشک کا آنکھوں میں دو جگہ — سردار کو ضرور ہے خاطر سپاہ کی
گہنا ئینگے چڑھینگے جو اُس تند خو کے منھ — کہدو کہ شامت آئی ہے خورشید و ماہ کی
اُس گل کو کیوں نہ بھیجے ہیں وحشی جو خط لکھوں — صحرا میں ڈاک بیٹھی ہے مردم گیاہ کی
بھاری بہت ہے لاؤ نگار و زر جزا میں رند — رکھوا کے سر پہ شیخ کے گٹھری گناہ کی
دامن سے کیوں چھپاتے ہو بالوں کو راہ میں — آندھی نہیں ہے گرد ہماری نگاہ کی
دل سے پتا ملے گا زنخدان یار کا — یوسف سے راہ پوچھئے کنعاں کے چاہ کی
ہے روندنے سے کام جنبرہ رووں کو کیا — تربت گدا کی ہو کہ لحد بادشاہ کی
میں رند خواب مرگ سے اٹھا تو دیکھنا — پرسش ہی روز حشر اٹھا دے گناہ کی
کندن سا چہرہ دیکھو کبھی آئینے میں تم — سونا ملاؤ مہر کا چاندی میں ماہ کی
خرمن ہزار صبر کے اک دم میں جل گئے — بجلی چمک گئی جدھر اُس نے نگاہ کی
ہوں وہ خلیل دیر میں توڑوں اگر صنم — آواز آئے اشہد ان لا الہ کی
پائے قلم نے لکھ کے ترے گیسوؤں کا وصف — خلخال پہنی حلقۂ مار سیاہ کی
کہدوں گا سب گناہ مرے تجھ کو یاد ہیں — کیوں فرد کاتباں عمل نے سیاہ کی

سر قتل گہ میں دے کے عدم کو گیا امیر
لی گھر کی راہ پھینک کے گٹھری گناہ کی

آنکھ مجھ سے وہ لڑے اغیار سے — یار در گذرا میں ایسے پیار سے
ہے حسینوں کو خلش کچھ زار سے — پھول کچھ کھٹکے ہوئے ہیں خار سے
ذوق کا ہے عشق ابرو میں یہ حکم — عمر بھر رگڑوں گلا تلوار سے
لے چلی غربت جو صحرا کی طرف — مل کے ہم روئے در و دیوار سے

نور وہ شمس و قمر میں بٹ گیا  بچ رہا تھا کچھ جو کوئے یار سے
دور سے آخر ہوا آئی خزاں  میکشو اٹھو چلیں گلزار سے
تھے نہ موسیٰ غش پہ غش آیا جنہیں  یاں تو آنکھیں کھل گئیں دیدار سے
گرمیاں کرنے گئی تھی رات کو  رو کے اٹھی شمع بزم یار سے
بلبلوں کو دیکھ کر شیدائے گل  وہ بہت الجھے گلے کے ہار سے
پھول سب ہنستے ہیں شبنم کے لیئے  تو یہ چلی روتی ہوئی گلزار سے
پھیلی جو بکے ہوا سے بوئے مشک  مشک تاجر کب طرح تاتار سے
رنج و غم درد و الم ہیں غمگسار  جی بہلتا ہے انہیں دو چار سے
کیوں برستی ہے اداسی اے صبا  کون گل رخصت ہوا گلزار سے
چشم و دل دونوں غضب میں پڑ گئے  ذوق وصل و حسرت دیدار سے
بے طرح نرگس کی پڑتی ہے نگاہ  آپ اب باہر چلیں گلزار سے
ابرو و مژگاں پہ ہوتا ہوں نثار  ہے وصیت میرے ہر غمخوار سے
غسل دینا آب خنجر سے مجھے  قبر کھدوانا مری تلوار سے

وادی غربت میں پھرتا ہے امیر
کوئی کہہ دے اس غریب آزار سے

کیجئے قتل ابروئے خمدار سے  کاٹئے جو رنگ اس تلوار سے
مر کے چھوٹا کوہکن آزار سے  پائی چھٹی روز کی بیگار سے
کر چکے قتل اب کہیں رسوا نہ ہو  جاؤ دھو ڈالو لہو تلوار سے
اس کی مژگاں پر گرا پڑتا ہے دل  عشق ہے اس آبلے کو خار سے
دیکھنا میرے سیہ خانے کا در  دھوپ اترتی ہی نہیں دیوار سے
ہے مثل الیاس احدی الراحتین  موت اچھی عشق کے آزار سے

بے سبب چھاگل نہیں کرتی ہے شور
یہ بھی نالاں ہے تری رفتار سے

طور پر موسیٰ سے کہہ دو ہوشیار
برق ہے چمکی جلوہ گاہ یار سے

چشم جاناں کو ہے دو نیالہ گراں
اٹھ نہیں سکتا عصا بیمار سے

شعلۂ جوالہ ہے خلخال پا
اُس پری کی گرمی رفتار سے

غیر حالت دیکھ کے میری ارجمند
آنکھ اُس نے پھیر لی اغیار سے

ہو جو ناواقف ہم آغوشی کا ڈھنگ
سیکھ لو اپنے گلے کے ہار سے

ہر قدم پر سو طرح کی مستیاں
ٹپکی پڑتی ہیں تری رفتار سے

حکم ہے شوق شہادت کا یہی
دو قدم آگے چلوں تلوار سے

لاش ہی اٹھے یہاں سے تو اٹھے
اٹھ چکے ہم آستان یار سے

میں اسے پیر مغاں سمجھا امیر
مست جو نکلا در خمار سے

صلح کل میں ہے ابھی شرکت کہیں تھوڑی سی
اور اے پیر خرابات نشیں تھوڑی سی

مدد اے شوق سجود المدد اے شوق سجود
سر نہ اٹھے ابھی باقی ہے جبیں تھوڑی سی

کچھ تو پیدا ہو کباب دل بریاں میں مزہ
چاہیئے الفت خال نمکیں تھوڑی سی

دیکھ مشاطہ جگہ ڈھونڈھ رہے ہیں تارے
خالی افشاں سے نہ رہ جائے جبیں تھوڑی سی

جان آجائے ابھی جامے سے باہر ہوں نہیں
دے جگہ دل کو جو وہ پردہ نشیں تھوڑی سی

نقد جاں دل کی طرح دیجے ابھی لیتا ہوں
لذت درد جو ہاتھ آئے کہیں تھوڑی سی

خال ابرو کو جو دیکھا تو یہ معلوم ہوا
ملک ہندو میں ہے کعبے کی زمیں تھوڑی سی

دانہ خال ہی دکھلاتے ہیں جنس جمال
مانگی جاتی ہے اے پردہ نشیں تھوڑی سی

روزہ داروں کو نہیں خواہش نعمت اے شیخ
وقت افطار ملے نان جویں تھوڑی سی

نزع کا وقت ہے اب دیر نہ کر آنے میں
رہ گئی ہے نگہ بازپسیں تھوڑی سی

کوچۂ وہم ہے تاریک بھٹکنے کا ہے ڈر — چاہیئے روشنی شمع یقیں تھوڑی سی
خلق اغیار سے بیجا ہے نہیں گر عادت — اپنے دامن ہی سے لے لیجئے چیں تھوڑی سی
عشق گیسو میں مرے دل کا ہے سودا کچھ اور — بڑھ گئی بات تھی اے طفل حسیں تھوڑی سی
ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جان جہاں — اسی انداز سے کہہ کے کہ نہیں تھوڑی سی
کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں — پھر جو تسکین ہے دل کو تو وہیں تھوڑی سی

شور محشر کا سنا ذکر جو واعظ سے امیر
مل گئی لذت خال نمکیں تھوڑی سی

پائی راحت جو تہ خنجر کیں تھوڑی سی — آ گئی نیند دم باز پسیں تھوڑی سی
اُڑ گیا توسن دلدار جھجک کر کوسوں — گرد پہنچی جو مری تا سر زیں تھوڑی سی
بددماغی رہی اوروں سے یہاں تک کہ یہاں — لاکھ تیغیں ہیں مجھے چیں بہ جبیں تھوڑی سی
ہوں وہ کافر کہ جھکا سجدۂ بت میں سر دست — ابھی خالق نے بنائی تھی جبیں تھوڑی سی
میرے اشکوں سے یہ تر ہے نکل آئے پانی — کھود دے روزن کو اگر مور زمیں تھوڑی سی
دوستو قبر پہ شاید وہ قدم رنجہ کرے — وا کفن سے رہے سجدہ کو جبیں تھوڑی سی
سلطنت پہلے ہی کرتا نہ قبول ابراہیم — گر نہ ہوتی ہوس تاج و نگیں تھوڑی سی
تیری آنکھوں کے لیئے خلق ہوئی تھی شوخی — بچ گئی اُسمیں سے یہ آہوئے چیں تھوڑی سی
ہدیۂ دوست سمجھ کر ہیں ہوا شکر گذار — روکھی سوکھی جو ملی نان جویں تھوڑی سی
شوق سجدے کا ہے اُس مہر لقا کے در پہ — دمبدم سلیہ کی بڑھتی ہے جبیں تھوڑی سی
تنگ آئے ہیں بہت بیٹھ رہیں حال جاکر — اِس جہاں سے جو الگ پائیں زمیں تھوڑی سی
عذر تقصیر سے تقصیر ہی اچھی تھی مجھے — بڑھ گئی اور تری چین جبیں تھوڑی سی
نوک شمشیر سے کھینچی تری مژگاں کی شبیہ — رکھ گیا نوک کی صورت کہ چبھیں تھوڑی سی
بد دماغی کا نشاں بھی رہے کچھ اے نقاش — اُسکے نقشے میں بنا چیں بہ جبیں تھوڑی سی

خم چڑھا جائیں تو سمجھے کہ کوئی گھونٹ اترا — کیا پئیں ہم سے خرابات نشیں تھوڑی سی

بیتیں ہو سکتی ہیں اسمیں بھی بہت نظم امیر
گھر بنانیکو بہت ہے یہ زمیں تھوڑی سی

جو بعد مرگ مرے دلمیں کچھ غبار آئے — عجب نہیں ہے کہ آندھی تہ مزار آئے
وہ لیکے تیر و کماں جب پے شکار آئے — سلام کرنے ہرن باندھ کر قطار آئے
عجیب خواب گراں میں تھے خفتگان زمیں — کسی نے بھی نہ سنا ہم بہت پکار آئے
گڑھے میں گور کے پھینک آئے اقربا مجھ کو — سلوک خاک کیا سر کا بوجھ اتار آئے
فلک نے ساتھ معیت کے مجلسیں بھی دیں — جو فاقہ گھر میں ہوا میہماں ہزار آئے
ہم ایک بار بلانے پہ لاکھ بار گئے — وہ لاکھ بار بلانے پہ ایک بار آئے
ہمیں تو جان بھی دینے میں ہائے تو نہیں عذر — خدا کرے کہ کہیں تم کو اعتبار آئے
بندھا تصور مژگاں جو نزع میں سمجھے — پئے طلب در دولت سے چوبدار آئے
جنوں زدوں سے عداوت کو کوپلیں پھوٹیں — شکار فیل کو ترکان نیزہ دار آئے
خلیل سان میں نہ قائل ہوا ستاروں کا — بدل کے رنگ یہ بہروپیے ہزار آئے
غضب ہے دلمیں کیا گھر تمہاری آنکھوں نے — خراب کرنے کو مسجد میں بادہ خوار آئے
ہوا ہے چھوڑ کے خالق کو بندۂ مخلوق — بتوں کو خاک برہمن کا اعتبار آئے
شراب میکدہ کب ہے نصیب زاہد میں — حصول کیا ہے جو مطبخ میں روزہ دار آئے
جو ترک غیر کو میں نے کہا تو وہ بولے — کہاں کے آپ بڑے ایسے دوستدار آئے
گناہگاروں کا جو رنگ کھیل ہے اُن کو — اِدھر اُدھر گئے دو چار ہاتھ مار آئے
جلا ہوں یہ فلک سرد مہر کے ہاتھوں — لگاؤ ہاتھ تو کافور کو بخار آئے
کہاں فلاح کہ اب چاہتا ہے چرخ دنی — در بخیل پہ حاتم امیدوار آئے
یقیں ہے ذکر کرے میری جوش وحشت کا — جو آبلے کے دہن میں زبان خار آئے

جلا رہے ہیں شب غم میں اور بھی جگنو  کہاں سے اُڑ کے جہنم کے یہ شرار آئے
بھو نچوڑ کے بھر دوں وہ رند میکش ہوں  نظر جو شیشہ خالی دم خمار آئے

جنوں کی فکر احبا نے کی امیرؔ تو کیا
یقیں ہے آج ہی کل موسم بہار آئے

کون بیماری میں آتا ہے عیادت کرنے  غش بھی آیا تو مری روح کو رخصت کرنے
جان دو بھر غم فرقت میں یہ ہم کو لیکن  کون جائے ملک الموت کی منت کرنے
اُس کو سمجھاتے نہیں جا کے کسی دن ناصح  روز آتے ہیں مجھی کو یہ نصیحت کرنے
تیر کے ساتھ چلا دل تو کہا میں نے کہاں  حسرتیں بولیں کہ مہماں کو رخصت کرنے

آ گئے میخانے میں تھے پیر خرابات امیرؔ
اب چلے مسجد جامع کو امامت کرنے

بوقت بحر غم سے کشتی جان حزیں نکلی  کبھی ڈوبی کبھی اُچھلی کہیں ڈوبی کہیں نکلی
عجب انداز سے مقتل میں اُسکی تیغ کیں نکلی  کہ دل سے مرحبا نکلا جگر سے آفریں نکلی
زمانہ ہو گیا موجود جس دم ہاں کہا تو نے  ہوا نابود عالم جب ترے منہ سے نہیں نکلی
تعلی میں کمی کی کب ہماری طبع عالی نے  بنایا آسماں جب شعر کی کوئی زمیں نکلی
خدا کا شکر وہ بت نزع کے دم دیکھنے آیا  نظارے کی جو حسرت تھی وہ وقت واپسیں نکلی
دکھایا لطف زلف مشکبو نے طرہ افشاں نے  شب دیجور میں کیا چاندنی اے مہ جبیں نکلی
وہ کشتہ تھا حسینوں کا کہ میری خاک تربت پر  کسی نے کوئی بویا تخم شاخ یاسمیں نکلی
وہ کیا پردے سے نکلے جسکے پیراہن کو غیرت ہو  ہوا چیں بر جبیں دامن جو دیکھی آستیں نکلی
جو بجلی ابر میں چمکی کبھی قیس حزیں سمجھا  سیہ خیمہ سے باہر لیلی محمل نشیں نکلی
وہ تھا نغم دوست بن کر جور گردوں جب پڑا مجھ پر  شکست شیشہ دل سے صدائے آفریں نکلی
ہوئی تھی رہ جو رنگیں تری رنگیں خرامی سے  وہی قوس قزح بنکر سر چرخ بریں نکلی

سوال وصل اُس بُت سے کیا لیکن یہ ڈرتا ہوں
بنیگی ایک تیر کی اگر منھ سے نہیں نکلی

تصور بسکہ تھا دل میں امیر اُس روئے زیبا کا
پری بنکر ہمارے منھ سے آہ آتشیں نکلی

رند خراب تیرا وہ مے پئے ہوئے ہیں
مدت سے جان جس پہ زاہد دئیے ہوئے ہیں

کس شان سے وہ میکش آتا ہے میکدے میں
قاضی سبو صراحی مفتی لئے ہوئے ہیں

آتا نہیں نظر کچھ گو سامنا ہے اُس کا
کیا بیچ میں تحیر پردہ کئے ہوئے ہیں

ہو کون بخیہ گر سے زخمی کا تیرے ساعی
رشتہ کھنچا ہے سوزن منھ کو سیئے ہوئے ہیں

پیر مغاں وہ کامل مرشد ہے بادہ خوار و
جمشید بھی پیالہ اس کا پئے ہوئے ہیں

حرمت میں دختِ رز کی اصرار ہے جو اتنا
یہ بات کیا ہے رند و واعظ پئے ہوئے ہیں

رحم اب امیر پر بھی لازم ہے یار تجھ کو
کب سے دھونی وہ تیرے در پر دیئے ہوئے ہیں

دل عاشق میں کیونکر عکس روئے دلربا ٹھہرے
جہاں آفتاب آئینہ شبنم میں کیا ٹھہرے

سفر ٹھہرے تو قسمت ہیچ در پرکار کی صورت
قدم ہو ایک اگر اپنا رواں تو دوسرا ٹھہرے

جو چشم غور سے آئینہ توحید کو دیکھا
تو سب کچھ تو ہی ٹھہرا ہم نہ کچھ اے خود نما ٹھہرے

گیا مرقد تلک گھر سے جنازہ ڈاک پر اپنا
عزیز احباب پہلے راستہ میں جا بجا ٹھہرے

صفیں آراستہ ہونے لگیں جب اہل محشر کی
جدا کر ایک ٹکڑی حسرتوں کی ہم جدا ٹھہرے

زہے حسرت نکالے ہم گئے جب کوئے جاناں سے
بہت مڑ مڑ کے دیکھا دیر تک رد بر قضا ٹھہرے

قضا سیلاب طوفاں ہے وہ اک کشتی ہے بے لنگر
ترے رونے سے وہ کیونکر یہ ٹھہرائے سے کیا ٹھہرے

زمین کوئے جاناں بھی عجب عجیب تختہ تھا
جہاں ٹھہرے ہمارے پانوں گل نقش پا ٹھہرے

امام سبحہ کے مانند ہم اُس بزم کثرت میں
جو ٹھہرے سب میں ملکر بھی تو پھر سب سے جدا ٹھہرے

کمال عجز ہم کو لے اڑا اوج رسا بے پر
ہوئے بے بال و پر تو ہم مگر دست دعا ٹھہرے

رہے سائے کی صورت ساتھ ہم ہر شخص کے لیکن / جدا اُٹھے جدا بیٹھے جدا آئے جدا ٹھہرے
غبار رنگ آرائش سے روشندل بری ہیں / کہ آئینہ پر ممکن نہیں رنگ حنا ٹھہرے
نکالے جاتے ہیں ہر روز اُسکی پاس خاطر سے / ترے عاشق نہ ٹھہرے ہم عدو کا مدعا ٹھہرے

تپ غم سے امیر اخگر کی صورت جلتے ہیں اعضا
جو ٹھہرے تن پہ تو خاکستری شاید قبا ٹھہرے

فنا کیسی بقا کیسی جب اُسکے آشنا ٹھہرے / کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے
نہ ٹھہرا وصل کاش اب قتل ہی پر فیصلا ٹھہرے / کہاں تک دل مرا تڑپے کہاں تک دم مرا ٹھہرے
جفا دیکھو جنازے پر مرے آئے تو فرمایا / کہو تم بیوفا ٹھہرے کہ اب ہم بیوفا ٹھہرے
تہ خنجر بھی منہ موڑا نہ قاتل کی اطاعت سے / تڑپنے کو کہا تڑپے ٹھہرنے کو کہا ٹھہرے
زہے قسمت حسینوں کی بُرائی بھی بھلائی ہے / کریں یہ چشم پوشی بھی تو نظروں میں حیا ٹھہرے
یہ عالم بیقراری کا ہے جب آغاز الفت میں / دھڑکتا ہے دل اپنا دیکھئے انجام کیا ٹھہرے
حقیقت کھولدی آئینہ وحدت نے دوئی کی / نہ تم ہمسے جدا ٹھہرے نہ ہم تمسے جدا ٹھہرے
دل مضطر سے کہدو تھوڑے تھوڑے سب کے مرنے سے / ذرا بہکے ذرا سنبھلے ذرا تڑپے ذرا ٹھہرے
شب وصلت قریب آنے نہ پائے کوئی خلوت میں / ادب ہمسے جدا ٹھہرے حیا تمسے جدا ٹھہرے
اُٹھو جاؤ سدھارو کیوں سر مردے پہ روتے ہو / ٹھہرنے کا گیا وقت اب اگر ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
نہ تڑپا چارہ گر کے سامنے اے درد یوں مجھکو / کہیں ایسا نہ ہو یہ بھی تقاضائے دوا ٹھہرے
ابھی جی بھر کے وصل یار کی لذت نہیں اٹھی / کوئی دم اور آغوش اجابت میں دعا ٹھہرے
خیال یار آ نکلا مرے دل میں تو یوں بولا / یہ دیوانوں کی بستی ہے یہاں میری بلا ٹھہرے

امیر آیا جو وقت بد تو سب نے راہ لی اپنی
ہزاروں سیکڑوں میں درد و غم دو آشنا ٹھہرے

سوز جگر سے شمع شبستاں بغل میں ہے / داغوں کی روشنی سے چراغاں بغل میں ہے

کیا خوف ہو جو دفترِ عصیاں بغل میں ہے ۔ آنکھیں سلامت اشک کا طوفاں بغل میں ہے
ہمدم کھٹک جو ہوتی ہے سینے میں بار بار ۔ شاید بجائے دل کوئی پیکاں بغل میں ہے
کیا خوف زخمِ الفت مژگاں میں دل ہو شیر ۔ یہ تیر کھائے ہیں کہ نیستاں بغل میں ہے
تیرے قدم کے فیض سے ہر ذرہ راہ کا ۔ روشن یہ ہے کہ مہرِ درخشاں بغل میں ہے
آئی بہار شہر میں کس جا نہیں خوشی ۔ ہر طفل باٹ باغ گلستاں بغل میں ہے
واقف ہیں زاہدانِ ریائی سے خوب ہم ۔ کلمہ بتوں کا پڑھتے ہیں قرآں بغل میں ہے
واعظ کتابِ وعظ لیے ہے تو کیا ہوا ۔ بوتل شراب کی بھی تو پنہاں بغل میں ہے
کس منہ سے جاؤں داورِ محشر کے سامنے ۔ شرم آتی ہے کہ دفترِ عصیاں بغل میں ہے
کافی ہیں روشنی کو مجھے داغ ہائے دل ۔ طاؤس کی طرح سے چراغاں بغل میں ہے

شاعر ہیں اِس زمانے کے دریوزہ گر امیرؔ
نکلے ہیں بھیک مانگنے دیواں بغل میں ہے

گردباد اُٹھ کے سراپردۂ در کس کا ہے ۔ اے جنوں خانہ بدوشی میں یہ گھر کس کا ہے
جلوہ خورشید میں یہ پیشِ نظر کس کا ہے ۔ چاک دامانِ سحر رختۂ در کس کا ہے
توڑتا ہے جو کوئی پھول تو کہتی ہے صبا ۔ کیا خبر تجھ کو کہ یہ دل یہ جگر کس کا ہے
اِس طرف منہ نہیں کرتا ہے جو خورشید کبھی ۔ گرم کیا جانیے بازار اُدھر کس کا ہے
تو ہی یاں رہنے کو آیا ہے نہیں او غافل ۔ جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے
برچھیاں تن پہ لگیں تیغ پڑے تیر آئیں ۔ آرزو مندِ اجل ہوں مجھے ڈر کس کا ہے
طالبِ غیر نہیں جلوۂ معشوق پسند ۔ غیرِ شیریں دلِ فرہاد میں گھر کس کا ہے
دل کے سو ٹکڑے ہوں آجائے کلیجا منہ کو ۔ ضبط سے آہ نہ نکلے یہ جگر کس کا ہے
اُس کے دامن پہ گرا اشک جو میرا تو کہا ۔ واہ کیا شوخ ہے یہ نورِ نظر کس کا ہے
دل کبھی منزلِ حق ہے کبھی بت کا مسکن ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے یہ گھر کس کا ہے

تیرے گریاں کے اگر لاک ہیں اے حور نہیں — باغ فردوس میں یہ قصر گہر کس کا ہے
عکس آئینہ صفت ربط ہے منہ دیکھے کا — خوب واقف ہوں میں دل میں ترے گھر کسکا ہے

لاکھ لاکھ اُس شہ خوباں کے ہیں احسان امیر
عشق منزل تلک اس طرح گذر کسکا ہے

دیر میں کون ہے کعبے میں گذر کس کا ہے — یار کا گھر یہ اگر ہے تو وہ گھر کس کا ہے
تیر پر تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے — سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے
رہبری کو جو گیا دیدۂ یعقوب سے نور — کشور مصر کو کنعاں سے سفر کس کا ہے
تندرستوں نے قضا کی ہوئے بیمار صحیح — پہلے کیا جانیے دنیا سے سفر کس کا ہے
خوف میزان قیامت نہیں مجھکو اے دوست — تو اگر ہے مرے پلے میں تو ڈر کس کا ہے
چھان کر میرے سیہ خانے کو کہتا ہے یہ ماہ — تیرہ العظمۃ للہ یہ گھر کس کا ہے
دانے کی خاک نشینی سے ہوئی نشو و نما — خاکساری کا نہیں تو یہ ثمر کس کا ہے
کوئی آتا ہے عدم سے تو کوئی جاتا ہے — سخت دونوں میں خدا جانے سفر کسکا ہے
چھپ رہا ہے قفس تن میں جو ہر طائر دل — آنکھ کھولے ہوئے شاہین نظر کس کا ہے
کھول کر منھ کو مری گور میں مانند عروس — بولی عبرت کہ ذرا دیکھ یہ گھر کس کا ہے
خلد بے شبہہ خدا دے گا نبی آدم کو — باغ مملوک پدر غیر پسر کسکا ہے
نام شاعر نہ سہی شعر کا مضموں ہو خوب — پھل سے مطلب ہمیں کیا کام شجر کسکا ہے
لاش زیر شجر کوچۂ محبوب گڑے — نخل نیکی نہ تھے تو یہ ثمر کس کا ہے
صید کرنے سے جو ہے طائر دل کے منکر — اے کماندار ترے تیر میں پر کس کا ہے
شوق ہوتا ہے عمارت کا تو مجھسے عبرت — کہتی ہے گور جھنکا کر کہ یہ گھر کس کا ہے

میری حیرت کا شب وصل یہ باعث ہے امیر
سر بہ زانوں ہوں کہ زانو پہ یہ سر کسکا ہے

جہاں میں ہم کوئی دم صورت حباب رہے — خودی کی شرم سے اسپر بھی آب آب رہے
فراق نرگس میگوں میں ہم خراب رہے — تمام عمر یہ مست بے شراب رہے
نہ مجھ کو آئے نہ اُن کو حساب بوسوں کا — یہ لین دین الٰہی علی الحساب رہے
نصیب ہو کہ نہ ہو صبح دیکھنا غافل — خیال موت کا لازم ہے وقت خواب رہے
پہنچے حساب میں روز حساب اہل حساب — حساب جن کو نہ آیا وہ بے حساب رہے
وصال میں بھی نہ دیکھا بُرا ہو غفلت کا — ہمیں کو ہوش نہ آیا وہ بے نقاب رہے
نہ زر سے کام نہ اسباب سے نہ دولت سے — یہ سب رہیں نہ رہیں عالم شباب رہے
وہ اور ہیں جو حسینوں کی بزم میں ہیں ذلیل — کہیں حضور رہے ہم کہیں جناب رہے
جلائے دل کو تو اچھی طرح سے آتش غم — مزا پھر اُس میں نہیں خام جو کباب رہے
خدا کا نور چھپائے سے چھپ نہیں سکتا — جہاں رہے وہ عیاں مثل آفتاب رہے
پھر آئیگا دل مے نوش دیکھ کر خالی — نظر سے دور ہی مینائے بے شراب رہے

قطعہ

خدا نے تجھ کو سلیقہ عطا کیا ہے بہت — ہر ایک بات کا حاضر صنم جواب رہے
عجب نہیں کوئی مسلم کرے جو دعویٰ عشق — قسم کے واسطے اللہ کی کتاب رہے

امیر کیجئے توبہ کی فکر پیری میں
مزے شراب کے تا عالم شباب رہے

جہاں میں یونہیں جو دور انقلاب رہے — یقیں ہے شپرہ کے گھر میں آفتاب رہے
فراق یار میں ساقی شراب کا کیا ذکر — پیا جو آب تو خجلت سے آب آب رہے
وزیر کو سند شاہ کا ہے فرض اعزاز — نبی کے ہاتھ میں اللہ کی کتاب رہے
کرم کرے وہ توانا جو ناتوانوں پر — تو نخل موم کے سایے میں آفتاب رہے
خراب خانے کو ہے قصد تیرے وحشی کا — سبو کے ہاتھ میں خشت خم شراب رہے

خدا نے مرتبہ عالی دیا ہے محسن کو
بلند ماہ سے کیونکر نہ آفتاب رہے

رہ خطا میں بھی چلئے تو راستبازی سے
مدام زیر قدم جادۂ صواب رہے

غش آئیگا مجھے دیکھا جو دختر رز کا حال
قریب ساغر مے شیشۂ گلاب رہے

یقیں ہے تاب نہ لائے حرارت دل کی
جو دو گھڑی مری بالیں پہ آفتاب رہے

قصور نفس لعیں سے خدا رہا ناراض
گناہ غیر پہ ہم مورد عتاب رہے

ملا نہ محفل جاناں میں ہم کو اذن نشست
برنگ شمع خجالت سے آب آب رہے

مبارک ابلق ایام ترک گردوں کو
اُسی کی ران کے نیچے یہ بد رکاب رہے

خیال رخ یہ بندھا ہمکو عشق گیسو میں
کہ شب کو دن کی طرح روبہ آفتاب رہے

خطاب ہے لب ساغر کا محتسب سے امیر
پھرے جو پیر خرابات سے خراب رہے

بڑھے کیا ربط یار دلستاں سے
نیا روز ایک دل لائیں کہاں سے

بگولے خاک سے اُٹھتے ہیں ابتک
نہ مر کر بھی دبے ہم آسماں سے

حسیں سب بیوفا ہیں حضرت دل
وفادار آپ لائیں گے کہاں سے

ادھر دیکھو حیا کیسی شب وصل
اٹھاؤ بھی یہ پردہ درمیاں سے

خزاں کے آتے ہی گلچین و صیاد
لپٹ کر خوب روئے باغباں سے

جواب یہ بوسۂ لب سے ہے انکار
کہا تھا وصل کو پھر کس زباں سے

نکلتا ہے مرا دم ڈر نہ جاؤ
خدا حافظ سدھارو تم یہاں سے

خیال قامت محبوب آیا
میں جی اُٹھا قیامت کے بیاں سے

کہاں دیر و حرم میں عشق مشرب
یہ لوگ آزاد ہیں قید مکاں سے

خط قسمت مٹے جبتک نہ اے دل
جبیں اُٹھے نہ اُس کے آستاں سے

امیر اس کو نہ درد دل سنایا
نہ نکلا کام کچھ دل کا زباں سے

ایک دن یاد کرے گا غم دلدار مجھے — روئیگا بیٹھ کے تربت پہ یہ غمخوار مجھے
عیش بے رنج کہاں غم کدۂ عالم میں — نظر آتی ہے خوشی خندۂ بیمار مجھے
تیرے جاتے ہی احبا نے کیا دفن اے روح — تو جو ہوتی تو نہ کرتے یہ گرفتار مجھے
سیل ساں جوش میں اٹھکر جو میں پہنچا در تک — خوف سے بیٹھ گئی دیکھ کے دیوار مجھے
گر پڑا دیکھ کے چاہ ذقن اس یوسف کا — مل گیا گوشۂ خلوت سر بازار مجھے
روز محشر یہ غنیمت ہے جو اسکا دامن — آگیا یاد سگ کوچۂ دلدار مجھے
لال کردونگا کوئی دم میں بہت کھینچی ہے — منہ پہ چڑھتے تو ذرا دے تری تلوار مجھے
آنکھ کہتی ہے یہ دل سے کہ کریگی برباد — خواہش وصل تجھے حسرت دیدار مجھے
کیا قیامت سے ڈروں عاشق قامت ہوں نہیں — ایسے فتنے نظر آئے ہیں کئی بار مجھے
سچ ہے مر جانے سے بڑھ جاتی ہے انسان کی قدر — دوش پہ لیکے چلے ہیں مرے غمخوار مجھے
جوہر تیغ مرے دام میں وہ طائر ہوں — مشتری ذبح کریگا سر بازار مجھے

گھر سے نکلا تو وہ تھا ساتھ جنازے کے اسیر
رک رہا جان کے وارفتۂ رفتار مجھے

خلعت روز ازل بے سر و سامانی ہے — خاص ملبوس مرا جامۂ عریانی ہے
کون کہتا ہے اسے برق چمکتی ہے جو برق — کسی معشوق کی ہنستی ہوئی پیشانی ہے
زلف بڑھ کر نہیں آتی ہے قدم تک تیرے — قد آدم مری تصویر پریشانی ہے
محو نظارۂ قاتل ہوں میں ایسا دم ذبح — کہ ہر اک داغ بدن دیدۂ قربانی ہے
ہاتھ میں نامۂ اعمال کی جا روز جزا — اپنی بخشش کی سند داغ پشیمانی ہے
صورت آئینہ کیا نیک و بد دہر سے کام — خط تقدیر سے خالی مری پیشانی ہے
مرگ کے بعد بھی ہرگز نہ بدن سے اترا — کسقدر چست مرا جامۂ عریانی ہے
لطف ساقی سے حکومت ہے زمانے کی نصیب — کشتی مے مجھے اورنگ سلیمانی ہے

ذبح کے بعد تجھے دیکھ رہا ہے قاتل — دیکھ کیا حوصلۂ دیدۂ قربانی ہے
معنی مطلع ابرو تو بتا دیں مجھ کو — تیری آنکھوں کو جو دعوائے سخن دانی ہے
مجمع عام میں نکلے عبث اے پردہ نشیں — کب گوارا تری تلوار کی عریانی ہے
دیکھ کر نقش قدم کو ترے کہتا ہے فلک — یہ چمکتی ہوئی کس چاند کی پیشانی ہے
بارہا پر آئے تو بے موت مریں حضرت خضر — گھاٹ میں یار کی تلوار کے وہ پانی ہے
کم نہیں آئینہ خانے سے یہ سب بزم جہاں — جس طرف دیکھیے اک عالم حیرانی ہے

جلوۂ شاہد رحمت ہے گناہوں سے امیر
درۃ التاج کرم اشک پشیمانی ہے

صحت ہوئی مرض سے مگر ناتواں رہے — پرہیز کون توڑے ہم اتنے کہاں رہے
پامال سرکشوں کے رہے ہم جہاں رہے — دب کر زمین کی طرح تہ آسماں رہے
خنجر کو رکھ کے زخم میں اس ترک نے کہا — ایسے دہن میں چاہیے ایسی زباں رہے
ممکن نہیں کہ دل میں چھپے عشق زلف یار — آئینے میں جو بال پڑے کیا نہاں رہے
کعبہ بھی چند روز رہا ہے صنم کدہ — چندے خدا کے گھر بھی بت میہماں رہے
تا حشر ان کو ناز مبارک مجھے نیاز — مانند عشق حسن بھی یارب جواں رہے
یارب چھٹیں نہ زلف سے ہم عاشقوں کے دل — آباد مومنوں سے یہ ہندوستاں رہے
دونوں جہاں کی فکر سے فارغ ہیں مے پرست — ہو خم کی خیر مغ کی سلامت دکاں رہے
دو روز بتکدے کی بھی کر آئیں چل کے سیر — زاہد خدا کے گھر میں بہت میہماں رہے
دل میں سوا خدا کے نہیں جائے غیر خوف — خلوت کے واسطے بھی تو کوئی مکاں رہے
چشم کحیل یار نے دم بند کر دیا — سرمے کی گرد میں مرے نالے نہاں رہے
مانند مردمک اسے آنکھوں میں دیں جگہ — انساں جو آپ اپنی نظر سے نہاں رہے
میں ہوں حباب مجھ کو تعلی سے کام کیا — گھر کی زمیں گھر کا مرے آسماں رہے

انخفا طبیب سے ہو تپ عشق کا ضرور — نبض استخواں میں شمع کیصورت نہاں رہے
لازم ہو فکر دوست مناسب ہو ذکر دوست — جبتک بدن میں جان و دہن میں زباں رہے

ہستی مری نشانہ سکی نیستی امیر
وہ ذکر خیر ہوں کہ جو ورد زباں رہے

پوشیدہ خط سے جوہر حسن بتاں رہے — اپنے دھوئیں میں آپ یہ شعلے نہاں رہے
مجھ میں رہے وہ پر میں نہ سمجھا کہاں رہے — قالب میں یار جیسے روح کیصورت نہاں رہے
ہم غافلان دہر کو اتنا ہوا نہ ہوش — تھا کون میزباں کہاں میہماں رہے
ہو حسن میں بھی معنی روشن کا خاصہ — دلمیں عیاں رہے و نظر سے نہاں رہے
دیر و حرم میں سجدہ در دوست پر کیا — تھے آستان یار پہ حاضر جہاں رہے
انساں کو چاہیئے کہ دلوں میں جگہ کرے — بو ہو کے اُس چمن کے گلوں میں نہاں رہے
غربت میں موت آئی ہو تربت بھی خام ہو — کچھ بے کسی کا بعد فنا بھی نشاں رہے
کہتا ہو وہ صنم کہ رہیں ہم تمہارے گھر — لیکن یہ شرط ہے کہ خدا درمیاں رہے
آئی ندائے غیب گرا جب میں بیقرار — مشکل ہو اب زمین نہ آسماں رہے
تکلیف دے خضاب کی ہمکو نہ اے ہوس — کچھ روز دوں پیر بھی ہم بن جواں رہے
کیسی تڑپ ادب سے نہ کی آنکھ سامنے — کہئے درست ہوش دم امتحاں رہے
شبنم ہمیں خدا نے بنایا ہے تجھ کو مہر — تیرا ہوا ظہور تو پھر ہم کہاں رہے
راضی ہیں ہم کو پھیر کے منھ ذبح کیجئے — باقی نہ کوئی حوصلۂ امتحاں رہے
لاؤں بھلا کہاں سے دل بے ملال میں — اے دوست غمکدہ تو یہ ہے غم کہاں رہے
اے آہ کر مدد یہ کہاں تک مخالفت — یا ہم رہیں زمین پہ یا آسماں رہے

ہوتا وصال ذرہ و خورشید کیا امیر
چار آسمان آٹھ پہر درمیاں رہے

یارب حیا سے شہرۂ حسن بتاں رہے  ‌ ‌ نیچی نظر سے حسن کی اونچی دکاں رہے
لازم ہے اُسکے رخ پہ نمود خط سیاہ  ‌ ‌ ممکن نہیں کہ آگ کے نیچے دھواں نہ ہے
حاتم کا داستاں تو نہیں ابتک ہے تذکرہ  ‌ ‌ وہ کام کر کہ ناموروں میں نشاں رہے
نیرنگ اُن کی شان تجلی کی دیکھئے  ‌ ‌ اتنے ہوئے عیاں کہ نظر سے نہاں رہے
زیر زمیں بھی آہ کی عادت ضرور ہے  ‌ ‌ قابو میں تا کلید در آسماں رہے
گلشن میں مجھسے ہے یہ تقاضائے اضطراب  ‌ ‌ کھٹکا ہو جس شجر میں وہیں آشیاں رہے
مجھ سا نشانہ ڈھونڈھتی ہے بہر تیر یار  ‌ ‌ کیوں راتدن نہ پشت خمیدہ کماں رہے
یوں بیٹھے بیٹھے زیست کے دن ہوگئے تمام  ‌ ‌ کشتی میں جیسے ساکن کشتی رواں رہے
آیا کبھی ہمانہ سگ یار اس طرف  ‌ ‌ برسوں لحد میں ڈھیر مرے استخواں رہے
اب دیکھیں کیا دکھائے نشیب و فراز دہر  ‌ ‌ ابتک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے
بیکاری زمانہ سے بیکار کب ہوئے  ‌ ‌ ہم تبض دشت شل کیطرح سے رواں رہے
بیڑا ہو پار عشق مژہ میں کٹے جو عمر  ‌ ‌ خنجر کی دھار پر مری کشتی رواں رہے

صیاد اِدھر خلاف اُدھر باغباں امیرؔ
ہم بار خاطر قفس و آشیاں رہے

لطف تب ہو کہ اِدھر ہاتھ میں بوتل آئے  ‌ ‌ اس طرف جھوم کے گلزار میں بادل آئے
طالب مرگ بھی ہیں منتظر یار بھی ہیں  ‌ ‌ دیکھئے کون شب ہجر میں اوّل آئے
سخت جانوں پہ لگا ضرب سمجھ کر قاتل  ‌ ‌ تیغ میں بال کمر میں نہ تری بل آئے
آنکھ جسکی کہ تری تیغ دو دم پر پڑجائے  ‌ ‌ ایک دو اُسکو نظر صورت احول آئے
ہجر جاناں میں کہاں صورت آرام نصیب  ‌ ‌ چونک اُٹھوں جو نظر خواب میں مخمل آئے
ہو محبت میں نہ تلخی کے سوا کچھ حاصل  ‌ ‌ ثمر اس نخل میں آئے بھی تو حنظل آئے
جوش وحشت میں کروں کیوں نہ میں صحرا کو گزر  ‌ ‌ آدمی کا جو نظر شہر میں جنگل آئے

ہر قدم پر ہوں دل اہل تماشا پامال ‏ کبک و طاؤس کو تیری سی جو چھل بل آئے

وقت گریہ اگر اس گیسوئے مسلسل کی ہو یاد ‏ موج اشک آنکھ سے کیونکر نہ مسلسل آئے

ہوں وہ بیمار کہ نفرت ہے دوا سے مجھکو ‏ درد سر ہو جو مرے سامنے صندل آئے

ہیں وہ ناداں جنہیں دو روز کے جینے پہ ہے ناز ‏ دیر کتنی ہے اجل آج نہیں کل آئے

دود آہ دل پر سوز جو ہم نذر کریں ‏ چشم جاناں کو پسند اور نہ کاجل آئے

ہوں وہ وحشی جو کروں دشت نوردی شب کو ‏ ہر قدم غول دکھاتے مجھے مشعل آئے

ہے یقیں خشک زبانیں نہ رہیں کانٹوں کی ‏ پانوں چھالے کیلئے ہاتھ میں چھاگل آئے

لوٹ کر دل نے دکھائے اثر نالہ و آہ ‏ ہیں عجب شاخ شکستہ میں نئے پھل آئے

عشق زلف سیہ یار نے مارا ہے امیر
سایہ کرنے کو نہ کیوں گور پہ بادل آئے

درد عارض ہو دوا کو تو مجھے کل آئے ‏ پانوں گھس جائیں جو سرتا کمر صندل آئے

دو قدم تم جو چلو خلق میں ہلچل آئے ‏ یہ ہو حشر کا دن وقت سے اول آئے

بل بے ضعف آج اگر منہ سے نکالوں آواز ‏ جلد آئے جو مرے کان تلک کل آئے

واہ رے شوق شہادت جو قیامت آئے ‏ لوگ محشر کو گئے ہم سوئے مقتل آئے

کفر کعبے میں نہ پھیلاؤ لڑا کر آنکھیں ‏ دیکھ عارض پہ کہیں بہکے نہ کاجل آئے

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ نالہ کیسا ‏ سر کے سو ٹکڑے ہوں تیوری پہ اگر بل آئے

وہ سیہ مست ہوں ساقی کہ اگر پہلو میں ‏ دل کو ڈھونڈھوں تو مرے ہاتھ میں بوتل آئے

توبہ کرلی تھی کہ بوچھار ملامت کی ہوئی ‏ خوب ہی گھر کے برستے ہوئے بادل آئے

سر سے اوڑھو نہ دوپٹہ مجھے کھٹکا یہ ہے ‏ نیچے گھونگھٹ کہیں چہرے پہ نہ آنچل آئے

پھول دکھلائی دیے مجھ کو جنوں میں کانٹے ‏ باغ بن بن کے مرے سامنے جنگل آئے

پھینکیو کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیر ‏ پھوٹ کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

## مخمس بر غزل جناب فردوس مکان نواب یوسف علی خاں بہادر
## متخلص بہ ناظم والی مصطفیٰ آباد عرف رامپور

کیا کہئے وہ کہتے ہیں ہر بات پر غلط — اظہار غم کیا تو کہا سر بسر غلط
یہ درد دل دروغ یہ زخم جگر غلط — میں نے کہا کہ دعوی الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کسقدر غلط

طوفان جوش گریۂ بے اختیار جھوٹ — آتش فشانی جگر داغدار جھوٹ
زور کمند جذب دل بیقرار جھوٹ — تاثیر آہ وزاری شبہائے تار جھوٹ
آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

ہر روز ایک تازہ دکھاتے ہیں ماجرا — ہر وقت چھوڑتے ہیں شگوفہ کوئی نیا
جب آزمائیے تو نہ یہ سچ نہ وہ بجا — سوز جگر سے ہونٹھ پہ تبخالہ افترا
شور فغاں سے جنبش دیوار و در غلط

ہاں داستان شکوۂ بخت نزار دروغ — ہاں دیکھ پیچ و تاب سے سہ زخموں دروغ
ہاں فرط غم سے جوشش سیلاب خوں دروغ — ہاں سینے سے نمائش داغ دروں دروغ
ہاں آنکھ سے تراوش خون جگر غلط

ہیں سب بناوٹیں ہمیں فقرے نہ دیجئے — ساقی صبیح ہو تو صبوحی نہ پیجئے
دوڑائیے نہ ہاتھ کو بوسے نہ لیجئے — آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے
عشق مجاز و چشم حقیقت نگہ غلط

تسخیر یار کے لئے یہ سب فریب ہیں — صاحب شکار کے لئے یہ سب فریب ہیں
سمجھا میں پیار کے لئے یہ سب فریب ہیں — بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں

## اظہار پاکبازی و ذوق نظر غلط

بھولا سمجھ کے ہمکو جتاتے ہیں گرمیاں — کرتے ہیں مہر جب کبھی ہوتے ہیں مہرباں
ہم پر سر زمیں ہیں وہ بالائے آسماں — لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں
احمق نہیں ہم اسکو نہ سمجھیں اگر غلط

صاحب کہو وہ بات کہ ہو کچھ تو دلنشیں — جسکا نہ سر نہ پانوں ہو اسکا ہو کیا یقیں
اس جھوٹ کی ہے بندہ نواز انتہا کہیں — سینے میں اپنے جانتے ہو تم کہ دل نہیں
ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے انکی کمر غلط

شیطان بھی تمہارے فریبوں سے مات ہے — تم دنکو دن کہو تو میں سمجھوں کہ رات ہے
اظہار ذوق قتل کی ساری یہ گھات ہے — کہنا اداکو تیغ خوشامد کی بات ہے
سینے کو اپنے اسکے سمجھنا سپر غلط

تم لاکھ قسمیں کھاؤ نمانوں گا میں کبھی — کیا جان اپنے ہاتھ سے کھونا ہے دل لگی
ناداں بنا رہے ہیں ہمیں آپ واہ جی — مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جان عزیز پیشکش نامہ بر غلط

عیاریوں سے یہی کوئی ہوتا ہے نیکنام — صاحب یہی ہے مکر تو بندے کا ہے سلام
یہ کون بک رہا ہے اگر ہم ہوئے تمام — پوچھو تو کوئی مرکے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے ہو جان دی ہے سر رہگذر غلط

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہیں لو وہ مر گیا — بیڑے میں عاشقوں کے عجب کام کر گیا
سرپیٹیں آشنا کہ وہ جی سے گذر گیا — ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط

اس شاعری پہ آپکو اتنا نہ تانئے — فقروں میں ہم نہ آئینگے گو خاک چھانئے
کیا فرض ہے کہ جھوٹ کو بھی سچ ہی جانئے — آیت نہیں حدیث نہیں جسکو مانئے

ہو نظم و نثر اہل سخن سر بسر غلط

اس بیوفا کو عشق جتانے سے کیا ملا — الزام اٹھائے بیٹھے بٹھائے ہزار ہا
کہتا نہ تھا میں کہ اظہار ہے بُرا — یہ کچھ سنا جواب میں ناظم ستم کیا
کیوں یہ کہا کہ دعوے الفت مگر غلط

## رباعی

گھر کھدنے کی پوچھو نہ مصیبت ہم سے — روتی ہے لپٹ لپٹ کے حسرت ہم سے
یا ہم جاتے تھے گھر سے رخصت ہو کر — یا گھر ہوتا ہے آج رخصت ہم سے

## رباعی

ہر گھر میں شرابی ہے الٰہی توبہ — ہر در پہ کبابی ہے الٰہی توبہ
مسجد سا مقام اور دور ساغر — کیا خانہ خرابی ہے الٰہی توبہ

## رباعی

زاہد ہو کر جو شغل مے چھوڑ دیا — اللہ رے فساد خوں بدن پھوڑ دیا
فریاد ہے مجھ شکستہ دل کی یارب — توبہ کی درستی نے مجھے توڑ دیا

## رباعی

اوروں کو تو دنیا میں قضا نے مارا — دی زیست خدا نے پھر خدا نے مارا
پر صورت مرگ و زیست اپنی ہے جدا — اُس لب نے جلایا تھا ادا نے مارا

## رباعی

کمرے میں تو شب وہ ماہ سیما آیا — اس پر بھی مجھے ہاتھ نہ تنہا آیا
چلمن جو اٹھی ہوئی تھی آئی تھی ہوا — چھڑوا دیے پردے تو پسینا آیا

## رباعی

زیبا ہے جو دم بھرتے ہیں مردم اسکا — قتال زمانہ ہے تکلم اس کا

کیا تیغ دو دم ہے اُسکی تحریکِ دو لب — کیا غنچہ ہے نیم تبسم اُس کا

رباعی

مشکل سے تجھے او گل رعنا پایا — کونین میں پھر کر ترا کوچا پایا
دنیا عقبیٰ سے عاشقی حاصل کی — صغرا کبرا سے یہ نتیجا پایا

رباعی

آنکھوں سے ہے رنگ مے پرستی پیدا — پلکوں سے ہو شان پیش دستی پیدا
کچھ حاجت مے نہیں کہ ہو آپ سے آپ — اُن پتلیوں سے سیاہ مستی پیدا

رباعی

سنتا ہوں ہوا جلوہ نما عید کا چاند — ہے اُسکی جدائی تو کجا عید کا چاند
وہ ابروے پرخم نظر آئے جو مجھے — البتہ یہ سمجھوں کہ ہوا عید کا چاند

رباعی

عاشق کو کہاں شکیب شیدا ہو کر — دل زندۂ جاوید ہے مردہ ہو کر
پیوند زمیں کرے جو مجھ کو گردوں — گرد اُسکے پھرے خاک بگولا ہو کر

رباعی

ایسا ہوں میں بادِ فنا کہ او کشتۂ ناز — ہڈی سے بنے شانہ پس سوز و گداز
وہ شانہ یقیں ہے ہمہ تن ہو کے زباں — دے روز دعا کہ عمر گیسو ہو دراز

رباعی

آرام کہاں دشت میں ہم لیتے ہیں — تھمتے ہیں ٹھہرتے ہیں نہ دم لیتے ہیں
وحشت ایسی رمیدگی ہے ایسی — آنکھوں سے ہرن آکے قدم لیتے ہیں

رباعی

دنیا سے عدم کی سمت جاتے جاتے — بگڑے ہوئے کیا کام بناتے جاتے

آنا جانا تھا اپنا مانند نفس    تاخیر ذرا ہوئی نہ آتے جاتے

## رباعی

کیا لطف اگر سارا زمانہ دیکھے    دیکھے تو نگاہ چشم دانا دیکھے
کر گلشن الفت میں گذر مثل نسیم    آنا دیکھے نہ کوئی جانا دیکھے

## رباعی

کچھ تو ہمیں گلشن سے ابھی ہاتھ لگے    کھل جائے کنول دل کا کلی ہاتھ لگے
عارض نہ دکھاؤ اک نظر دیکھ تو لو    گر پھول نہیں تو پنکھڑی ہاتھ لگے

## رباعی

خط یار نے کیا نام خدا لکھا ہے    القاب جدا شوق جدا لکھا ہے
ملجائے یقیں ہے مرض غم سے نجات    نامہ نہیں تعویذ شفا لکھا ہے

## رباعی

مٹ جاؤنگا غم میں جان کھوتے کھوتے    اس بزم سے ہوگا کوچ ہوتے ہوتے
ہوں شمع صفت اگر یہی سوزش دل    گھل جائیگا تن تمام روتے روتے

## رباعی

پہنچے جو ترے در پہ وہ ممتاز ہوئے    رکھا جو قدم سر پہ سرافراز ہوئے
یہ کعبہ کہاں اور کہاں ہم مجرم    سامان یہ قسمت سے خداساز ہوئے

## رباعی

ہم کو تو پسند ہے طبیعت ایسی    نکلے الفت کرے عداوت ایسی
کمبخت نے کیا کہا ہے منصف یہ نہیں    شاعر کو کہاں نصیب قسمت ایسی

## رباعی

گھر سے وہ برآمد کبھی در تک نہ ہوئے    تحفے کئے منظور نظر تک نہ ہوئے

نامہ نہ پڑھا جواب نامہ کیسا — قاصد کی خبر سُنی خبر تک نہ ہوئے

## رباعی

آئی ہے شب ہجر رُلانے کے لئے — میں ایک نہیں سب کے مٹانے کے لئے
اشکوں میں مرے ڈوب رہا ہے عالم — آنکھیں مری روتی ہیں زمانے کے لئے

## رباعی

کیا تیری جدائی میں ستم دیکھتے ہیں — دیکھے نہ وہ دشمن بھی جو ہم دیکھتے ہیں
اِس ظلم پہ اِس جور پہ خاموش رہے — ایسا تو جہاں میں کوئی کم دیکھے ہیں

## رباعی

خواہان طرب ہے جسے ادراک نہیں — آرام تہ گنبد افلاک نہیں
پیمانہ گردوں میں کہاں بادۂ عیش — جز دُرد تہ جام یہاں خاک نہیں

## رباعی

غائب بہت اے جان جہاں رہتے ہو — مانند نظر ہم سے نہاں رہتے ہو
ہر چند کہ آنکھوں میں ہو تم دل میں ہو تم — معلوم نہیں پر کہ کہاں رہتے ہو

## رباعی

ٹھنڈے یاروں سے گرمجوشی کیسی — گندم دکھلا کے جو فروشی کیسی
پھر جائینگی آنکھیں جو پھری ہم سے نظر — صدقہ آنکھوں کا چشم پوشی کیسی

## رباعی

اے جان جہاں یہ بیوفائی ہم سے — اغیار سے اخلاص رُکھائی ہم سے
بیگانہ روش بیٹھے ہو اسطرح الگ — گویا نہ کبھی تھی آشنائی ہم سے

## رباعی

ظاہر میں جو آزردہ تمہیں پاتا ہوں — کچھ دل میں نہیں دلکو یہ سمجھاتا ہوں

ہوتا ہے کبھی اگلی محبت کا اثر
سچ کہدو کبھی میں تمہیں یاد آتا ہوں

## رباعی

کہتے ہو کہ دل کوئی اٹھائے ہم سے
تم نے تو نئے رنگ نکالے ہم سے
پچھتاؤ گے آخر کو کہے دیتے ہیں ہم
دنیا میں کہاں چاہنے والے ہم سے

## رباعی

بالفرض حیات جاودانی تم ہو
بالفرض کہ آب زندگانی تم ہو
ہم سے نہ ملو تو خاک سمجھیں تم کو
لیں نام نہ پیاس کا جو پانی تم ہو

## قطعہ تہنیت عقد دختر و پسر نواب شرف الدولہ بہادر مع تاریخ

نواب باہمم شرف الدولہ ذی حشم
جنکی بہادری پہ ہے شمشیر تاک گواہ
تشبیہ نقش پائے مبارک سے دوں اگر
پھینکے فلک یہ مہر فلک فخر سے کلاہ
فیض قدم سے راہ میں گوہر بنے خذف
ذرے ہوں آفتاب پڑے جس طرف نگاہ
رونق تھی بادشاہی اختر نگر کی اور
جبتک کہ آسمان وزارت کے تھے دو ماہ
اچھوں کے اچھے ہوتے ہیں سچ ہے جہاں میں
یہ آسمان جاہ تو اولاد مہر و ماہ
ہیں رنگ و بوئے باغ شرف دختر و پسر
دونوں دُر یگانہ دریائے عز و جاہ
دونوں کی شادیاں ہوئیں ایوان پائی زیب
گلشن کا رنگ جشن سے محفل پر اشتباہ
عالم تمام خوان عنایت سے بہرہ یاب
محروم ایک فیض حضوری سے خیر خواہ
لیکن رہا سرور سے ہمدوش رات بھر
مشہور ہے جہاں میں کہ دلسے ہے دل کو راہ
دل سے تمام شب رہیں باتیں سرور کی
اشعار کچھ زبان پر آئے دم پگاہ
دان دھوم عقد کی ہوئی یاں فکر سلک نظم
دی عیش نے صدا کہ مبارک کرے الہ
پایا ہے اس چراغ سے اس شمع نے فروغ
اس شمع سے چراغ کی روشن ہوئی نگاہ

گل کو قریب نرگس شہلا کے لے گئے ‏ ‏ ‏ ‏ نرگس کو لائی گل کے قریں باد صبح گاہ
تاریخ خامۂ دو زباں نے لکھی امیرؔ
یہ نہ قریں بزہرہ وہ زہرہ قرین ماہ
۳ ‏ ‏ ‏ ‏ ۱۲۰۰ھ

## ایضاً

اے خوشا نواب والا مرتبت ‏ ‏ ‏ ‏ جن کے رخ سے مقتبس ہر بار چاند
ان کے دختر و طفل دونوں ارجمند ‏ ‏ ‏ ‏ ایک سورج ایک بے تکرار چاند
عقد دونوں کے ہوئے دل نے کہا
آئے ہیں گھر میں شرف کے چار چاند

## قطعہ تاریخ طبع صحیفۂ اخبار

مخزن الاخبار کو پایا جو مالا مال حسن ‏ ‏ ‏ ‏ لوٹنے کو دُرّ غلطاں کو بہانہ مل گیا
لوح پیشانی سے صفحہ ہو گیا عرش آستاں ‏ ‏ ‏ ‏ مشتری کو بہر سجدہ آستانہ مل گیا
دانت شرما کر نکل آئے صدف کے ہجر میں ‏ ‏ ‏ ‏ موج کو زلف پریشانی کا شانہ مل گیا
کیا صفا ہے جتنے نقطے تھے وہ موتی بن گئے ‏ ‏ ‏ ‏ ہنس کو مقسوم کا ایک ایک دانہ مل گیا
محو مدحت اُڑ کے جا بیٹھا نہال فکر پر ‏ ‏ ‏ ‏ مرغ زرین قلم کو آشیانہ مل گیا
بندش صاف آئینہ ہے خود نمائی کے لئے ‏ ‏ ‏ ‏ شاہد مضموں کو شوخی کا بہانہ مل گیا
سال سے ہو اوج نجم مشتری روشن امیرؔ
جس کو پرچہ مل گیا سمجھا خزانہ مل گیا
۱۲۷۲ھ

## ایضاً

مولوی ہادی علی والا گہر عالی نژاد ‏ ‏ ‏ ‏ ہے سرشت پاک آب کوثر و تسنیم سے

موجد انداز تحریر طلسم لکھنؤ
اور وصف اُسکے ہیں باہر حیطۂ ترقیم سے
نظم اک غنچہ ہے اُن کی بوستان طبع کا
نثر اک گل ہے بہار روضۂ تعلیم سے
اب ہوئے ہیں مخزن اخبار یہ گوہر فشاں
ہو گئے مفلس مالدار اس پرچہ کی تقسیم سے

تجھ سے ہو تاریخ کا سائل اگر کوئی امیر
کہ بھرا ہے ایک پرچہ گنج ہفت اقلیم سے

## ایضاً

فکر تاریخ نمودم چو برائے مخزن
گفت در گوش دلم ہاتفِ از غیب سخن
چار برگیر بہ تعداد حروف از مخزن
نصف یکبار بیفزا و دو بارش کم کن

۱۲۱۴ھ

## قطعہ تاریخ وفات مادر جناب منشی کرم احمد صاحب خیر آبادی

چو اُم منشی دیوان اکرم
کرم احمد کہ مقبول خدا باد
سفر اندر صفر فرمود زیں دہر
بچشم حور خاکش توتیا باد
جہاں از رحلتش ویراں شد و خلد
بہ یمن مقدم او گشت آباد

امیر ایں مصرع تاریخ بنوشت
بزیر دامن خیر النسا باد

۱۲۷۳ھ

## قطعہ تاریخ طبع دیوان جناب معلی القاب نواب محمد یوسف علیخان بہادر والی مصطفیٰ آباد عرف رامپور

مبارک ہوا اے شاعران سخنداں
چھپا خسرو ملک معنی کا دیوان
فصاحت بلاغت نزاکت لطافت
معانی بہ صدقے مضامیں پہ قرباں
امیر اُسکی تاریخ کہنے کے خاطر
ہوا فکر میں جب کہ سرور گریباں

۱۲۸۳ھ

ندا غیب سے اُس کے کانوں میں آئی
کہ افکار نواب یوسف علی خاں

## قطعۂ تاریخ مثنوی مرزا حاتم علی بیگ صاحب مہر حسب فرمائش جناب میر محسن علی صاحب لکھنوی

لکھی جناب مہر نے کیا خوب مثنوی ‏ ‏ ایسی نہ ہو ہمیشہ اگر خاک چھانیے
تاریخ میں امیر تکلف ہے کیا ضرور ‏ ‏ راز و نیاز عاشق و معشوق جانیے

## قطعۂ تاریخ وفات جناب شیخ وحید الزماں صاحب

اتوار کی شب رجب کی سترھویں ہو ‏ ‏ کی شیخ وحید عصر نے آج قضا
تاریخ کی فکر کی جو میں نے تو امیر ‏ ‏ رضواں نے کہا کہ داخل خلد ہوا
۱۲۸۱ھ

## قطعۂ تاریخ تہنیت سواری حضور پرنور جناب نواب محمد یوسف علیخان بہادر دام اقبالہٗ

شکر ہے نواب کو صحت ہوئی ‏ ‏ پھر مرے خالق نے دکھلائی بہار
دیکھ کر اس کی سواری کا تزک ‏ ‏ چشم نرگس بن کے شرمائی بہار
آمد آمد جب سواری کی ہوئی ‏ ‏ دھوم اُڑی آئی بہار آئی بہار
رنگ یہ اُس کی سواری کا جما ‏ ‏ ابر رحمت کی طرح چھائی بہار
کرتی ہو باد بہاری کے حضور ‏ ‏ ہر قدم پر جبہہ فرسائی بہار
اشرفی کے پھول اپنی جیب میں ‏ ‏ بھر کے بیلے کے لئے لائی بہار
یہ بدیہہ ہو گئی تاریخ امیر ‏ ‏ شہر کیوں گلشن نہ ہو آئی بہار
۱۲۸۳

# تہنیت جشن صحت بندگان والا مقام جناب محمد یوسف علیخان بہادر

## بادائے تہنیت عید صیام

مژدہ اے طالبان شاہد عیش  کہ ہوئی صبح عید شام امید
عید کا چاند چرخ پر نکلا ہے  کھل گئی قفل آرزو کی کلید
دور دور قرآن سعد آیا  ہیں ہم آغوش مشتری ناہید
یوسف عہد کو ہوئی جو شفا  مرتبے ہیں ہوئی دوبالا عید
دون ہمر تاگ کی اُسے کہیئے  جشن صحت اِدھر اُدھر ہے عید
عید سی عید ہے خوشی سی خوشی  ہے عجب ساعت سعید و حمید
اصل مقصود جشن صحت ہے  عید ماہ صیام ہے تمہید
دھوم ہے ہر طرف مبارک ہو  وصل میں وصل اور دید میں دید
ہمہ تن چشم و گوش ہے عالم  کہ یہ عالم نہ دید ہے نہ شنید
دیکھ کر بخشش و نوال حضور  چرخ پر کاسہ بن گیا خورشید
جو ملے زہرہ و مشتوں سے تو وہ پائے  اطلس چرخ جن کے آگے مرید
فکر تاریخ کی جو میں نے امیر  کیا ہی روح القدس نے کی تائید

ہوئی تاریخ جشن و عید بہم
جشن میں جشن اور عید میں عید

## قطعہ تاریخ جشن صحت

شرف والا مہر کو ہے یا عروج مہر دولت ہے  عجب صحبت عجب جلسہ عجب شادی کی ساعت ہے

کہے سال ہمایوں ہاتھ آتا ہے آمیر ایسا | ہمیشہ عید کا نوروز کا دن روزِ صحت ہے

## قطعہ تاریخ وفات فردوس مکان جناب نواب محمد یوسف علیخاں بہادر انار اللہ برہانہ

در فراق ناظمِ معجز بیاں یوسف لقا | جوش زد سیلاب خوں از دیدۂ گریان من
تاب از دل رفت و دل از دست دو آز کار رفت | رفتن او جملہ بر ہم زد سر و سامان من
تیرہ شد چوں شام ماتم در نظرایں خاکداں | چاک شد مانند دامان سحر دامان من
شکر منت ہائے او ایمان خود دانستہ ام | ذکر او تا بودہ ام بودست حرز جان من
بسکہ از شور فغانم محشری برپا شدہ است | میشود شور قیامت ہر نفس قربان من
گریہ ام در ماتمش رنگ فراوانی گرفت | می چکد طوفان نوح از گوشۂ دامان من

بہر سال آن عزیز مصر دلہا گفت امیر
مسند آرائے جناں شد یوسف دوران من
۱۲۸۱ھ

## قطعہ تاریخ تہنیت جلوس میمنت مانوس جناب معلی القاب نواب محمد کلب علیخاں بہادر والی ملک مصطفیٰ آباد عرف رامپور

آفتاب سپہر حشمت نے | تخت پر جب جلوس فرمایا
فرط بالیدگی سے وقت جلوس | پایۂ عرش تخت نے پایا
عرشیوں نے کہا مبارک ہو | فرشیوں کے سروں پہ یہ سایا
سایۂ اُس سایۂ الٰہی کا | ابر رحمت کی طرح سے چھایا
تخت دولت پہ ماہ دولت نے | مہر ہو کر جلوس فرمایا
مہر کا رنگ ہو گیا پھیکا | ماہ کامل فلک پہ شرمایا

نذر کو آسمان دُرِ انجم — طبق ماہتاب میں لایا
نور سے طور ہو گئی کوٹھی — پرتو حسن نے یہ چمکایا
کیوں نہ خوش ہوں محمدی مشرب — عہد خلق محمدی آیا
اس سلیمان نے خلق سے اپنے — خاتم دل پہ نقش بٹھلایا
جی اُٹھا جس سے چار باتیں کیں — رنگ اعجاز تازہ دکھلایا
جھک گئے مے کشان بزم سوال — جام جود و کرم جو چھلکایا
نئے سر سے جوان ہوا اقبال — نخل دولت مراد پہ آیا
ہے یہ سر تاج تاجداروں کا — اس پہ اللہ کا رہے سایا

واقعی ہے امیر سال جلوس
دور دور فلاح خلق آیا
۱۲۸۱ھ

## ایضاً

خلق کی تقدیر چمکی وہ ہوئے مسند نشیں — نور فیض کبریائی سے جو مالا مال ہیں
ڈھل گئی ہے نور کے سانچے میں تاریخ امیر — آفتاب آسمان دولت و اقبال ہیں
۱۲۸۱ھ

## قطعہ تاریخ وفات جناب شیخ محمد وحید الزماں صاحب سفیر دار الریاست ملک رام پور

آں گرامی گوہر قدسی نفس — رحلت از دنیائے فانی چوں نمود
گفت امیر سخت جاں سال رحیل — صاحب ایماں سراپا خیر بود
۱۲۸۹ھ

## ایضاً

اللہ نے جو وصف عطا ان کو کئے تھے — وہ آ نہیں سکتے ہیں قیاس بشری میں

رحلت کی امیر انکی کہی میں نے یہ تاریخ  بااللہ ملک تھے وہ لباس بشری میں
۱۲۸۹ھ

## ترجیع بند

قاصد خوش خبر رحمت غفار آمد  بخت بیدار شد و دولت بیدار آمد
قطرہ زن آمد و یاد ست گہر بار آمد  ہمچو سیلاب بہاراں سوئے گلزار آمد
تند و پُر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ہر روش اور ہی سامان نظر آتے ہیں  جان تازہ گل و نسرین و سمن پاتے ہیں
جھومتے ہیں جو شجر سرد ہوا کھاتے ہیں  رقص کرتے ہیں تو طاؤس یہ چلّاتے ہیں
تند و پُر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

گلستاں میں نئی ترکیب جو مجلس کی ہوئی  پھر ہوا سرد چلی وجہ یہی اُس کی ہوئی
تازہ امید گل و لالہ و نرگس کی ہوئی  نہیں معلوم یہ مقبول دعا کسکی ہوئی
تند و پُر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

لو تماشائے گل و سنبل و سوسن کو چلو  دیکھنے شاہد مقصود کے جوبن کو چلو
سیر کا وقت ہے گردان کے دامن کو چلو  بیٹھنا گھر میں مناسب نہیں گلشن کو چلو
تند و پُر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کرتے ہیں مرغ چمن شور گھٹا چھائی ہے  ہر روش ناچتے ہیں مور گھٹا چھائی ہے
لطف برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے  صحن گلزار میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

زینتیں مے کی دکانوں کی خداداد ہوئیں
اڑ چلیں بوتلیں ایسی کہ پری زاد ہوئیں
خاطریں قید غم دہر سے آزاد ہوئیں
بھٹیاں بادہ فروشوں کی پھر آباد ہوئیں

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

تہنیت رعد نے چلا کے سنائی کیسی
ہاں میں ہاں کوند کے بجلی نے ملائی کیسی
شکل امید مقدر نے دکھائی کیسی
تھی تمنا جو تمہیں آج بر آئی کیسی

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

تند اس طرح کا جیسے کسی محبوب کی خو
شور ایسا کہ نہیں صور سے کمتر سر مو
وہ سیاہی کہ پریشان ہوں جس سے گیسو
کثرت ایسی کہ فلک کا بھی دبا ہے پہلو

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

چاہیئے دور مے ناب ہو پیمانہ چلے
خانقہ میں ہے جو زاہد سوئے میخانہ چلے
مقدرت ہو کہ نہ ہو کام چلے یا نہ چلے
زور جبتک کہ چلے بادۂ مستانہ چلے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

طرفہ اس ابر کی ہے زیر فلک جلوہ گری
ہم سمجھتے ہیں کہ پر کھول کے آئی ہے پری
زاہد خشک بھی دیکھیں گے تماشائے تری
کشت امید ہوئی بادہ پرستوں کی ہری

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد

میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

خشک سالی کے سبب قحط پڑا تھا گھر گھر    صورت عیش نہ آتی تھی زمانہ کو نظر
فضل خالق نے کیا کھل گئے امید کے در    کہدو ہر کاروں سے میخوارو نکو کردیں یہ خبر

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

رخ جو ہیں زرد وہ گلزار نظر آئینگے    جتنے زہاد ہیں میخوار نظر آئیں گے
لالہ رو صاحب آزار نظر آئینگے    زعفراں زار چمن زار نظر آئیں گے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ابر رحمت پوچھو کہ احوال بیاں کا کیا ہے    کریگے شکر یہ مقدور زباں کا کیا ہے
آگئے کیا رنگ شتاب آج جہاں کا کیا ہے    یہ تصرف جو نہیں پیر مغاں کا کیا ہے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

جتنے میکش ہیں امیر انکو سنا دے پیغام    دیں دعا کلب علی خان بہادر کو تمام
کہ انہیں کیلئے یہ عیش کے ساماں ہیں تمام    فیض سے انکے سنا تا ہے یہ تمکو لب جام

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

## ترکیب بند در تہنیت عید الفطر

جبتک کہ روز عید مسرت فزا رہے    جبتک کہ کعبہ قبلہ اہل صفا رہے

جب تک کہ قبلہ مرجع خلق خدا رہے
مسجود جب تلک حرم کبریا رہے
قرباں ہو تجھپہ عید سعادت فدا رہے
بالائے فرق سایۂ بال ہما رہے

جبتک کہ جرم شمس و قمر میں ضیا رہے
جبتک فروغ زہرہ و نور سہا رہے
جبتک جہاں میں چار عناصر کی جا رہے
جبتک کہ خاک آتش و آب ہوا رہے
مثل زمین سپہر ترے زیر پا رہے
سر پر مدام سایۂ دست خدا رہے

مسجود اہل شرع ہو جبتک خدا کا گھر
جبتک نماز یوں کے جھکیں مسجدوں میں سر
جبتک کہ معتکف رہیں محراب میں بشر
جبتک وظیفہ خواں رہیں زہاد ہر سحر
یارب صف انام کا تو پیشوا رہے
آفاق مقتدی رہے تو مقتدا رہے

جبتک کہ باغ دہر میں پھولیں پھلیں شجر
جبتک دماغ و چشم کو دیں رنگ و بو ثمر
غنچے کھلیں نسیم سے جبتک کہ ہر سحر
شبنم ہو گوش گل کیلئے جب تلک گہر
خنداں گل مراد ہو فضل خدا رہے
نخل مراد میں ثمر مدعا رہے

جبتک کہ ابر تر سے چمن فیض یاب ہو
جب تک کہ ماہ آئینہ آفتاب ہو
جبتک صدف میں گوہر با آب و تاب ہو
جبتک کہ سنگ معدن لعل خوشاب ہو
ہر وقت درفشاں کف جود و سخا رہے
اس ابر سے جہان چمن دل کشا رہے

آباد جب تلک ہو جہاں میں جہان علم
جبتک کوئی زمیں ہو کوئی آسمان علم
جبتک کہ مدرسوں میں ہو جوش بیان علم
جبتک کہ بحث علم کریں طالبان علم

جاں بخش سامعین سخن جانفزا رہے
طرز کلام عیسیٰ معجز نما رہے

جبتک کہ فوج نجم پہ ہو تیغ مہر تیز　　جبتک کرے بہار سے فصل خزاں گریز
اضداد اربعہ میں رہے باہمک ستیز　　جب تک دلونکو آپ کرے خوف رستخیز
فرق حسود زیر سم بادپا رہے
شمشیر تیرے عدل کی کشور کشا رہے

جبتک جہاں میں گردش لیل و نہار ہو　　شب جب تلک کبھی کبھی دن آشکار ہو
جبتک کہ گرم معرکۂ گیر و دار ہے　　کچھ جبر جب تلک کہ ہو کچھ اختیار ہو
دولت تری زیادہ ہو حشمت سوار ہو
اقبال حاضر در دولت سرا رہو

جبتک کہ عشق گل سے ہو بلبل کے دل میں داغ　　جبتک ہو فاختہ کو تمنائے سرو باغ
پرواز جب تلک کہ رہے عاشق چراغ　　آشفتہ عشق مہ رہے تا کبک کا دماغ
عارض پہ جان جن و بشر کی فدا رہے
دل دو جہاں کا بستۂ زلف دوتا رہے

جبتک دہن کو میم عدم نکتہ داں کہیں　　جبتک کہ چاند چہرے کو روشن بیاں کہیں
جبتک نگاہ یار کو شاعر سناں کہیں　　ابرو کو اور مژہ کو خدنگ و کماں کہیں
مثل کمان نہ جو ترے آگے جھکا رہے
اس کا جگر نشانۂ تیر قضا رہے

جبتک صدف میں قطرۂ نیساں گہر بنے　　تا آہن آبیاری پارس سے زر بنے
جبتک ہرن کی ناف میں خوں مشک تر بنے　　جبتک کہ شیشہ سنگ سے گل سے شکر بنے
بوئے گل طرب سے دماغ آشنا رہے

شیشہ شراب عیش سے دل کا بھرا رہے

جبتک کہ بوستاں میں ہے گل گل میں رنگ و بو
جبتک کہ صحن باغ میں جاری ہے آب جو
جبتک صبا چمن میں پھرتی ہے چارسو
جبتک کہ گل ہے جام ہر اک غنچہ ہے سبو

صحت نصیب باغ جوانی ہرا رہے
اس بوستاں کی معتدل آب و ہوا رہے

ایسا جہاں میں حکم کا سکہ بٹھا دیا
نوشیرواں کا عدل دوبارہ دکھا دیا
اس درجہ گنج گوہر و سیم و طلا دیا
نام جم و سکندر و دارا مٹا دیا

خورشید گو وہ سب ترے آگے سہا رہے
نام آوروں کے نام رہے بھی تو کیا رہے

یارب ہمیشہ دولت و حشمت زیادہ ہو
فرحت رہے مدام مسرت زیادہ ہو
ہر روز زور بازوئے قدرت زیادہ ہو
عالم ہو زیر حکم حکومت زیادہ ہو

حاصل ہر اک مراد ہو حامی خدا رہے
ظل رسول سایۂ مشکلکشا رہے

جبتک کہ ہاتھ پانوں کو قوت نصیب ہے
جبتک دل و دماغ کو طاقت نصیب ہے
کانوں کو جب تلک کہ سماعت نصیب ہے
آنکھوں کو جب تلک کہ بصارت نصیب ہے

جان و دل امیر تجھی پہ فدا رہے
اسکو کسی سے کام نہ تیرے سوا رہے

تاریخ طبع سابق از سید فضل رسول خاں مرحوم تعلقدار سندیلہ تلمیذ حضرت امیر مغفور لکھنوی

کہاں ہیں مومن و غالب کہاں ہیں ذوق و نصیر
کہاں ہیں ناسخ و آتش کہاں ہیں [illegible]
چھپا ہے مطبع میں دیوان امیر احمد کا
کہیں زمانے میں جس کا نہیں [illegible]

کریں مطالعہ اس کا بدیدۂ انصاف | کھنچے کسی سے مضامین کی ایسی کب تصویر
جو واسطی کو ہوئی فکر از پے تاریخ | کہا زبانِ قلم نے طفیل فیض اسیر

۱۲۹۰ھ

تاریخ طبع حال از سخنور باکمال منشی بھگوانداس صاحب عاقل ایجنٹ مطبع سلمہ المتعال

کنوں گردید شائع بار ثالث | عجب دیوان اعلیٰ مرآۃ الغیب
پے تاریخ عاقل کرد تحریر | بوقت طبع زیبا مرآۃ الغیب

۱۳۰۹ھ

---

ختم شد